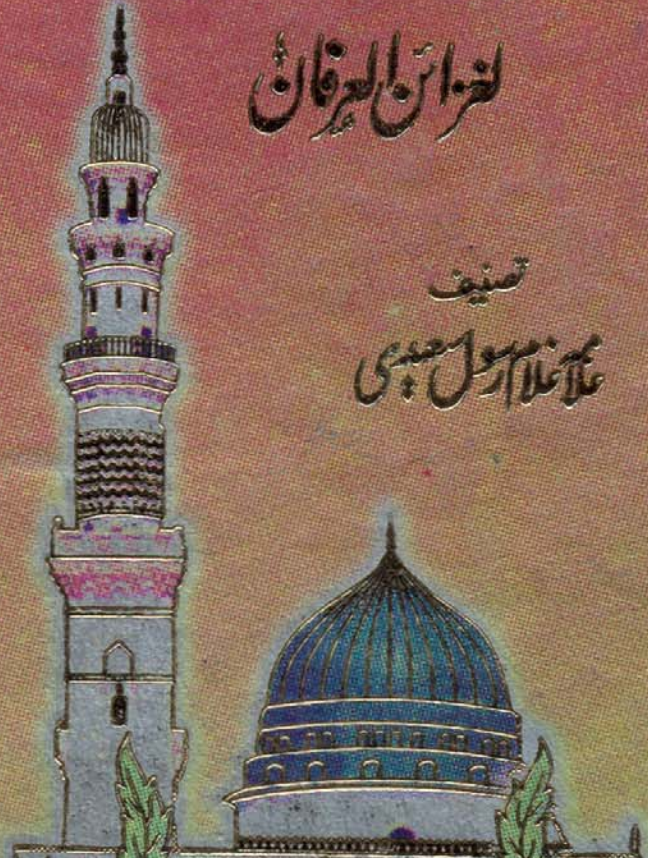


توضیح البیان

لقرآن العرفان

تصنیف
علامہ علامہ رسول حبیبی



حامد اسلمہ محمدی

میں نے
میں نے

لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : توضیح البیان الخزانۃ العرفان

تالیف : علامہ غلام رسول سعیدی

الطبع الاول : جنوری ۱۹۷۹ء

الطبع الثانی : ربیع الاول ۱۴۲۲ء / مئی ۲۰۰۱ء

مطبع : ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور

بدیہ : -/ روپے

ناشر

حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل لاہور
۳۸ اردو بازار

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 042-7224899

ای۔میل نمبر faridbooks@hotmail.com

تعارف

اس کتاب میں سرفراز صاحب گھڑوی کی تفسیر متین و مکمل اور راہ سنت و باب جنت کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے اس کے علاوہ مبتدعین دیوبند کی دوسری بیٹھا کتابوں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے اور تمام دیوبندی بدعات کا قلع قمع کر کے مسلک اہلسنت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ مشرک بدعت کی تعریفوں میں مبتدعین کی غلط فہمیں کا ازالہ کر کے ان کے غانہ ساز قواعد پر ان گنت اشکال قائم کیے گئے ہیں اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ اور صمد الافاضل حمید اللہ کی تفسیر کے ان مقامات کے حجابات اٹھائیے گئے ہیں جنہیں مبتدعین نے تعصب اور جہالت کی عینک سے دیکھا تھا۔

مکہ معظمہ کے عظیم اور شہرہ آفاق عالم
علامہ سید محمد بن علوی مالکی مدظلہ العالی کی نئی تصنیف منہج السلف

کا اردو ترجمہ

مسلك سلف صالحين

صفات باری تعالیٰ فضائل اہل بیتِ مہت کے پاس قرآن پاک کا پڑھنا،
روضہ اقدس کی زیارت کیلئے سفر کرنا، حیاتِ انبیاء علیہم السلام فضائل
سکر و عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بکثرت عبادت رکعات تراویح و عبا
کیلئے ہاتھ اٹھانا اور منہ پر ہاتھ پھیرنا، بدعتِ سنتِ محفلِ مسیلا،
محفلِ معراج شریف اور دعوائے اجتہاد وغیرہ مسائل پر فاضلانہ گفتگو

ترجمہ

مولانا علامہ محمد اکرام اللہ زہد

استاذ
(جامعہ اسلامیہ لاہور)

نائبینج

فریدنگ ٹال (ریسرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۵	استمداد کا ثبوت امامیت سے	۲۷	استعانت
۸۱	استمداد کا ثبوت اعلام امت سے	۲۸	اختصاص، استعانت کا مدار
۸۹	استمداد کا انکار بدعت ہے	۵۰	دیوبند کی شہادت
۹۱	دیوبند کے مسلم اکابر سے استعانت کا ثبوت	۵۱	ما فوق الاسباب امور میں رسول اللہ سے استعانت
۱۰۱	سرفراز صاحب کا وجوہ فاسدہ سے استدلال اور ان کے جوابات	۵۲	خلق اور کسب
۱۰۲	قرآن فی الذکر وجوہ فاسدہ سے	۵۶	مبحث شرک میں پہلی غلطی
۱۰۵	مظہر افعال و صفات	۶۱	ما فوق الاسباب امور اور علامہ شامی
۱۰۸	استعانت کی تفسیر صدر الاناضل اور شاہ عبدالعزیز سے	۶۳	دوسری غلطی
۱۱۰	استعانت کی بحث میں حزبِ آخر	۶۹	صاحب مال بدمنہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی
۱۱۳	ضاد کا مخرج	۷۱	دیوبندی بدعت معتزلہ اور خوارج کی فرع ہے
۱۱۳	مجل حوالے کا بخواب	۷۲	حیاتِ انبیاء دنیاوی اور جسمانی ہے
۱۱۵	منینۃ المصلیٰ کی عبارت میں خیانت	۷۵	حیات اولیاء
۱۱۶	عبارات فقہاء کی توضیح		

صفحہ	عنوان	صفحہ
	دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں نفلی	
	تحریف۔	۱۱۸
۱۵۶	پیٹ کا منتظم کون ہے	۱۱۹
	عموم بلوچی کا جواب	۱۱۹
	ضابطہ سنت بیان کرنے میں	۱۲۲
۱۵۹	سرفراز صاحب کی فاش غلطی۔	۱۲۲
۱۶۰	شناطی کی عبارت کی وضاحت	۱۲۳
	کیا غلیظہ الطاہرین غوث اعظم	
۱۶۱	کی تصنیف ہے۔	۱۲۵
۱۶۲	طعام پر فتنہ پڑھنا	۱۲۵
۱۶۸	عہد رسالت میں ایصالِ ثواب	۱۲۵
۱۷۰	بدعتِ نیکہ کا غلط ضابطہ	۱۳۳
۱۷۲	بدعتِ حسنہ کا احتیاط	۱۳۶
۱۷۶	نور و بشر	۱۳۷
۱۷۷	عقیدہ بشریت	۱۳۷
۱۷۸	بشریتِ محضہ اور بشریت	۱۳۸
۱۸۳	بحیثیت نبوت میں فرق۔	۱۳۸
۱۸۷	نبی علیہ السلام کی نورانیت	۱۳۹
	حضور کی نورانیت پر اعتراض	۱۴۱
۱۹۱	کا جواب۔	۱۴۱
	حضور کی نورانیت پر ایک اور	۱۴۸
۱۹۲	اعتراض۔	۱۴۹
۱۹۶	حضور کی نورانیت کا بردیوبند	۱۵۲

صفحہ	عنوان	صفحہ
۲۴۰	حیات	
۲۴۲	لوازم حیات	۱۹۷
۲۴۴	آن واحد میں ممکنہ متعددہ پر حاضر	۲۰۰
۲۴۷	ہونے کا امکان۔	۲۰۰
۲۴۷	تھانوی صاحب اور عقیدہ حاضر	۲۰۵
۲۴۷	ناظر۔	۲۱۲
۲۵۰	نذر و نیاز	۲۱۶
۲۵۱	سرفراز صاحب کا پہلا شبہ	۲۱۶
۲۵۲	ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں	۲۲۵
	شاہ عبدالعزیز اور نیاز کے	
۲۵۳	جانور۔	۲۲۶
۲۶۱	تنقیحات	۲۲۸
۲۶۳	وقت ذبح کی قید	۲۳۱
۲۶۵	سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ۔	۲۳۲
	بغیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور	
۲۶۶	سرفراز صاحب کا تیسرا شبہ۔	۲۳۳
۲۶۷	سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ	۲۴۰
۲۷۰	سرفراز صاحب کی پانچواں شبہ	۲۴۷
۲۷۱	سرفراز صاحب کی چھٹا شبہ	۲۴۷
۲۷۵	عید میدانی	۲۴۷

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۰۹	انتخاب کذب	۲۷۸	دینی اور دنیاوی امر کا فرق
		۲۷۸	بدعت کی تعریف
۳۱۰	امکان کذب میں مکذیب کی ہمارے نزدیک	۲۷۹	جسٹین میلاد
	کا تصادف		سرفراز صاحب اور ان کے
۳۱۲	انتخاب کذب کا مجموعہ مترجم اور	۲۸۳	حکیم الامت کی جواز میلاد پر
	اہلسنت کا متفق علیہ مسئلہ		شہادت
	ہے		حضرت ابن عباس کی حدیث
۳۱۳	امام رازی اور انتخاب کذب	۲۸۴	اور عید میلاد
۳۱۵	انتخاب کذب پر دلائل		یوم میلاد کے عید ہونے کی
۳۲۰	محال عقلی یا محال عملی	۲۸۶	شہادت
۳۲۳	عموم قدرت سے دیانہ کو دسو کہ	۲۸۶	سرفراز صاحب کے شہادت
۳۲۴	حلف و عید میں اہل دیوبند کا معاملہ	۲۹۰	نئی کروٹ
۳۲۶	مکذیب باری سے پہلی گزارش	۲۹۳	تفویض احکام
۳۲۷	حلف و عید پر متفقین کا رد		مقام نبوت
۳۲۷	مکذیبین سے دوسری گزارش	۲۹۳	بنی علیہ السلام کے انتدیا رات
	کیا اشاعرہ امکان کذب کے	۲۹۵	تفویض ما ثبوت
۳۳۰	تباہی	۲۹۷	سرفراز صاحب کی جسارت
۳۳۰	مکذیبین سے تیسری گزارش	۲۹۹	احادیث میں سرفراز صاحب کا
۳۳۷	مکذیبین سے چوتھی گزارش		شکبہ
۳۳۸	سرفراز صاحب کا پہلا معاملہ	۳۰۱	علاء امت اور تفویض احکام
۳۴۰	سرفراز صاحب کا دوسرا معاملہ	۳۰۲	افسوس ناک نیابت
۳۴۲	سرفراز صاحب کا تیسرا معاملہ		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۴۲	سرفراز صاحب کا چوتھا معاملہ	۳۴۷	صدر الانفا میں کا دوسرا جواب
۳۴۹	سرفراز صاحب کا پانچواں اور		اور اس کی توضیح
	چھٹا معاملہ		تیسرے جواب کی توضیح
۳۹۵	سرفراز صاحب کا آٹھواں اور	۳۹۵	سرفراز صاحب کی تنقید
۳۹۵	نواں معاملہ	۳۹۵	علم علی
۳۹۵	سرفراز صاحب کا دسواں معاملہ	۳۹۵	علم الہی اور علم رسولی کا فرق
۴۰۳	حسن وقع اور محل نزاع	۴۰۳	سرفراز صاحب کے شہادت
۴۰۵	شرح مواقف کی عبارت	۴۰۵	انبار سابقین کے متعلق حضور
۴۵۸	فتوح العقائد اور مجدد الف ثانی	۴۰۶	کا علم
۴۶۵	سرفراز صاحب کا گیارہواں شبہ	۴۰۸	تواضع کی تحقیق
۴۶۶	بارہواں اور تیرہواں معاملہ		منافقین کے متعلق حضور
۴۶۷	مخدوم الحسن کے کلام پر تنقید	۴۱۲	کا علم
۴۷۱	علم غیبی	۴۱۲	صدر الانفا میں کے جواب کی
	علم غیب کے دلائل	۴۱۵	توضیح
۴۷۲	نقی علم غیب کا ثبوت	۴۱۶	دوسرے جواب کی توضیح
۴۷۶	علم عطا کی نفی پر غماز	۴۱۸	فسخ کا دفتر اور اس کا جواب
۴۸۰	تھانوی صاحب کی جمالت	۴۲۳	اخراج منافقین کی حدیث پر
۴۸۲	سرفراز صاحب کی ایک اور الجھن		جرح اور اس کا جواب
۴۸۵	علم شعر کی تحقیق	۴۲۹	اباحت اصلہ
۴۸۶	شعر کے علم کی مصلحت نفی پر	۴۳	اباحت اصلہ اور مفسرین
	نوازش کمال		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۳	مچلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب۔	۲۳۲	درختار اور تفسیر احمدی کے حوالے۔
۲۵۵	کائنات میں تصرف	۲۳۶	ورد شرع سے قبل کی تحقیق
۲۵۸	قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلیل	۲۴۰	ورد شرع کے بعد اباحت پر مدلل۔
۲۶۰	سرفراز کے شبہات	۲۴۹	سرفراز صاحب کی خیانت
۲۶۳	اسناد مجازی	۲۵۱	اباحت اصل پر غلطی و ضلالت سے
۲۶۸	حرفہ آخر		اور ان کے جوابات۔



الہام

میں اس نابینا تصنیف کو مجدد ملت حسن اہل سنت
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اور حضرت
صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی
رحمہ اللہ کی بارگاہ عظمت پناہ میں پیش کرنے کی سعادت
حاصل کرتا ہوں۔ جن کی روحانی امداد و اعانت سے مجھ
جیسے سچ مدد کو اس کتاب کی تصنیف کی توفیق حاصل
ہوئی۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

غلام رسول سعیدی عفرلہ

استاذ العلماء مولانا الحاج عطا محمد صاحب چشتی دامت برکاتہم

کے فرمودات و تاثرات

الحمد لله الرحمن الذي خلق الانسان الكامل جليله
وعلمه ما يكون وما كان والصلوة والسلام الاتقان الاكملان
على سيد نبى عدنان المأحى اثار الكفر والطغيان الامم
العالم بالبطون والظهور الكاشف لظلمات الظلم والشور
اما بعد -

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ایمان کامل کے دو اجزاء ہیں عقائد جن کا تعلق
دل سے ہے اور اعمال جن کا صدور ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے۔ لیکن جزو علی
اور اصل عقیدہ ہے۔ اور اعمال فرد کے درجہ رکھتے ہیں۔ عقیدہ صحیحہ سے دل کی تہارت
ہوتی ہے۔ اس لئے بغیر درستی عقیدہ کے کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اور اختلاف
مذہب کی مدار اختلاف عقائد پر ہے نہ کہ اختلاف عمل پر۔ اسی لئے مذاہب اربعہ
باجود اختلاف اعمال کے وحدت عقیدہ کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کہلاتے
ہیں۔ اور توہب، تشیع، اعتزال و خروج اختلاف عقائد کی مختلف تعبیرات ہیں۔

اہل سنت والجماعت نے صحت اعمال کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے کے باوجود
صحت عقائد پر بڑا زور دیا ہے۔ اور عقائد میں توحید اور رسالت کا عقیدہ اہل سنت
کے نزدیک بہت اہم ہے۔ اس تمہید میں میں یہ واضح کرنے کی کوشش کروں گا کہ
اہل سنت کے نزدیک توحید و رسالت کا مفہوم کیا ہے۔ اور اہل بدعت نے
اس عقیدہ میں کیا کیا ٹھوکریں کھائی ہیں۔

ملت اسلامیہ کی اساس توحید و رسالت کے عقیدہ پر ہے۔ اور ان ہر دو امر کی
صحت ہی صحت ایمان ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ توحید جس پر قرآن کریم

دلالت کرتا ہے۔ یہ ہے کہ عالم جو کہ جمع موجودات ماسوا اللہ سے عبارت ہے۔ یہ
سب موجودات توحید باری پر دلائل ہیں۔ اور ان دلائل کے علم سے توحید خداوندی کا علم
حاصل ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ دلائل کا علم ہوگا۔ اتنا ہی توحید کا علم بھی کامل ہوگا۔ اور
دلائل کی کمی توحید کے علم میں کمی کو مستلزم ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وکن ذک
نرى ابراهيم مذكور السموات والارض وليكون من الموقنين

تلا علی قاری نے اس آیت مبارکہ کا جو معنی بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے جیسا
کہ آپ کو زمین و آسمان کے عجائب دکھائے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ابراہیم علی نبینا و
علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان و زمین کے علوم دیئے تھے۔ تاکہ وہ اپنے رب عظیم پر
استدلال قائم کریں۔ ان امور سے واضح ہو گیا کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید کے دلائل ہیں۔ اور ان علوم سے توحید مکمل ہوتی ہے اور پھر
یہ بات تو معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عالم کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس سے
صانع پر دلیل دی جاتی ہے۔ یہاں تلا علی قاری اور دیگر شراح حدیث نے ایک نکتہ بیان کیا
ہے۔ اس کو بھی ذرا سن لیجئے۔ وہ یہ کہ آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے
حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور مشاہدہ کو مشبہ بہ اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کے علم و
مشاہدہ کو مشبہ سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں مشبہ سے

اقویٰ ہوتا ہے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و مشاہدہ واقع میں جناب خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ
سے کس طرح اقویٰ ہے شرح حدیث نے اس کا جواب دیا کہ آیت مذکورہ بالا
میں خلیل صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کو پہلے مشاہدہ ہوا اور بعد میں ایقان اور جس حدیث شریف
میں حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ذکر ہے۔ اس میں مشاہدہ باری عز اسمہ مقدم
اور علم جمیع مافی السموات والارض مؤخر ہے۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ حبیب صلوٰۃ اللہ
مؤثر اور متاثر سے اثر اور مخلوق کی طرف منتقل ہوئے اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کا علم
بالعکس ہے۔ تلا علی قاری فرماتے ہیں۔

وبینہما ابون بائع۔ یعنی ان دونوں مرتبوں میں بڑا عظیم فرق ہے۔ قرآن و سنت سے جو عقیدہ توحید ثابت ہوتا ہے اس کا ذکر اوپر بیان ہو چکا اور اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں ہے۔ تو یہ عقیدہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اس نبی کا علم توحید مکمل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ آپ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا۔ تو بتائیے جب آپ کا علم توحید مکمل نہیں ہے۔ تو پھر دنیا میں کس کا علم توحید مکمل ہو سکتا ہے۔ اور بعض اہل بدعت نے عقیدہ توحید کو الٹا جامہ پہنا دیا کہ اگر کسی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عالم کی ہر ایک چیز کا علم عطا فرمایا ہے۔ تو یہ عقیدہ شرک ہے یعنی عقیدہ توحید کو جو دلائل سے ثابت ہے اس کو تو شرک قرار دیا۔ اور ان اہل بدعت نے عقیدہ توحید یہ اختراع کیا کہ کامل موحد وہ ہے۔ جس کو دیوار کے پیچھے کا علم بھی نہ ہو۔ اور پھر طرہ یہ کہ ان اہل بدعت کے نزدیک شیطان لعین کی وسعت علمی تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور افضل الانبیاء کے علم پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہو کہ شیطان کا علم توحید انبیاء علیہم السلام کے علم توحید سے اکمل ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ المخزافات۔ ع

خود کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خود

یہاں تک میں نے یہ واضح کیا ہے کہ ملت اسلامیہ کی اساس اول توحید کو اہل بدعت نے کتنا غلط رنگ دیا ہے۔ اب آئیے آپ کو دین متین کی بنیاد تانی یعنی رسالت سے روشناس کرائیں۔ اور پھر اہل بدعت نے اس بنیاد میں جو قہر سائیاں کی ہیں ان سے پردہ اٹھائیں۔ اولاً آپ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک عقیدہ رسالت کیا چیز ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ اتی ج اعل فی الارض خلیفۃ اس آیت مبارکہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ خلیفہ اس وقت مقرر کیا جاتا ہے جب اصل حاکم کام انجام نہ دے سکے اللہ تعالیٰ

تو ہر قسم کے عجز سے پاک ہے پھر اس نے اپنا خلیفہ کیوں مقرر فرمایا۔

اس اشکال کا جواب علامہ بیضاوی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

استخلفہم اللہ فی عمارۃ الارض و سیاسۃ الناس و تکمیل نفوسہم و تنفیذ امرہ فیہم لا للاحابۃ بہ تعالیٰ الی من نیو بہ بل لقصور المستخلف علیہ عن قبول فیضہ و تلقی امرہ بغیر وسط۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا متقی مخلوق ہے اس میں اتنی استعداد نہیں ہے کہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کر سکے۔ اس حکمت کی وجہ سے خلیفہ کی تخلیق ہوئی۔ علامہ فاضل سیالکوٹی نے اپنے حاشیہ میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مخلوق میں کیوں استعداد فیضان نہ تھی۔ ملاحظہ ہو:

لما نہ فی غایۃ ۲ لکدورۃ والظلمۃ الجسمانیۃ و ذاتہ تعالیٰ فی غایۃ التقدس والمناسبتۃ شرط فی قبول الفیض علی ما جرت بہ العادۃ الالہیۃ فلا بد من متوسط ذاجہتی التجرد التعلق لیستفیض من جہۃ ویفیض باخری اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا تمام ارضی مخلوق میں کدورت یعنی میل اپن اور سیاہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کدورت اور سیاہی سے بالکل پاک و منزہ ہے۔ بلکہ کدورت اور ظلمت اللہ تعالیٰ میں محال ہے۔ اور مفیض اور مستفیض میں مناسبت شرط ہے۔ اور یہ شرط عادی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ پیدا کیا ہے جو کہ تجرد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس مناسبت سے باری عز اسمہ سے استفادہ کرتا ہے۔ اور تعلق بدنی کے لحاظ سے مخلوق کے مناسب ہے۔ اور اس مناسبت کی وجہ سے مخلوق اس سے استفادہ کرتی ہے۔ علامہ بیضاوی نے جو بانی بدن میں اس کی مثال دی ہے کہ مثلاً ہڈیاں گوشت و سہ سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان مناسبت نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے عادی طور پر نرم ہڈی کو پیدا کیا۔ جو کہ ظاہری رنگ کے لحاظ سے ہڈی ہے اور

نرمی کے لحاظ سے گوشت سے مناسب ہے۔ اور ہڈیاں اسی نرم ہڈی کے واسطے
خوراک حاصل کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام ہیں۔ جو کہ فوج جہنم ہیں۔ ان میں تخرید اور نورانیت بھی ہے اور تعلق بشریت
بھی۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انبیاء و رسل صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نہ تو خدا ہیں اور
نہ ہی محض بشر حتیٰ کہ انکی حقیقت محض حقیقت بشری ہو۔ اہل بدعت کو ہمارا چیلنج ہے
کہ علامہ بیضاوی نے جس اعتراض و اشکال کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ تمام مل کر بیان
مذکور کے بغیر اس کا جواب دیں۔ اہل بدعت کا یہ مذہب ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی حقیقت صرف حقیقت بشری ہے۔ فرق صرف نزول وحی کا ہے۔ تو
اس پر سابقہ اشکال کو ط آئے گا کہ پھر انبیاء علیہم السلام بھی عدم مناسبت کی وجہ سے
استفادہ از باری عز اسمہ نہیں کر سکتے۔ حقیقت میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کی حقیقت
صرف اور صرف بشر ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کا یہ اعتراض تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ کسی اور پر کیوں نازل نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے
قرآن پاک میں فرمایا۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ یعنی اللہ تعالیٰ مقام رسالت
کو خوب جانتا ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقت ایسی ہے
کہ اس میں استعداد رسالت ہے۔ اور شرکین جن کا نام تم لیتے ہو ان کی حقیقت
میں یہ استعداد نہیں ہے۔ اب اگر رسالت کے متعلق اہل بدعت کا مذہب مان
لیا جائے کہ حقیقت انبیاء علیہم السلام صرف بشر محض ہے۔ تو پھر کفار کے اعتراض
کا جواب آیت مذکورہ بالا سے کس طرح بیان کیا جائے گا۔ حیرت اس امر پر ہے
کہ بانی دیوبند اور اہل بدعت کے پیر مغاں محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی آیت مذکورہ بالا
کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ جس کو میں نے اوپر بیان کیا ہے بلکہ موصوف نے تو یہاں
تک کہہ دیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ مبارکہ جس پر کعبہ کرمہ ہے۔ اس کی حقیقت دوسرے
اجزاء ارض سے مختلف ہے۔ ورنہ تزیج بلا مرجح لازم آئے گی۔ مذکورہ بالا بحث تو
تمام انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہے۔ اور پھر افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قوله تعالى يكاد يتهيأ بضئ ولو لم تفسد النار۔ علامہ فاضل عبدالحکیم
سیالکوٹی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لانها تكاد تعلم ولو لم يتصل بهما الروح والا لها من الذي مثل
النار من ان العقول يشتمل عندها وفيه اشارة الى ما سيبحث من ان قوله تعالى
اللهم نور السموات والارض تمثيل للقوة العقلية في مراتبها۔

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نور السموات میں انبیاء علیہم السلام کی عقول کا
بیان اور ان کی استعداد کی تمثيل ہے کہ اگر ان پر وحی والہام نہ بھی ہوتا تب بھی ان میں
استفادہ کی استعداد موجود ہوتی۔ اسی لئے محققین اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔
کہ اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالفرض وحی نازل نہ بھی ہوتی تب بھی آپ تمام
مخلوقات سے افضل ہوتے۔ آپ کو جو منصب نبوت اور رسالت عطا فرمایا گیا ہے۔
یہ نور علی نور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قوله تعالى نور على نور مهيدي الله لنوره من يشاء۔ یعنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے مرتبہ رسالت عطا فرمایا تو یہ نہ سمجھو کہ
صرف اسی سے آپ کو نورانیت حاصل ہوئی۔ بلکہ اس رتبہ عالیہ سے قبل بھی وہ
نور تھے۔ اور اعطائے رسالت نور علی نور ہے۔ چونکہ اس سے یہ وہم ہوتا تھا
کہ پھر اس ذات ستودہ صفات کی نورانیت تو بالکل ظاہر ہوگی۔ اور اس کا انکار ناممکن
ہوگا۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔ یدہی الله لنوره من يشاء۔
یعنی اس نور علی نور کو غلاف بشریہ سے ڈھانک لیا جاوے گا۔ اور اس نور تک مخصوص
نفوس قدسیہ کی رسائی ہوگی۔ اور اذ بان عالیہ اور نفوس قدسیہ کو ہی اللہ تعالیٰ اس
نور تک پہنچائے گا۔ باقی رہے اذ بان قاصرہ سافہ تو وہ صرف غلاف بشریت پر
رک کر افضل السالین میں گر جائیں گے۔

یہاں تک میں نے عقیدہ توحید و رسالت میں اہل سنت اور اہل بدعت کا فرق

بیان کیا ہے۔ اور یہ ذکر اجمالی ہے۔ اب روزِ اول سے اہل حق اور اہل باطل یا یوں کہہ لیجئے کہ ابتداء سے اولیاء الرحمن اور عباد الشیطان ستیزہ کاریں ع

ستیزہ کاریں ازل سے تا امروز

پہرچ مصلحی سے شرارِ بولہبی

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں اشارہ بھی فرمایا ہے جس کو یہ قی نے روایت کیا۔

قوله عليه السلام - يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون

عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين وتناديل الجاهلين۔

(رواہ البیہقی فی کتاب المنزل بحوالہ مشکوٰۃ)

قوله عليه السلام ان الله عز وجل يبعث لهن الامم على راس كل

ماثة سنه من يبعد لهما دينها۔

(رواہ ابو داؤد بحوالہ مشکوٰۃ)

ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے عادل علماء اور مجدد پیدا ہوں گے جو اہل بدعت کے شبہات کا ابطال اور ان کی تحریفات و تاویلات کا قلع قمع کرتے رہیں گے۔ اس امت میں سب سے مقدم یہ ستیزہ کاری سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں ہوئی۔ جب کہ آپ نے دعویٰ فرمایا کہ مجھ پر تمام اشیاء پیش کی گئی ہیں۔ اور میں مومن و کافر ہر ایک کو جانتا ہوں تو منافقوں نے کہا کہ (نحن معد ما یعرفنا) یعنی اگر سب کو جانتے ہوتے تو ہم کو بھی جانتے اور ہمارے نفاق پر مطلع ہوتے اور پھر ہم کو اپنے دربار میں حاضری کی اجازت نہ دیتے۔ جب آپ کو منافقین کے اس قول کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع فرما کر اعلان کیا کہ مابال اقوام طعنوا علی فاسئلونی۔ (الحديث) آپ نے منافقین کے قول کو طعن سے تعبیر فرمایا۔ اور اعلان فرمایا کہ مجھ سے جو پوچھنا ہے پوچھو۔ آپ نے اپنی اس تقریر میں غصہ کا اتنا اظہار فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور

عرض کیا۔ (رضینا باللہ ربنا وبلاسلام دینا و محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا فاعف عنا) (الحديث)۔ ہم اللہ کو رب، اسلام کو دین، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے پر راضی ہیں ہم کو معاف کر دیجئے۔ اس کے بعد یہ فتنہ منافقین بالکل دب گیا۔ اور کبھی اُن کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تا آنکہ سات سو پانچ ہجری میں بن تیمیہ نے مذکورہ بالا فتنہ اور کئی دوسرے فتنوں کو جنم دیا۔ اہل بدعت کا یہ محدث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کرتا تھا کہ وہ مال کے ساتھ محبت کرتے تھے اور نیز اہل بدعت کا یہ علامہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق کہتا تھا کہ چونکہ وہ بچپن میں مسلمان ہوئے تھے اس لئے ان کا ایمان مقبول نہیں ہے۔ اس وقت کے علماء کرام نے اس شخص کو لٹکا کر اور زین الدین مالکی نے اس کو مہوت کر دیا۔ چنانچہ اس کو قید کر دیا گیا اور پھر وہ تائب ہو گیا۔ توقیر و بند سے رہائی پائی لیکن پھر اپنے عہد کو توڑ دیا۔ اور یہ فتنہ فرادب گیا۔ اسی کے متعلق علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں فرمایا:

(واضللہ اللہ علی علم) اور علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا: (ابتدع ابن تیمیہ) یعنی باوجود علم اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا۔ اور یہ کہ وہ اہل بدعت سے تھا اور پھر تیرہویں صدی ہجری میں محمد بن عبد الوہاب نجدی نے طاقت کے گھنڈ پر اس فتنہ کو ہوا دی اور نجد سے نکل کر حرمین پر قبضہ کر لیا اور اہل سنت کو مشرک قرار دے کر قتل کیا۔ تو سلطان روم نے اپنا لشکر بھیج کر اس فتنہ کا استیصال کر دیا۔ اب اس فتنہ نے عرب سے نکل کر ہندوستان کا رخ کیا اور ہند میں جا۔ئے پناہ ڈھونڈنا شروع کی۔ چونکہ دہلی میں ولی اللہی خاندان کے اکابرین دارالآخرت کو تشریف لے گئے تھے۔ اور ان کی سجادگی اسمعیل دہلوی کو حاصل تھی، اسمعیل دہلوی نے اس کو اپنی آغوشِ عاطفت میں جگہ دی اور سابقہ فتنوں کے ساتھ کئی اور فتنوں نے جنم لیا۔ اور اس شخص نے امکانِ کذب باری کا فتنہ پیدا کیا۔ تو استاذ الکمل فی الکمل حضرت امام فاضل کامل حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ نے اس کا ردِ بلیغ فرمایا کہ باید و شاید اور پھر مولانا محمد حسن المعروف، حافظ دراز پشاور کی سعی مشکور سے سرحد کے

اہل بدعت، اسمعیل دہلوی کے پیروکاروں کو لکھارا۔ اور ہندوستان میں اہل سنت کا سکہ بٹھایا۔ اعلیٰ حضرت کے بعد ان کے جانشینوں نے پھر اعلیٰ حضرت کے مشن کو حتی المقدور پورا کیا۔ اب ہم ذرا پیچھے ہٹ کر آپ کو بتلاتے ہیں کہ اسمعیل دہلوی کے زمانہ تک سابق پنجاب و سرحد جو آج کل مغربی پاکستان سے موسوم ہے۔ اس زہریلے اثر سے محفوظ تھا۔ بد قسمتی سے کہ اس دوران میں واں بھجراں ضلع میانوالی کا ایک طالب علم گنگوہ پہنچا اور رشید احمد گنگوہی نے اس طالب کو ایسا انجکشن دیا۔ جس کی ایجاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نفاق کی کیسٹ فیکٹری میں ہوئی تھی اور ابن تیمیہ اور محمد بن عبد الوہاب نجدی وغیرہا نے اس کے تیرہ ہدف علاج کی تشہیر کی۔ پھر کیا ہوا غریبی پاکستان میں فتنہ نجدیت، کا کہرام مچ گیا اور اس فتنہ کے مفاسد دیکھ کر عوام انگشت بدندان رہ گئے۔ آخر حضرت السید السند قطب الوقت عالم علم لدنی الشیخ رئیس حضرت سیدنا و مولانا و مرشدنا سید پیر مہر علی شاہ وارث علوم غوث الثقلین قدس سرہ العزیز نے واں بھجراں کو اپنے قدم یمینت لزوم سے سرفراز فرمایا اور تلمیذ گنگوہی پر صرف ایک سوال کیا۔ جس کا جواب واں بھجروی اور ان کے تمام معادن اور مددگار نہ دے سکے۔ اور یہ مولوی صاحب حضرت گولڑوی کے رو برو ایسے مبہوت ہوئے کہ ایک مشہور روایت کے مطابق ان کا پیشاب بھی خطا ہو گیا۔ اور واں بھجراں میں یہ فتنہ وقتی طور پر دفن ہو گیا۔ اگرچہ اس فرقہ واں بھجراں کے عقائد وہی تھے۔ جو کہ صنادید دیوبند کو اسمعیل دہلوی سے وراثت میں ملے تھے۔ لیکن اکابر دیوبند عوام الناس میں شیعہ شنیعہ کی طرح ذرا تقیہ سے کام لیتے تھے۔ لیکن اس شخص نے تقیہ سے انکار کر دیا اور مع اپنی اصلی شکل کے ساتھ لوگوں کے سامنے عریاں ہو گئے۔ اس لئے دیوبندی حضرات، ذرا اس فرقہ واں بھجراں سے خفا ہو گئے۔ تو ان کو ایک اور سہارے کی ضرورت پڑی اور سعی و بسیار کے بعد ان کا مقصد گکٹر ضلع گوجرانوالہ میں حل ہو گیا۔ چنانچہ سرفراز صاحب نے اہل سنت و الجماعت کے حق میں ہرزہ سرائی شروع کی۔ ابتداء میں

تو اہل سنت نے اس زہر افشانی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ کارواں تو چلتا ہی رہتا ہے۔ جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ ہر دو مقصد فوت ہو رہے ہیں۔ اور میں صرف ایک ہاتھ سے تالی پیٹنے کی ناکام سعی کر رہا ہوں۔ اور میرے ولی نعمت محکم ہے کہ مجھ سے بد ظن ہو جائیں کہ اس کی طرف تو التفات نہیں کیا جا رہا۔ تو اس نے اپنی لن ترانیوں میں ایک اور قدم آگے بڑھایا۔ جب علماء اہل سنت نے دیکھا کہ سرفراز صاحب حد سے بڑھ رہے ہیں۔ تو بعض نے معمولی تنبیہ پر اکتفا کی۔ اب جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ میری طرف التفات ہونے لگا ہے۔ تو انہوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی اور صدر الافاضل کے ترجمہ اور تفسیر پر تیرہ جگہ اعتراض شائع کئے اور رسالہ کا نام تنقید متین رکھا۔ پھر اہل سنت نے یہ محسوس کیا کہ یہ معمولی تنبیہ انہیں کافی نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کی اصلاح کے لئے مفصل اور کٹل رو کی ضرورت ہے۔ اس بنا پر میرے عزیز القدر الفاضل العلما و حید الزمان صاحب القلم والبيان مولانا غلام رسول سعیدی نے اپنے نہایت مصروف وقت سے کچھ فرصت کے لمحات نکال کر تنقید متین کا ردیغ کیا اور محاربۃ عن اللہ جل شانہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ جلیلہ ادا کرنے کی سعی مشکور فرمائی اور کتاب کا نام ”توضیح البیان لخزان العرفان“ رکھا۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے تمام کتاب مولانا سعیدی سے من اولہ الی آخرہ نہایت غور و خوض سے سنی۔ اور اس دوران سعیدی صاحب کو اپنے مشورے بھی دیئے۔ اگر یہ فقیر اس کتاب کی تمام خصوصیات بیان کرے تو شاید پہلے کے برابر اور لکھنا پڑے۔ جس کی وقت اور مقام اجازت نہیں دیتا لیکن بغواٹے مالایدرک کلاہ لا یتبرک کلاہ کے مطابق اجمالی طور پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور کتاب کی چند خصوصیات پیر و قلم کی باقی ہیں۔

اول: ایمان کامل کے دو اجزاء ہیں۔ عقیدہ اور عمل۔ اور عقیدہ عمل کی بنیاد ہے۔ بغیر عقیدہ عمل بیکار اور پھر عقائد کا سرتاج عقیدہ توحید و رسالت ہے اور تقریباً تمام اہل بدعت نے توحید و رسالت میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں توحید و

رسالت کا وہ مفہوم بیان کیا گیا ہے جس پر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین دلائل کرتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کے پرچار کے لئے انبیاء عظام کی بعثت ہوئی۔ لہذا اسی عقیدہ کا مفہوم بیان کرنا اسوۂ حسنہ کا اتباع ہے نہ کہ سن گھڑت بے سرو پا اختراعات اسوۂ حسنہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ جیسا کہ مقررین صفدر کی رائے ہے۔

دوم۔ عموماً قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کارڈ کرنا ہو تو صرف اتنی عبارت پر اکتفا کی جاتی ہے جو رد کے لئے کافی ہو۔ لیکن علامہ سعیدی کے جوان علم نے اس قاعدہ پر عمل کو پہلوان کے ہاتھ میں چھڑی تھما دینے کے مترادف قرار دیا۔ کیونکہ الباطل المعامی تو زگر گراں کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے مولانا نے جہاں جہاں سرفراز صاحب کا رد فرمایا ہے۔ تو پہلے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی ہے اور اس مسئلہ کے تمام نشیب و فراز پر بحث کی ہے۔ اور اس کے ہر گوشہ کو کھنگال کے رکھ دیا ہے۔ اور تمام دلائل کو حتی المقدور ایک جگہ پر جمع کر دیا ہے۔ جو کہ متونیوں کی طرح قرطاس کتب پر بکھرے پڑے تھے۔ تاکہ قارئین مسئلہ کی تہ تک پہنچ سکیں۔ اور ردِ یلغ کے ساتھ ساتھ پورے مسئلہ پر گفتگو کر سکیں۔

سوم۔ چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ (العلوم تزداد بوما فیوما) تو متاخر کے سامنے کتب کا ذخیرہ چونکہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بسا اوقات متاخر ایسے دلائل بیان کرتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ دلائل کی تقریر ایسے اچھوتے انداز میں کرتا ہے کہ کتب متقدمین اس سے مجموعی طور پر غالی ہیں۔ بلا میں کتاب زیر تبصرہ میں قارئین کو ایسے دلائل ملیں گے اور ان کا طرز استدلال ایسا افواکھا ہو گا کہ کتب سابقہ اس سے خالی ہیں، اور اس سے متقدمین کی گستاخی مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ متاخر کے لئے کتب متقدمین اس کا کام دیتی ہیں۔ قدامت نے بنیاد مستحکم کی اور متاخرین نے اس پر عمل تعمیر کیا۔ یہ بات لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ بعض لوگ تعصب کے طور پر جھٹ گستاخی کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ دیکھئے شیخ محمد عبدالحق قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین مطہرین کی شرافت و طہارت اور اسلام کا مسئلہ متاخرین پر منکشف ہوا ہے۔

چہارم۔ چونکہ کلام پاک ایک جامع کتاب اور مختلف الانواع مسائل کا گنجینہ ہے۔ تو اس کلام پاک کا ترجمہ اور تفسیر انہیں مسائل کی حاصل ہوگی اور چونکہ صاحب تنقید متین نے اہل سنت کے ہر مسلک اور عقیدہ پر تعصب کے طور پر حملہ کیا ہے۔ اور علامہ سعیدی نے ہر جگہ اس کا تعاقب فرمایا ہے۔ اور ہر مسئلہ کو شرح اور بسط سے بیان کر دیا ہے تو تقریباً تمام متنازع فیہا مسائل مع دلائل قاہرہ کتاب زیر تبصرہ میں آگئے ہیں۔ تو اب یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے کہ ایسی جامع مختلف الانواع کتاب آج تک منصفہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

پنجم۔ کتاب زیر تبصرہ میں استدلال اور رد کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ کتاب و سنت اقوال صحابہ، تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین خصوصاً علماء احناف کثر ہم اللہ تعالیٰ سے استدلال کیا گیا ہے۔ اور سرفراز صاحب کے اکابر کے اقوال اور خود بھی اس تنقید سے محفوظ نہیں ہیں۔

ششم۔ سرفراز صاحب نے کئی مقامات پر صرف دعویٰ پر اکتفا کیا ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ اور اپنے دعویٰ کو بالکل قشہ چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے علامہ سعیدی صاحب نے ان کو دھماکے مارے ہاتھوں لیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ باتیں تو ایک مبتدی ہی کر سکتا ہے۔ برخلاف علامہ سعیدی کے کہ انہوں نے صرف لاسلم پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہر دعوے دلائل سے ثابت کیا ہے۔

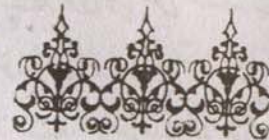
ہفتم۔ طرز تحریر اور انداز بیان نہایت برجستہ اور فصاحت الفاظ اور حلاوت عبارت ایسی ہے کہ بار بار سننے اور پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اردو کا بہت بڑا ادیب اپنا شاہکار پیش کر رہا ہے۔ ہذا سب سنا بل فی کل سنبلة مائة حبة واللہ یضاعف لمن یشکر۔ الالتماس فی حضرت رب العالمین جل شانہ بجانک اللهم اے ہمارے رب ہر دور میں معاندین نے تیری تمزیہ پر مجھے کئے۔ اور

قبائح کو نیری ذات مقدسہ مطہرہ کی طرف منسوب کیا اور اسی طرح اہل بدعت نے تیرے
حبیب بلیب معظم مکرم کی توہین کا ارتکاب و التزام کیا ہے لیکن ہزارہانہ میں تو نے ہم اہل سنت
والجماعت کو یہ توفیق سعید عطا فرمائی کہ تیرے اوزیرے حبیب صلوٰۃ اللہ علیہ کی طرف سے
جہاد اور محاربہ کریں۔ فی الحمد للہ علی ذلک والشکر اور اگر ہمارا ہر بال
کروڑوں زبانوں کی شکل اختیار کرے اور ہم تیرا شکرا داکرتے رہیں۔ تو ہم ادا شدہ شکر سے
قاصر ہیں۔

منت منت کہ خدمت سلطان ہے کئی
منت از دست ناس کہ خدمت گذاشت

حررہ الفقیر الی اللہ الصمد

حافظ عطا محمد چشتی۔ گولڑوی عفی عنہ



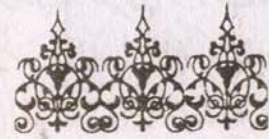
تقریظ از مفتی پاکستان استاذ العلماء علامہ محمد حسین صاحب نعیمی دامت فیوہم العالیہ بانی و مہتمم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور

ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب گکھڑوی جو دیوبندی مکتبہ فکر کا خصوصی ناقد و
ایک بیباک ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ جس نے چند سال سے علماء اہل سنت کی تصانیف
پر بے سرو پا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اور مسلک حق اہل سنت کے خلاف
جاریہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ گکھڑوی موصوف کا اندازِ کلام اور طرزِ بیان سو قیام
اور تحریر بروقت خطب کا طریقہ گستاخانہ ہے جس کی نمایاں مثال تنقید متین کتاب کا
اندازِ تحریر ہے۔ اس میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی
کے ترجمہ اور صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب فاضل مراد آبادی قدس سرہ
الغزیز کی تفسیر پر تنقید اور تردید و تغلیط کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اہل سنت کی
تخصیصات پر رکیک حملے کئے ہیں اور بزرگانِ دین کی شان میں توہین آمیز جملوں سے
اپنی بے باکی اور ذلت مزاجی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں سرفراز صاحب گکھڑوی نے اپنی اس تصنیف میں تیرہ مسائل پر تبصرہ
کیا ہے۔ اور ان مسائل کو بیان کرتے ہوئے کہیں تحریف سے کام لیا ہے اور کہیں تجاہل
سے۔ اور کہیں غلط سمجھت سے اپنا کام نکالا ہے۔ اور کہیں دو روز کا زیادہ گوئی سے اور
کہیں اہل سنت کے ذمہ ایک مسئلہ کو اپنی طرف سے فرض کر کے تعلق اور مبارزت کے
ڈونگرے بڑھائے ہیں اور جگہ جگہ اس کتاب میں نہایت بے باکی اور غلط بیانی و کوتاہ نظری
کا شرمناک مظاہرہ کیا ہے۔ میرے عزیز مولانا ابوالوفا غلام رسول صاحب سعیدی زاد اللہ تعالیٰ

نے تنقید متین کے جواب دینے کا ارادہ کیا۔ اپنی تدریسی اور تعلیمی خدمات انجام دہی کے دوران کچھ وقت نکال کر توفیق البیان لجزائیں العرفان بحواب تنقید متین تحریر فرمائی۔ اس کے جواب میں ہر زیر بحث مسئلہ کو پوری تحقیق اور مستند حوالہ جات کے ساتھ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ نیز سرفراز صاحب کی طرف سے طنز و تشنیع اور تجہیل و تعلی کا کما تدرین تدان کے مطابق پوری طرح تحلیل و تجزیہ بھی کر دیا ہے۔ ادب کی لطافت اور اردو زبان کی چاشنی کو بھی قائم رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا ابوالوفا غلام رسول صاحب سیدی اجاب اللہ سعید کو دارین کی سعادت عطا فرمائے۔ اور مسلک حق اہل سنت کی ترویج و تبلیغ میں توفیق رفیق نصیب فرمائے۔

آمین



معروضات (طبع اول)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے علمی کارنامے یوں تو ان گنت اور بے شمار ہیں۔ لیکن جو خصوصیت آپ کے ترجمہ قرآن کو حاصل ہے۔ وہ اسی کا حصہ ہے۔ یہ ترجمہ تمام معتبر تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ آسان اور سادہ عبارت کی صورت میں حقائق و معارف کے خزانے سمو کر رکھ دیئے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات پر جو بظاہر اعتراضات ہوتے ہیں۔ ترجمہ کی خوبی سے وہ دور ہو جاتے ہیں۔ اس ترجمہ میں لازمی کی موشگافیاں ہیں۔ غزالی کا تصوف ہے۔ جامی کی وارفتگی ہے۔ نعمان کا فقر ہے۔ آلوسی کی ژرف بینی ہے۔ میں نے اعلیٰ حضرت کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن جب میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں ایک ایسی شبیہ ابھرتی ہے جس کی آنکھوں میں فاروقی جلال، لبواں پر ملکوتی بسم۔ چہرہ ایسا جیسے کھلا ہوا قرآن۔ گفتار میں غی مرتضیٰ کی حلاوت۔ کردار میں ابو ذر کا استغناء۔ نفس میں گرجی صدیق انداز میں بلال کی تب و تاب۔ الغرض اعلیٰ حضرت کی شخصیت عشاق مصطفیٰ کا ایک جامع عنوان معلوم ہوتی ہے۔

آئیے اب آپ کے سامنے ترجمہ اعلیٰ حضرت کی خصوصیات سے ایک جھلک پیش کریں۔ جسے دیکھ کر قاری بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ جس طرح اصل منزل من اللہ ہے۔ اسی طرح اس کا ترجمہ علم من الباری ہے۔ دیکھئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان یشاء اللہ یختم علی قلبک مبتدعین دیوبند کے یکم علی الاعلاق اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

”سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے“

آپ نے غور فرمایا کہ تھانوی صاحب کے دل پر تو علم و عرفان کے دروازے

کھلے ہوئے ہیں اور نبی علیہ السلام کے دل پر بند لگایا جا رہا ہے خواہ امکان کے مرتبہ میں ہی سہی۔ اس کے مقابل اعلیٰ حضرت نے عظیم البرکت رضی اللہ عنہ۔ اس آیت کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

”اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت اور حفاظت کی مہم فرما دے“ جس کی رگوں میں محبت رسول لہو بن کر موجزن ہو۔ جس کے دل کی ہر قطر کن سینہ پر عشق رسول کی ضرب لگاتی ہو۔ اسے قرآن کریم کی ہر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ملتی ہے۔ اور جس کے مقتدریں بغض رسالت کی رسوائیاں ہوں۔ وہ یوں ہی کہا کرتا ہے۔ کبھی علم رسالت کے تقدس کو جانوروں اور پانگوں کی تشبیہ سے داغدار کرنے کی سعی کرتا ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت سے غافل ہونے کا افترا بانٹتا ہے۔

مبتدعین دیوبند کے یہی حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:

”دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے“ (حفظ الایمان ص ۷)

میں کہتا ہوں کہ کیا یہ بات یوں نہیں کہی جاسکتی تھی کہ اگر علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور علیہ السلام ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو جبریل و عزرائیل، حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم کے لئے بھی حاصل ہے۔ اگر مقصد تخصیص پر اشکال تھا۔ تو وہ اس طریقہ سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ لیکن دل میں جو عداوت رسول کا لدا ابل رہا تھا۔ وہ کس طرح پھٹتا۔ خوب یاد رکھئے جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے جس کے دل میں کسی کے لئے عزت اور احترام ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس کی اعلیٰ اور ارفع اشیاء سے تشبیہ دیتا ہے اور جو کسی کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ وہ اس کو ازل اور اسفل اشیاء سے تشبیہ دیتا ہے۔

علامہ بیہناوی متوفی ۶۸۵ھ فرماتے ہیں:

والشرط فیہ دھوان یکون مثال دینے میں شرط یہ ہے کہ مثال عظمت و علی وفق الممثل له من الجهة حقارت اور ذلت و شرف میں مثل لہ کے المتی تعلق بہما التمثیل فی العظم و الصغر والختہ والشرط۔

(افراد القزلی ج ۱ ص ۳ طبع مصر)

پس جس کے نزدیک علم رسالت میں عظمت ہے وہ فرماتا ہے:

انا ارحینا الیک کما ارحینا ہم نے آپ کی طرف ایسی وحی کی ہے جیسے الی نوح والنبیین من بعدہ۔ حضرت نوح امدان کے بعد والے انبیاء کی طرف وحی کی تھی۔

یعنی آپ کو بذریعہ وحی ایسا علم عطا فرمایا ہے جیسے بذریعہ وحی انبیاء سابقین کو علم عطا فرمایا تھا۔ نیز نبی علیہ السلام کے علم کے بارے فرمایا:

علمک ما لہ تکن تعلم دکان جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ سب ہم فضل اللہ علیک عظیماً۔ نے آپ کو بتلادیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

اور جو شخص بغض رسالت میں اندھا ہو چکا ہو۔ وہ علم رسالت کے بارے میں یوں کہتا ہے:

”ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے“ قال اللہ المشتکی!

دو دجک ضلّا فہدی کے ترجمہ میں کشتی دیوبند کے ناخدا اور مریضان دہابیت کے حکیم الامت یوں زہر آفرینی کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلایا“

اللہ اللہ! حضور شریعت سے بے خبر ہیں۔ اور شریعت کے حکیم مطلق آپ!

ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ آپ کی اس تلخ فوائی نے کتنے دلوں کو گھائل کیا۔ ہے کتنی روئیں مجروح ہو گئیں۔ عرش پر قدسیوں کا جگر پارہ پارہ ہو گیا فرش والوں کے دل سیما ہو گئے۔ ان بے قرار اور زخمی دلوں پر اعلیٰ حضرت نے تسکین کا پھایہ رکھا اور فرمایا:

”تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا۔ تو اپنی طرف راہ دی“

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی تڑپ کر اس کی تفسیر میں یوں گویا ہوئے:

”اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم کا کان ویا یوں عطا کئے۔ اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عطا کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے۔ تو آپ کی ذات و صفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا فرمائی۔“

مسئلہ: انبیاء علیہم السلام سب معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ سے عارف ہوتے ہیں۔

اللہ اکبر انہی علیہ السلام کے عرفان شریعت کا کیا عالم ہوگا۔ جب کہ ان کے خدام کا یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی فرماتے ہیں:

اے عبد اللہ! اتانی الکتب و میں اللہ کا بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب عطا
جعلنی نبیاً وجعلنی مبارکاً فرمائی اور مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور میں
اے ما کنت واصلاتی بالصلوۃ جہاں کہیں بھی ہوں مجھے بابرکت بنایا اور مجھے
والزکوۃ مادمت حیاً نماز اور زکوۃ کی تاحیات وصیت فرمائی۔

نور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پیدائش کے وقت سے عارف شریعت ہوں۔ اور جن کے ایک ایک انداز میں لاکھوں عیسوی اطوار ہوں جو تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں۔ سید ولد آدم ہیں۔ فہم اہم قندہ کے مصداق آتم ہیں۔ اکرم الاولین والآخرین ہیں۔ وہ شریعت سے غافل اور بے خبر ہوں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے ضمن میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ اور صدر الافاضل کی تفسیر کی کچھ اور وضاحت کریں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل کے ترجمہ و تفسیر کے امتزاج نے کتنا حسین معنی پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ اعلیٰ حضرت نے کہا کہ:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے رسول اکرم ہم نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا۔“

اور صدر الافاضل کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت کا کمال یہ ہے کہ محبوب کے جلوں میں اس طرح کھو جائے کہ محبوب کی ذات کے سوا ہر چیز کو فراموش کر دے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی ذات کا بھی احساس نہ رہے۔ اور سارے عالم کو بلکہ خود اپنی ذات کو بھی بھول جائے۔ اور خود فراموشی اور وارفتگی کے عالم میں سوا ذات محبوب کے اور کوئی شے پیش نظر نہ ہو۔ اور نبی کریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کامل محبت تھی اور حسن الوہیت کے جمال میں آپ ایسے محو تھے کہ آپ کو اپنی ذات کا بھی احساس نہ تھا۔ بھلا کائنات کی طرف کیا توجہ ہوتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم بیکسوں پر کرم فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات اور ہماری طرف متوجہ کیا تاکہ خلق کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنیوں کے حوالے کریں۔ بے سہارا کا سہارا بنیں۔ گمراہ راہ لوگوں کو ہدایت کا مینار بنائیں۔ تحت الثریٰ میں گرنے والوں کو پستی سے نکال کر اوج ثریا تک پہنچادیں۔

اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل رحمہما اللہ کے ترجمہ و تفسیر کا یہ ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ورنہ قرآن کریم کی ہر سطر میں انہوں نے نعت رسالت

کے گلدستے سجادیت میں رسول اللہ کا سچا شہیدانی اور آپ کا صادق امتی جب اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھتا ہے تو نعت رسالت کی شمیم سے دماغ مہک اٹھتا ہے۔ پیما دل محبت رسالت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ روح بھوم جاتی ہے۔ اور رگ و پے میں عشق رسول خون بن کر دوڑنے لگتا ہے۔ لیکن جو لوگ سرتاپا و ابن ابی کامونہ ہیں۔ جو علم اس لئے پڑھتے ہیں کہ انہیں حضور کی بے علمی کا علم ہو جائے۔ جن کی تمام تبلیغی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو فلاں فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ حضور نور نہیں حضور کسی کے کام نہیں آسکتے۔ جن کا ایمان یہ ہے کہ ابلیس کے لئے روئے زمین کا علم نص قطعی سے ثابت ہے۔ اور حضور کے لئے اس علم کو ثابت کرنا شرک سے کم نہیں جو علم رسالت کو جانوروں اور پانچلوں کے ادراک کی مثل گردانتے ہیں۔ یہ ترجمہ و تفسیر ان کی طبیعت کے موافق تھا نہ ان کے مزاج کے۔ چنانچہ وہ لوگ اس ترجمہ سے نعت رسول سے کل بھی برہم تھے۔ آج بھی برہم ہیں۔ جوں جوں اس کی اشاعت ہوتی رہی ان کے حرمین ایمان پر بجلیاں گرتی رہیں۔ بالآخر جب تاج کیمنی نے اس ترجمہ و تفسیر کو شاندار اور وسیع پیمانہ پر طبع کیا۔ تو معاندین رسالت کا پیمانہ صبر چھلک اٹھا۔ چنانچہ پہلے تو معاندین نبوت نے تاج کیمنی کے عمل میں شامل ہو کر ترجمہ و تفسیر میں تحریف کی۔ عبارتیں بدلیں۔ مفہوم بدلے۔ جوں کی جگہ مقربین الوہیت کے نام لکھ دیئے اور اسرائیلی ذہنوں کے جگہ جگہ مظاہرے کئے۔ اس پر بھی تسکین نہ ہو سکی۔ تو سرفراز صاحب گکھڑی نے تنقید متین نام کی ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں حضرت اور صدر الافاضل پر جگہ جگہ اخلاق سوز پھبتیاں کیں اور خیانت اور تحریف کا ایک طویل جال بچھا دیا۔

مئی ۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ میرے سامنے یہ کتاب آئی۔ جس میں خاص طور پر صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر

تفسیر خزائن العرفان کو ہدف طعن بنایا ہے۔ ان کی عبارات کے صاف اور صریح مطالب سے دیدہ و دانستہ اعراض کر کے انہیں بدعت کا لباس پہنایا ہے۔ پھر شدید فحشوں اس بات پر ہے کہ قرآن کی آیات اور احادیث طیبہ سے جو مطلب اخذ کر کے اس تحریف پر بطور استدلال پیش کیا ہے۔ وہ خود تحریف بالائے تحریف ہے۔ خروج اور اعتزال کے مدفون مردوں کے اجساد کی ایک مذموم کوشش ہے۔ تنقید متین کے تقریباً ہر صفحہ پر مغالطہ عامۃ الورد و لہریں لے رہا ہے۔ پھر اس مغالطہ آفرینی پر جگہ جگہ تعقی اور مبارزت کا اظہار کیا گیا ہے اور انداز ایسا ہی ہے جو کسی شریف اور متین مصنف کو زیب نہیں دیتا۔ کہیں عیض و غضب میں اگر سب و شتم کو اپنایا۔ اور کہیں بے بسی سے عورتوں کی طرح کو سنا شروع کر دیا۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کے علمی تبحر اور اسلامی خدمات کے پیش نظر کوئی بھی مصنف مزاج اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اپنے صبر و سکون کو قائم نہیں رہ سکتا۔ جس طریقہ سے اس کتاب میں حضرت صدر الافاضل پر تبر کیا گیا ہے وہ ہر اسلامی ذہن کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے۔ اور ارقم المحروف چونکہ صدر الافاضل کے مسلک سے وابستہ ہے۔ اور نسبی سلسلہ سے تانیض ہے۔ لہذا اس سلسلہ کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے میری بھی ذمہ داری تھی کہ میں اس کتاب کے جواب میں قلم اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے حضرت الافاضل کی معنوی امداد سے اس کتاب کا جواب شروع کیا۔ اور انہیں کی روحانی اعانت سے یہ کتاب پایہ تکمیل تک پہنچی۔

تکمیل کے بعد میں نے چاہا کہ اس کتاب کو حضرت سیدی و سندھی اتنا ذی اعظم مولانا الحاج عطاء محمد صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہم الیوم القیامتہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ اور آپ کو عرض کرنا کہ اس پر تائید و توثیق حاصل کی جائے۔ چنانچہ میں اس کتاب کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری درخواست

پر پوری توجہ اور کامل غور و خوض کے ساتھ اس کو سنا اور اپنے مشوروں سے بھی ممنون فرمایا۔

نقیب ملت مفتی پاکستان حضرت استاذی المکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ العالی درس افتاء اور ملی و جماعتی سرگرمیوں میں بے حد مصروف رہتے ہیں اور ان سے کسی کام کے لئے وقت حاصل کرنا بڑی جان بوجھوں کا کام ہے۔ اس کے باوجود میری خواہش تھی کہ اگر وہ بھی اس کتاب کو سن لیں تو اس کو مزید استحکام حاصل ہو جائے گا۔ بہر حال حضرت نے میری درخواست کو شرف قبول بخشا۔ اور مجھ سے اس کتاب کے سننے کا وعدہ فرمایا۔ اور بے حساب مشغولیات کے باوجود حضرت نے اس کتاب کو مکمل طور پر سنا اور اپنے گراں بہا مشوروں سے بھی مستفیض فرمایا۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

مصنف تنقید متین نے شواہد پیش کرتے وقت بعض ایسے حوالے اور عبارات پیش کی ہیں جن کا محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ان عبارتوں کو پیش کر کے مصنف نے مغالطہ آفرینی سے انہیں محل نزاع بنانے کی مذموم سعی کی ہے۔ مثلاً حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک حوالہ پیش کیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو اس بات کا اختیار نہیں کہ جو چاہیں کر ڈالیں۔ حالانکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے ہر چاہے ہوئے کو کر لینا قدرت ذاتیہ سے ہی مقصور ہے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی وصف کو ذاتی اور مستقل نہیں مانتے۔ اسی کی پوری بحث علم غیب اور کائنات میں تصرف کے باب میں آرہی ہے۔ اسی طرح انہوں نے متعدد علماء کے حوالے اس باب میں پیش کئے ہیں کہ حضور علیہ السلام میں بشریت متحقق ہے۔ حالانکہ گفتگو اس میں نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت

متحقق ہے یا نہیں۔ بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا حضور ہم جیسے بشر ہیں۔ جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے سمجھا ہے اور اس بنیاد پر وہ آپ کی تنقیص میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے یا آپ کی بشریت کدورتوں اور کشافوں سے منترہ اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے منتزع النظیر ہے۔ جیسا کہ علماء اہل سنت کا مسلک ہے۔ اس کی پوری تفصیل و تحقیق نور و بشر کے باب میں آرہی ہے۔ ہم نے اس قسم کی عبارتوں پر کہیں تنبیہ کی ہے اور کہیں طوالت کی وجہ سے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

ثانیاً جن عبارتوں کو مصنف تنقید متین نے محل نزاع میں استشہاد پیش کیا ہے۔ ان میں سرفراز صاحب کی غلط فہمی جو رد کر دی گئی ہے۔ اور ان عبارتوں کا صحیح محل بیان کر دیا گیا ہے۔

ثالثاً سرفراز صاحب کے مفروضات اور خانہ ساز قواعد کا دلائل سے رد کر دیا گیا ہے۔

رابعاً اس کتاب میں تنقید متین کے مکمل اور بالاستیعاب رد کے علاوہ سرفراز صاحب کی راہ سنت اور باب جنت کی اہم بحثوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ خاصاً اہل دیوبند کے جفا دہی قسم کے علماء کی بعض تصانیف کی غلطیوں اور غلط کاریوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یعنی یہ صرف تنقید متین کا رد ہی نہیں بلکہ مبتدعین دیوبند کے چھوٹے بڑوں کی بہت سی کتابوں کی ایک جامع تردید ہے اس لئے اس کتاب کا جواب لکھنے والے کو یہ خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ ان تمام باتوں کا جواب دے گا۔ جنہیں توضیح البیان میں پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ جن کتابوں پر اعتراضات کا جواب نہ دیا گیا۔ ہم سمجھیں گے کہ مبتدعین دیوبند یا تو ان سے بیزار ہیں۔ یا ان کے جواب سے عاجز ہیں۔

سرفراز صاحب نے راہ سنت اور تنقید متین میں جواب کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ کہ کہیں مسئلہ ذکر کر کے اس کا انکار کر دیا۔ لیکن اس کے ثبوت کی

دلیل کو نقل تک نہ کیا۔ حالانکہ وہ بھی وہاں مرقوم تھی اور کہیں مسئلہ کے ساتھ استشہاد کا حوالہ بھی ذکر کر دیا۔ لیکن اعتراض صرف مسئلہ پر کیا۔ حوالہ پر کوئی گفتگو نہیں کی چنانچہ اس کی ایک نظیر ہم کائنات میں تصرف کے باب میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ تحقیق و دیانت کی دنیا میں انتہائی مذموم اور انسانییت سے گرا ہوا طریقہ ہے۔ ہم نے اس کتاب میں سرفراز صاحب کی دلیل اور ان کے پیش کردہ حوالوں کو کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً پوری دیانت سے پیش کیا ہے۔ اور تمام ابحاث میں سرفراز صاحب کے مقابلوں کا ازالہ کر کے ان کے پیش کردہ حوالوں کا صحیح مقام بتا دیا ہے۔ اس لئے اس کتاب کا جواب دینے والے کو اس بات کا بھی ذمہ لینا ہوگا کہ وہ ہمارے پیش کردہ تمام حوالوں کا محمل بیان کرے۔ اور مبنیٰ علیٰ دیوبند کی جن عبارتوں سے استشہاد کیا گیا ہے ان کا جواب دے اور مزعومات دیوبند پر ہم نے جس قدر سوالات قائم کئے ہیں۔ ان کے جوابات کے ذمہ سے عہدہ بر آہو۔

سرفراز صاحب تنقید متین کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

”یکادھا الذبی کے یہ معنی ہیں اے غیب بتانے والے نبی خان صاحب یہ معنی کر کے یہ باور کرانے کے درپے ہیں۔ کہ نبی کہتے ہی اسے ہیں جو غیب بتائے۔ اور بتانا فرح ہے جاننے کی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ نبی غیب جانتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر احکام خداوندی بتاتے ہیں۔ اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں۔ لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خان صاحب ہیں اس کا علم اور اس کا بتانا کسی طرح نبی کے معنی، مفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک یقین حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی اور سورۃ قلم کی ابتدائی پانچ آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جاننے دیجئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو مابقی یا آئندہ

کے متعلق ہوں اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے۔ تو کیا معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں مرحمت نہیں ہوئیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ خان صاحب کے اس ترجمہ سے تو معاذ اللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ (تنقید متین ص ۲۳)

سرفراز صاحب کی یہ تمام ناراضگی محض اس لئے ہے کہ اعلیٰ حضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے اور چونکہ دیوبند کے اس دشمن رسول کو نبی علیہ السلام کا غیب جاننا کسی طور پر تسلیم نہیں۔ اس لئے اس نے اس نفیس ترجمہ پر کئی وجوہ سے حملہ کر کے اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔ اور ہم بھی بعون اللہ العزیز قارئین پر واضح کئے دیتے ہیں کہ اس کے یہ تمام حملے خود اس کی ذات کو گھائل کر رہے ہیں۔ کیونکہ عزت و ناموس رسالت پر دھبہ لگانے کا جو شخص ارادہ کرتا ہے۔ ابدی روسیاہیاں اس کی تقدیر مبرم بن جاتی ہیں۔ پس گذارش ہے کہ اعلیٰ حضرت نے لفظ نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے۔ اور بتانا فرح ہے۔ جاننے کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ نبی کے معنی میں غیب جاننے کا مفہوم داخل ہے یا نہیں پس اولاً ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ قاضی عیاض متوفی ۵۴۲ھ نبی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمعنی ان الله تعالى اطلعہ علی
غیبہ واعلمہ انه نبیہ فیکون
نبی منبئاً فعیل بمعنی مفعول او
یکون مخبراً عتبا بعثہ الله تعالی
به ومنبأ بها اطلعہ علیہ
تفعیل۔

نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کر دے اور اسے یہ بتا دے کہ وہ نبی ہے اور وہ اس وقت نبی نہیں بننے مفعول کے ہو گا یا نبی کا معنی ہے جو ان (امور غیبیہ) کی خبر دے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسے دے کر بھیجا ہے اور اس وقت نہیں بننے نازل ہوگا۔

قاضی عیاض کی عبارت سے ثابت ہوا کہ نبی کا معنی غیب جانتا بھی ہے اور غیب بتلانا بھی۔ اگر بمعنی مفعول ہو تو غیب جانتا معنی ہے۔ اور اگر بمعنی فاعل ہو تو غیب بتلانا اس کا معنی ہے۔ نیز قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

النبوة التي هي الاطلاع على الغيب نبوت غيب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

(شفاء جلد ص ۱۶۱)

ثابتاً علامہ شیخ قاسم..... متوفی ۸۷۶ھ نبی کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فعل بمعنى مفعول لان الله تعالى لفظ نبی فعل بمعنی مفعول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نبیہا بوحیہ اسرار غیبیہ۔

(شرح مسائره مع المسامره ص ۲۱۰)

ثناؤدس علماء دیوبند نے مل کر المنجد کا ترجمہ کیا اور اسے ترتیب دی اور اس میں نبی اور نبوت کا معنی بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے:

”النبوة والنبوة - عندنا تعالیٰ کی طرف سے الہام پاکر غیب کی بات بتانا۔ النبى والنبي - اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں بتانے والا (لغات المنجد عربی اردو ص ۱۲۴۲)

سرفراز صاحب۔ ملاحظہ کیا آپ نے۔ یہ دیوبند کی فیل پنچ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نبی غیب بتانے والے کو کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے نبی کا یہ معنی کیا تو آپ نسخ پا ہو گئے۔ اب اپنے ان جفاوری مولویوں کے بارے میں کیا ارشاد ہو گا۔

راغباً زیر بحث عبارت میں آپ نے لکھا ہے کہ:

”یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر احکام خداوندی بتاتے

ہیں اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں“

دیکھئے اس عبارت میں آپ نے نبی علیہ السلام کے لئے عطائی علم غیب مان لیا۔ حالانکہ تنقید متین میں آپ نے لکھا ہے:

”نہاں صاحب کا یہ بے بنیاد دعوے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا“

(تنقید متین ص ۱۹۳)

اب بتلایئے۔ آپ کے کلام اور ایک مجنون کی بڑ میں کیا فرق رہ گیا۔ آپ جس شخص کو ایک جگہ بے بنیاد اور شرک قرار دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اسی کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔

خامسا۔ اس عبارت کے ضمن میں آپ نے تحریر کیا ہے۔

”لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خالصاً ہیں اس کا علم اور بتانا کسی طرح نبی کے معنی و مفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے“

اعلیٰ حضرت کے جس ترجمہ پر آپ تبصہ کر رہے ہیں۔ اس میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔ یا ایہا النبی اے غیب بتانے والے نبی“ بتلایئے سرفراز صاحب اعلیٰ حضرت نے یہاں کو نسا لفظ ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب آپ نے کلی غیب لیا ہے۔ جب اعلیٰ حضرت نے کلی غیب کا ذکر نہیں کیا۔ تو پھر کلی غیب پر عطف و غضب اور اعلیٰ حضرت کے صاف اور صحیح ترجمہ پر آپ کی اس تمام آمیزش کا کیا جواز رہ گیا۔ سرفراز صاحب آپ اپنے فرقہ میں عالم دین سمجھے جاتے ہیں اس طرح سفید جھوٹ نہ بولا کیجئے۔ یہ علماء کا شیوہ نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں غیب کے ساتھ کلی کا پیوند لگا کر آپ نے جس اسرار ملی ذہن کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ ایک شرمناک حرکت ہے جو سنجیدہ اور متین علماء کو قطعاً زیب نہیں دیتی ہے۔

سادسا اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہاں غیب کلی کا اگرچہ ذکر نہیں کیا۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی اس کو کہتے ہیں جو کلی غیب جانتا ہو۔ اس لئے یہ عبارت بھی اسی پر محمول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہے کہ عقیدہ

تو امور غیبیہ سے ہے۔ جب آپ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی علم غیب متفق ہے۔ تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا۔

سابقہ اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحریر سے یہ عقیدہ ثابت ہے تو چشم مارو شن دل ماشاد۔ اعلیٰ حضرت کی وہ نص پیش کیجئے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کلی غیب کو جانے۔ میں آپ کو تمام مبتدعین دیوبند سمیت چیلنج کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت سے یہ عقیدہ ثابت کریں۔ اور اگر نہ ثابت کر سکے اور اتشاد اللہ قیامت تک ثابت نہ کر سکیں گے تو اپنے اس جھوٹ اور افتراء سے رجوع کر لیں۔

ثامنا۔ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ کلی سے مراد کیا ہے۔ جمع معلومات الہیہ یا جمع ماکان وایکون پہلی صورت میں یہ اعلیٰ حضرت پر قطعاً افتراء ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع معلومات الہیہ ثابت کریں۔ اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے۔ دیکھئے الملقوظ (ج ۱ ص ۲۶)

اگر جمع ماکان وایکون مراد ہے تو اس کا حصول تدریجی طور پر نبی علیہ السلام کے لئے دلائل قاطعہ سے ثابت ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ نبی کے مفہوم میں کلی غیب کا جائزہ داخل ہے۔ اس کی پوری بحث اس کتاب کے باب علم غیب میں آکر ہی ہے۔

تاسعاً۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ حضور کے لئے مطلق غیب نہ ثابت ہے نہ منصب نبوت کے لائق ہے۔ کاش آپ نے شرعاً تہذیب ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوتی تو وہ آپ کو سمجھا دیتا کہ مطلق الشیء بتحقق بتحقق فرداً سرفراز صاحب مطلق غیب کا ثبوت تو غیب کے ایک فرد کے ثبوت سے بھی ثابت ہو جائے گا۔ یا دیوبند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ کے لئے علم غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں۔

عاشرًا۔ یہ چند سطریں پہلے آپ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مطلق غیب نبی کے لئے ثابت نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے۔ اگر آپ کو مطلق غیب اور بعض امور غیبیہ کے مطلب کی سمجھ نہیں تو کسی سے سمجھ کر تصنیف شروع کی ہوتی۔ اگر سمجھ جاتی تو پھر کیا نشر میں ڈوب کر لکھ رہے تھے۔ جو چند سطروں میں بھی لپٹی عبارت کا توازن قائم نہ رکھ سکے۔ حادی عشر اس بحث کے اخیر میں سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”یہ ایک تین ہیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی۔ اور سورۃ قلم کی پانچ ابتدائی آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جانے دیے جئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو سابق یا آئندہ کے متعلق ہوں۔ اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں۔ کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے۔ تو کیا معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں نہیں ہوئی تھیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ خان صاحب کے ترجمہ سے تو معاذ اللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔“

اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے۔ جو فرع ہے غیب جاننے کی۔ اور ابتدائی دور میں جب آپ پر سورۃ قلم کی صرف پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ اس وقت تک آپ کو کئی غیب کا علم نہ تھا۔ پس لازم آیا کہ آپ معاذ اللہ نبی بھی نہ ہوں۔ کیونکہ نبی غیب جاننے والے کو کہتے ہیں۔

سرفراز صاحب کا یہ اعتراض انتہائی خام اور طفلانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ سنئے سرفراز صاحب۔ اس وقت بھی نبی علیہ السلام کو بے شمار علوم غیبیہ کا علم تھا۔

ازاں جملہ یہ ہیں۔

- ۱۔ وحی قرآن کو جبرائیل لے کر آئے ثابت ہوا کہ حضور کو جبرائیل کا علم تھا اور جبرائیل علیہ السلام عالم غیب سے ہیں۔
- ۲۔ حضور کو وحی الہی کا علم تھا۔ اور وحی عالم غیب سے ہے۔
- ۳۔ حضور کو ذات حق کا علم تھا۔ اور ذات حق غیب الغیوب ہے۔
- ۴۔ اقراراً باسعد ربک سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا علم ثابت ہوا اور صفت ربوبیت عالم غیب سے ہے۔
- ۵۔ الذی خلقی سے صفت خالقیت کا علم ثابت ہوا۔ اور یہ عالم الغیب سے ہے۔

۶۔ علما الانسان ما لم يعلم میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بتلایا کہ حضرت آدم کو جمیع اسماء کا علم عطا فرمایا اور اس کا غیب ہونا واضح ہے۔ دیکھیے تفسیر خازن ص ۳۹۲ ج ۴ ایضاً تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۸ ج ۴۔

اور اس کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ الانسان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یعنی پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتا دیا۔ جس کو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور یہ سرفراز صاحب اور جمیع ذریت دیوبند پر بھاری عذاب ہے۔ (خازن ص ۳۹۳ ج ۴)

اور علامہ آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں والاشعار بانہ تعالیٰ يعلمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من العلوم ما لا محیط به للعقول اللہ تعالیٰ اس آیت سے یہ بتا رہا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر علم دے گا جس کا انسانی عقولیں احاطہ بھی نہیں کر سکتیں۔

(روح المعانی ص ۸۰ ج ۳)

ثانی عشر اس بحث میں سرفراز صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی خبریں نہیں دیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تنقید کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت نے اس طرح فرمایا ہوتا

کہ نبی وہ ہوتا ہے جو آئندہ یا گزرے ہوئے زمانے کی خبریں دے۔ تب تو اس تنقید کا کوئی منشا ہوتا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے تو فرمایا ہے کہ نبی غیب والے کو کہتے ہیں۔ پس اعلیٰ حضرت نے نبوت کے مفہوم میں مطلق غیب بتا جانے کا ذکر کیا ہے۔ لہذا اس کا رد جیب ہو گا۔ جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور کو مطلقاً غیب کا علم نہ تھا۔ اور ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضور کے لئے اس موقع پر غیب کا علم ثابت تھا بلکہ ماضی اور مستقبل کا غیب بھی حاصل تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانوں کو شامل بلکہ اس سے ماوراء ہے۔ علاوہ انہی اس بحث میں امام غزالی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے التبی عبادۃ من شخص کو شفت بحقائق الامور نبی اس شخص کو کہتے ہیں جس پر تمام حقائق امور منکشف کر دیئے جائیں۔

(احیاء العلوم ص ۳۲ ج ۳)

بیاتھا النبی کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی اور عناد نبوت سے جو اعتراض کیا تھا۔ بھلا اللہ العزیز بارہ وجود سے ہم نے اس کا حساب بیباق کر دیا۔ اس کے علاوہ مصنف تنقید متین نے پیش لفظ میں اور بھی کچھ اعتراضات پیش کئے ہیں۔ لیکن ان کا ذکر چونکہ خود اصل کتاب میں آ گیا ہے۔ اس لئے ہم نے یہاں ان سے تعرض نہیں کیا۔ لہذا ان کے جوابات کے لئے قارئین ”توضیح البیان“ کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کریں۔ وہاں تفصیل سے سرفراز صاحب کے بنائے ہوئے تار عنکبوت کے ایک ایک تار کو توڑ دیا گیا گیا ہے۔

انہی میں ہم خدا نے لم یزل کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں اپنے دین متین کی اس خدمت کے لئے چن لیا۔ اے بار اللہ ہمارا رواں رواں گناہوں سے جکڑا ہوا ہے۔ ہمارے شب و روز پر مسلسل معصیت کی وحند چھائی رہتی ہے۔ ہماری اہلیت کسی انعام کی مستحق نہیں تھی۔ لیکن تو نے اپنے

بے پایاں فضل سے ہمیں حظ وافر عطا کیا کہ ناموس الوہیت کی طرف بڑھنے والے
ہاتھوں اور بارگاہ نبوت میں گستاخ زبانوں کو قلم کرنے کے لئے ہمیں منتخب فرما
لیا۔ ہمیں حضرت حسان کے علاموں کی صف میں جبکہ دیار اور حمد باری اور نعمت
رسول میں ہمیں غور کر دیا۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَارَكْنَا فِيهِ الْبَلَدَ الْأَمِينُ

علامہ رسول سعیدی غفرلہ



معروضہ طبع ثانی

۱۹۶۹ء میں سرفراز صاحب کی تنقید متین کے جواب میں توضیح البیان کا
پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ اب ۱۹۷۹ء گزر رہا ہے دس سال کے اس طویل
عرصہ میں سرفراز صاحب کی طرف سے مکمل سکوت رہا۔ کئی بار ان کو اس کے
جواب کی طرف متوجہ کیا گیا۔ لیکن ان کی خاموشی میں کوئی فرق نہ آیا۔ چونکہ سرفراز
صاحب کی عادت یہ تھی کہ جس نے بھی ان کے خلاف قلم اٹھایا انہوں نے فوراً
جواب میں کوئی کتاب لکھ کر پیش کر دی۔ اس لئے میرا خیال تھا کہ سرفراز صاحب
اس کے جواب میں اگر کچھ لکھ سکتے ہیں تو لکھ دیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں ان
کے شبہات کا جواب دے دیا جائے۔ بہر حال اب کافی انتظار کا عرصہ گزرنے
کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے۔
مخدوم و معترم علامہ عبدالحکیم صاحب شرف کی بہت عرصہ سے فرمائش تھی کہ
میں توضیح البیان پر نظر ثانی کروں اور اس میں ضروری ترمیم و اضافہ کے بعد ان کو
طبع ثانی کے لئے پیش کروں۔ لیکن مختلف عوارض کی وجہ سے میں یہ امر مؤخر
کرتا رہا تا آنکہ اس سال میں نے اس کام کی طرف توجہ کی اور اس میں کچھ ترمیم اور
اضافہ کر دیا۔

اس کتاب کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ اس کی زبان بہت مشکل ہے
اور علمی اصطلاحات اور عربی الفاظ کا بکثرت استعمال ہے۔ اس سبب سے
یہ کتاب علماء کے حلقہ میں تو بہت مقبول ہوئی۔ لیکن عوام کی اکثریت اس کتاب
سے استفادہ کرنے سے قاصر رہی۔ میں نے اس مرتبہ کافی محنت کر کے یہ تسکین
دور کر دی ہے۔ اور اس کی زبان و بیان کو بہت آسان کر دیا ہے امید ہے
کہ اب عوام اس کتاب سے بآسانی استفادہ کر سکیں گے۔

نیز میں اسے کرم بالائے کرم سمجھتا ہوں کہ اب یہ کتاب اہل سنت و جماعت کے ممتاز اشاعتی ادارے (حامد اینڈ کمپنی لاہور) کی طرف سے بڑے بڑے شکر اور دلکش انداز میں شائع ہو رہی ہے۔ حامد اینڈ کمپنی لاہور نے نہایت ہی مختصر مدت میں علماء اہل سنت کی گرانقدر تصانیف کو شائع کر کے اپنا مقام بنالیا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے محفوظات اور حیاۃ الموات (روحوں کی دنیا) کے علاوہ سنی ہشتی زیورہ سیرت رسول عینی تذکرۃ المحدثین وغیرہ ایسی کتب مارکیٹ میں لانا اس کمپنی کا عظیم کارنامہ ہے۔ میں حامد اینڈ کمپنی کے جواں ہمت ناظم کی خدمت میں بیہ تیریک پیش کرتا ہوں جن کی کاوش سے اہل سنت و جماعت کو نہایت اعلیٰ اور با مقصد لٹریچر حاصل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ ناظم مکتبہ قادریہ لاہور سید حامد لطیف صاحب زید مجدہ اور ان کے معاونین کے تبلیغی جذبہ میں مزید اضافہ فرمائے۔ اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ نیز اس کتاب کو بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت اور اس گنہگار کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حصول اور مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

علامہ رسول سعیدی غفرلہ

امین بجاہ سید المرسلین
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

۲۲/۹۹ — ۲۱/۹۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

استعانت

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی آیت کریمہ ایتاک نعیدو ایتاک نستعین کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی۔

ایتاک نستعین۔ میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہویا بے واسطہ۔ ہر طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات خدام و احباب وغیرہ سب عون الہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے۔ اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیا و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربان حق کی امداد امداد الہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے۔ تو قرآن پاک میں اعیون فی یقوتہ اور استعینوا بالصبر والصلوۃ کیوں وارد ہوتا۔ اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔

اس تفسیر پر سر فراز صاحب نے یہ شائستہ تبصرہ کیا:

”کہ جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ بالا کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے، وہ بجائے خود قابل صد نفرت ہے۔“

معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نستعین کا مفعول و معمول ایک ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے

مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے۔ اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے ساتھ مختص ہو جائے۔ اور ابتدائی جموں میں خود مولوی صاحب نے اس کا کافی حد تک اقرار بھی کیا ہے۔ لیکن جب سمجھے کہ اس اقرار سے تو بریلویت بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ایک بڑے عقیدہ پر ضرب کاری لگتی ہے۔ اور وہابیوں کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے تو پختہ ابدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے، عقیدہ باطلہ ہے۔ اور اس طرح تحریف کا چور دروازہ اپنے لئے کھول لیا ہے۔ اس لئے ہم بھی اس پر قدرے وضاحت سے کلام کرتے ہیں کہ مولوی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود اور باطل ہے۔ اولاً بزرگ خود جو تفسیر اور احتمال آیا کہ نستعین کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ وہ ایسا کعبہ میں بھی ہماری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء و کرام اور اولیاء و عظام کو سجدہ کرتا ہے۔ یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے۔ اور یہ بیان کرتا ہے کہ حقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں۔ ہاں کمران حضرات کو صرف تقرب الہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے! اور اگر یہ غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیونکر حق قرار پایا! اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرا۔

ثانیاً استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادتہ اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب میں ظاہری استعانت کہا جاتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ (تنقید متین ص ۲۸)

اختصاص استعانت کا مدار مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر ارقام فرمائی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔

کہ ہر باب میں استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص ہے۔ خواہ مافوق الاسباب امور میں استعانت ہو یا ماتحت الاسباب امور میں تفسیر مدارک التنزیل میں اس آیت کے تحت ہے:

واطلقت الاستعانة للتناول كل مستعان فيه - استعانت کو مطلقاً ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ہر مستعان کو شامل ہو۔

تفسیر خازن میں ہے:

ای منك نطلب المعونة علی تیری عبادت اور باقی امور کی انجام دہی پر عبادتک د علی جمیع امورنا۔ تجھ سے ہی طاقت طلب کرتے ہیں۔ تفسیر جمل میں ہے:

دعوم المهمة مستفاد عن حذف مفعول مستعین سے استعانت کے تمام امور کو شامل ہونے کا فائدہ حاصل ہوا۔

نور فرمائیے مفسرین کرام تو ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص فرما رہے ہیں۔ اور سرفراز صاحب نے صرف مافوق الاسباب امور میں استعانت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر کے قرآن کریم کی خالص تحریف کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

«استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادتہ اس کے بس میں اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے» (تنقید متین ص ۲۷)

۱۔ مدد طلب کرنا

۲۔ وہ کام جو عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتے ۱۲ منہ

۳۔ وہ کام جو عام لوگوں کی قدرت میں ہوتے ہیں ۱۲ منہ

اور اس طرح سرفراز صاحب نے جو سیوں کی طرح تقسیم کار کر لی ہے۔ کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے۔ اور کچھ بندوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ استعانت عواہ بواسطہ ہو، یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ بندوں کے ہاتھ پر امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جو کچھ بھی ظاہر ہوتے ہیں ان کا خلق اور ایجاد اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے بھی امور ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعانت کے اختصاص اور عدم اختصاص کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر ہے۔ نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کی وجہ سے یقین کر لیا ہے۔

دیوبند کی شہادت آئیے اب ہم آپ کے سامنے سرفراز صاحب کے شیخ الہند کی تفسیر سے شہادت پیش کرتے ہیں، جس سے یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ غیر اللہ سے استعانت کے جواز اور عدم جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر ہے نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب۔

دیکھئے مولوی محمود حسن صاحب ایماک فتعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بند کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے۔ تو یہ جائز ہے، کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔“

سرفراز صاحب غیر اللہ سے جواز استعانت کا مدار امور ماتحت الاسباب کو قرار دیتے ہیں اور ان کے شیخ صدر الافاضل رحمہ اللہ کی طرح مستعان کو غیر مستقل

سمجھنا اس کا معنی ٹھہرتے ہیں۔ اب فرمائیے کس کا بیان کردہ معنی صحیح ہے، اور کس کا غلط۔ اب اگر آپ صدر الافاضل صاحب رحمہ اللہ کے بیان کردہ معنی کو غلط تحریف اور شرک کا چور دروازہ قرار دیتے ہیں۔ پھر تو اپنے شیخ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھئے اور ان پر بھی شرک کا فتویٰ لگائیے۔ اور اگر آپ کے شیخ کا بیان کردہ معنی صحیح ہے تو پھر صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر کو صحیح مان کر اپنی غلطی سے رجوع اور بدعتیگی سے توبہ کیجئے۔

من نہ گوئم کہ این نہ کن آن کن مصلحت میں و کار آساں کن

ما فوق الاسباب امور میں رسول اللہ سے استعانت سرفراز صاحب کا امور عادیہ میں ظاہری استعانت کو جائز قرار دینا اور غیر عادیہ میں ناجائز دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں سے باطل اور مردود ہے۔ احادیث صحیحہ سے امور غیر عادیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد اور صحابہ کرام کی آپ سے استمداد ثابت ہے۔

عن یزید بن ابی عبید قال رأیت اشرضیۃ فی ساق سلمۃ بن الاکوع نقلت یا ابا مسلم ما هذا الضریۃ قال ضریۃ اصابتی یوم خیبر فقال الناس اصاب سلمۃ فایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنفت فیہ ثلث نفثات فما استسکیتہا حتی الساعة۔

یزید بن ابی عبید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر چوٹ کا نشان دیکھا میں نے ان سے پوچھا کہ اسے ابو مسلم یہ کیسی چوٹ ہے، انہوں نے کہا کہ یوم خیبر کو مجھے شدید چوٹ لگی، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہو گئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا، آپ نے تین دفعہ دم فرمایا اور اس دم کی برکت سے مجھے آج تک

تکلیف نہیں پہنچی۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۳)

دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن عثمان بن عبد اللہ بن مویہ

عثمان بن عبد اللہ بن مویہ سے مروی

قال ارسلني اهلي الى امر سلمة بقدر
من ماء وكان اذا اصاب الانسان
عين او شي بعث اليها مخضبه
فاخرجت من شعر رسول الله
صلى الله عليه وسلم وكانت تمسك
في جلد من فضة فحضرته
له فشرب.

منه الحديث

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۰)

تیسری روایت ملاحظہ کیجئے:

عن اسماء بنت ابی بکر انما
اخرجت حبة طيبا لسية كسوانية
لها لينة ديباج و فريحيها
مكفوفين بالديباج وقالت
هذه حبة رسول الله صلى الله
عليه وسلم كانت عند عائشة
فلما قضيت قبضتها وكان
النبي صلى الله عليه وسلم يلبسها
فحقن نفسها للمرضى نستشفى بها.

(مشکوٰۃ ص ۳۷۲)

ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں
نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا
کے ہاں پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا اور لوگوں
کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں یا کسی اور
جگہ زخم پہنچتا تو آپ کے پاس تغار دے کر
بیچتے۔ پس ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے مونے مبارک نکالتیں۔ جنہیں وہ گھنٹی کی
شکل کی ایک چاندی کی نلکی میں رکھا کرتی تھیں
پس وہ اس نلکی کو پانی میں ڈال کر نکالتیں۔ پس
وہ شخص اس پانی کو پیتا۔

اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ انہوں نے
ایک طیلانی کسروانی جیہ نکالا جس کا ریشمی گرہا
تھا۔ اور اس کی دونوں جانبیں بھی ریشمی تھیں۔
اور زمانے لگیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کا جیہ ہے جو حضرت عائشہ کے پاس
تھا۔ پس جب ان کی وفات ہو گئی تو میں نے
اسے حاصل کر لیا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم پہنا کرتے تھے۔ پس ہم بیماروں کے
لئے اسے دھوتے ہیں اور اسی جیہ کے توتل
سے ان کے لئے شفا طلب کرتے ہیں۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کے پہنے ہوئے کپڑوں، آپ کے
بالوں اور آپ کی پھونک سے لوگ شفا حاصل کرتے تھے۔ اب غور طلب امر

یہ ہے کہ لباس بال اور پھونک حصول شفا کے لئے سبب عادی ہیں یا غیر عادی
ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عادت لباس بال اور پھونک کو حصول شفا کے لئے پیدا
نہیں فرمایا۔ اور اگر عادت ان کی خلقت حصول شفا کے لئے ہوتی۔ تو چاہیے تھا کہ
ہر ایک کے لباس اور بال اور پھونک سے شفا حاصل کی جاتی۔ جس طرح عادت باجڑی
بٹویوں اور دواؤں کی خلقت حصول شفا کے لئے ہے۔ اور وہ شفا کے لئے سبب
عادی ہیں۔ اسی طرح لباس وغیرہ حصول شفا کے لئے ہرگز سبب عادی نہیں ہیں۔
اور اس میں رقی برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ پس آپ کے لباس وغیرہ سے صحابہ
کرام کا شفا حاصل کرنا اور اپنی بیماریوں اور تکلیفوں میں نبی علیہ السلام کی طرف مراجعت
کرنا اور آپ سے مدد چاہنا فوق الاسباب امور میں استعانت ہے۔

اگر سرفراز صاحب کا قاعدہ مان لیا جائے۔ تو سلمہ بن اکوع کو چاہیے تھا کہ
پنڈلی ٹوٹ جانے کے بعد وہ کسی جراح کے پاس جاتے۔ کیونکہ علاج کے لئے
طیب اور جراح وغیرہ سبب عادی ہیں۔ اور اگر انہوں نے سرفراز صاحب کا مزموم
شرک کر ہی لیا تھا تو نبی علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ آپ فرماتے میرے پاس ٹوٹی ہوئی ٹانگ
لے کر کیوں آئے ہو۔ میں تو کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ اس کا سبب عادی
ہوں۔ تم نے علاج معالجہ کے لئے مافوق الاسباب طریقہ کو اختیار کر کے شرک
کیوں کیا؟ اچھی طرح جان لو کہ میرا کام تو فقط تم تک احکام شرعیہ پہنچا دینا ہے
اور پس!

سرفراز صاحب آنکھیں کھول کر اور ہوش میں آکر جواب دیجئے کہ آپ کی
تحقیق کے مطابق یہ صحابہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ اور اگر آپ رافضیوں کی طرح صحابہ
پر بھی ہاتھ صاف کر دیں۔ تو پھر بتلائیے کہ آپ کی تحقیق کے مطابق رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم پر کیا حکم عائد ہوگا۔ جنہوں نے آپ کے اس مذموم شرک کی مذمت نہیں
کی۔ اور اگر آپ عناد فطری کی وجہ سے رسول اللہ پر بھی جرات کریں۔ تو اللہ تعالیٰ
پر کیا حکم لگائیں گے۔ جس نے رسول اللہ کو شرک کی مذمت نہ کرنے پر تنبیہ نہ

کی۔ بلکہ رسول اللہ کے دم میں شفا کا اثر رکھ کر الٹا اس شرک کی تائید کی۔

سانی کا احترام تو لازم تھا اسے صبا

ہر ہر قدم پہ لغزش بے جا نہ کیجئے

خلق اور کسب اس مقام پر یہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ یہ عرض دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ نبی کا معجزہ ہو یا دلی کی کرامت یا عام لوگوں کے افعال سب کا حقیقتہً خالق اور فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندوں کی طرف ان تمام افعال کی نسبت خواہ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ محض ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہذا افعال عادیہ اور غیر عادیہ میں خلق یا کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بایہتہً باطل ہے۔ افعال عادیہ میں بندوں کی طرف نسبت تو سرفراز صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ اب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں۔ جن میں افعال غیر عادیہ کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔

۱۔ قال الذی عندہ علم من الکتاب جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس (علم انا انیک بہ قبل ان یرتد الیک والے) نے (اس جن سے) کہا کہ اس کو طرفک۔ تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے لاکھ کھڑا کر سکتا ہوں۔ (نمل)

(ترجمہ اشرف علی تھانوی:۔ ملخصاً)

۲۔ قال انما انا رسول ربک فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ (طراکد) میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے۔ پھر اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ جامد پرندہ بن جاتا ہے۔ خدا کے حکم

لاھب لک غلاماً زکیتاً (مریم)
۳۔ انا خلق لکم من الطین کہ حیثۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً بماذن اللہ و ابری الاکبہ والاکابر ص و اوحی المکوتی

بماذن اللہ۔

سے اور میں اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے

کو اور برص (جذام) کے بیمار کو زندہ کر دیتا

ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے۔

(ال عمران)

مذکورہ بالا آیات میں افعال غیر عادیہ کا اسناد مخلوق کی طرف کیا گیا ہے اور ان تمام آیات کا ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے تاکہ غافلین کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عام افعال کی طرح معجزات اور کرامات کے ساتھ بھی دو قدریں متعلق ہوتی ہیں۔ ایک انبیاء کی اور اولیاء کی قدرت بلحاظ کسب کے اور ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت بحیثیت خلق اور ایجاد کے۔ پس نبی علیہ السلام کا دم کرنا۔ انگلی سے اشارہ کرنا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ کسب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تکلیف دور کر دینا۔ پناہ شوق کر دینا۔ سورج پلٹ دینا یہ خلق ہے۔ اور ان افعال کا اسناد نبی علیہ السلام کی طرف بلحاظ کسب ہے۔ اور اللہ عز و مجدہ کی طرف بلحاظ خلق ہے۔ اور جس طرح عوام بشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح خواص بشر اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں۔ سرفراز صاحب کا صرف امور عادیہ میں بندوں سے استعانت جائز رکھنا۔ علمی بے مائیگی اور بصیرت سے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

امام عزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

ان لہ فی نفسہ صفتہ بہا فتحر الافعال المخارقة للسعوات کما ان
لہ اصفۃ بہا فتحر الحركات المعروفة بارادتنا وباختیارنا دہی لقنۃ دان کانت القنۃ و
للمقدور جمیعاً من فعل اللہ تعالیٰ۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۱۹۰)

عہ متکلمین نے بیان فرمایا ہے کہ بندہ کا ارادہ کرنا کسب، اور اس ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا فعل پیدا فرمانا خلق کہلاتا ہے۔ یہاں جو مثالیں دی گئی ہیں وہ عوام کو سمجھانے کے

سطح ہیں ۱۲

نبی کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کے سبب وہ ایسے کام کرتا ہے جو خلاف عادت ہوتے ہیں جیسے ہم کو ایسی صفت حاصل ہے جس سے ہم اپنے ارادہ کے مطابق کام کرتے ہیں اسی کا نام قدرت ہے اور یہ قدرت اور کام دونوں حقیقتہً اللہ تعالیٰ کے اعمال ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی فتح الباری ج ۱۶ ص ۲۰ پر امام غزالی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس کی تائید فرمائی ہے۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

پہلی غلطی | ”کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادت اس کے بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے۔ اس کے جو ازیں کوئی کلام نہیں“ (تہذیب متین ص ۲۸)

ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں بس اور اختیار سے مراد کیا ہے۔ بطور حلق یا بطور کسب پہلی صورت میں یہ خود شرک ہے۔ اور دوسری صورت میں عادت کی قید لگانا باطل ہے۔ کیونکہ امور غیر عادیہ بھی بحیثیت کسب بس اور اختیار میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام غزالی کی تصریح اور ابن حجر کی تائید سے ظاہر ہو گیا۔ پھر اس میں استعانت کیونکہ ناجائز ہوگی جب کہ ان امور غیر عادیہ میں بھی استعانت دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔

سورہ نمل میں اللہ تعالیٰ سلیمان علیہ السلام کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

قال يا هاهنا الملائكة يا ايمنى بعشرها قبل ان ياتوني مسلمين قال عفريت من الجنة انا اتيك به قبل ان تقوم

من مقامك واتي عليه لقوي
امين قال الذي عنده علم
من الكتاب انا اتيك به قبل
ان يرتد اليك طرفك۔

(سورہ نمل)

کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں۔ ایک قوی
ہیکل جن نے کہا آپ کے مجلس سے اُٹھنے
سے پہلے میں اسے حاضر کر سکتا ہوں اور میں
اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانتدار بھی ہوں
اور جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا
کہ میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے
حاضر کر سکتا ہوں۔

تخت کو آئین واحد میں مسافت کثیرہ سے منتقل کر دینا ایک ایسا خلاف عادت کام تھا کہ قوی ہیکل جن بھی باوجود بے پناہ طاقت کے اس پر قادر نہ تھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی خلاف عادت کام کو اہل دربار سے طلب کیا۔ سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کرنا شرک ہے۔ تو اب فرمائیے کہ آپ کے اس فتویٰ کی براہ راست زرد حضرت سلیمان علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑتی ہے یا نہیں۔ بتلائیے قرونِ ثلاثہ میں بھی کیا انبیاء علیہ السلام کو معاذ اللہ مشرک قرار دیا جاتا تھا۔ یا یہ خانہ ساز بدعت صرف دیوبند کی اختراع ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ علماء حق کو ابنا بدعت کی دشنام پر صبر کر لینا چاہیئے۔ جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی (معاذ اللہ) مشرک بنانے سے نہیں چوکتے۔ وہ اگر علماء حق کو مشرک وغیرہ کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

نوٹ: یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کا خدام سے اس امر کو طلب کرنا ان کی شان میں کمی کا موجب ہے۔ کیونکہ خدام سے کوئی خدمت لینا انہیں خدمت کا موقع دینا اور انہیں شرف خدمت عطا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہے کئی!
منت ازو شناس کہ خدمت گذاشت

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا من انصاری الی اللہ میرا مددگار کون ہے۔ ثانیاً اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جن کے خدام کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ عالم ہے تو ان کے آقا کی شان کا کیا عالم ہوگا۔ ثالثاً اس میں یہ اشارہ ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استعانت جائز ہے۔ ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام اہل دربار سے کیوں فرماتے کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے تخت حاضر کر دو جب کہ پلک بھینکنے سے پہلے اتنے بڑے بھاری تخت کو مسافت بعیدہ سے لے آنا انسان کی عادت تو درکنار قوی ہیکل جن کے بس میں بھی نہ تھی۔ رابعاً اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختص نہیں بلکہ کرم الہی سے یہ تصرفات اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔

اب ہم آپ کے سامنے شرح عقائد نسفی سے علامہ نسفی اور علامہ نقارانی کی عبارات پیش کرتے ہیں۔ جو اس مقصد پر واضح ثبوت ہے کہ تخت بلقیس کو آن واحد میں لے آنا مافوق الاسباب امور سے ہے۔

دکرامات الاولیاء حق فیظہر
الکرامۃ علی طریق نقض العادۃ
للولی من قطع المسافة البعیدۃ
فی المدة القلیلة۔

اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں پس ولی کی کرامت خلاف عادت مافوق الاسباب طریق سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مسافت بعیدہ کو مدت تلیلہ میں طے کرے۔

اس کی شرح میں علامہ نقارانی فرماتے ہیں۔

کاتیان صاحب سلیمان علیہ السلام
دھواصف بن برخیا علی الاشہر
بعرش بلقیس قبل ارتداد الطرف
مع بعد المسافة۔

مثلاً صاحب سلیمان علیہ السلام برخیا کا تخت بلقیس کو پلک بھینکنے سے پہلے مسافت بعیدہ سے لے آنا۔ (قول مشہور یہی ہے)

(شرح عقائد نسفی ص ۲۲۶)

بعید نہیں کہ دیوبندیوں کو یہ شبہ لاحق ہو کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف مذکور تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ پس ہمارے لئے یہ کس طرح حجت ہوگا۔ جواباً عرض ہے کہ شرائع سابقہ کے جن واقعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم بغیر انکار کے بیان فرمائیں۔ وہ حقیقت میں ہماری ہی شریعت ہے۔ اور اس کے حجت ہونے میں رتی برابر بھی شبہ نہیں۔ دیکھئے مولانا عبدالعلیم صاحب کھنوی فرماتے ہیں:

ان ہنہ الشرائع انما تلزمنا
اذا قصھا اللہ ورسولہ من غیر
انکار کقولہ تعالیٰ وکتبتا علیہم
ای علی الیہود فی التورۃ ان النفس
بالنفس الخ۔

شرائع سابقہ ہمیں اس وقت لازم ہو جاتی ہیں جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بغیر انکار کے بیان فرمائے۔ جس طرح وجوب قصاص کا حکم قرآن کی آیت کریمہ ان النفس بالنفس سے ثابت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے

تورات میں نازل کیا تھا۔ اور پھر اس کا بیان قرآن کریم میں فرمایا۔ پس یہ حکم ہم پر لازم ہو گیا۔ (قرآنیات علی ہاش نور الانوار ص ۶)

اسی طرح امور مافوق الاسباب میں تصرف کا یہ واقعہ اگرچہ دور سلیمان علیہ السلام کا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا بغیر انکار کے قصہ بیان فرمایا۔ تو یہ شرعی حجت قرار پایا۔ اور علماء متکلمین نے اس آیت سے کرامات اولیاء پر استدلال کیا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ نے اسرائیلی اولیاء کو مافوق الاسباب امور پر قدرت عطا کی ہے۔ تو اس امت کے اولیاء کو یہ اعزاز کیوں نہ حاصل ہوگا۔ جس کے سر پر اللہ تعالیٰ نے کنتہ خیرامۃ کا تاج رکھا ہے۔ اور اسے جعلنا امۃ وسطاً کی دت ویز عطا فرمائی ہے۔

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب مافوق الاسباب امور میں استعانت شرک ہے تو انبیاء کرام اس شرک کو کیوں کرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بلا انکار اس کا ذکر کیوں کیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس شرک پر

مواخذہ کیوں نہیں ہوا۔ اور وہ قرآن جو الحمد سے لے کر والناس تک شرک کی تردید میں نازل ہوا۔ وہ اس شرک کی کیوں تائید کر رہا ہے۔ اور اب آپ خدا نے تم پر کیا فتویٰ لگائیں گے۔ جو آپ کے نزدیک اس خالص شرک کی تائید کر رہا ہے۔

یہ تو مافوق الاسباب امور میں زندوں سے استدعا تھی۔ آئیے اب مافوق الاسباب امور میں ان سے استدعا پیش کریں۔ جنہیں سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھتے۔ مافوق الاسباب امور میں استعانت کا حدیث سے ثبوت۔

ملاحظہ کیجئے:

وعن ابی الجوزاء قال قحط
اهل المدينة تحطاً شديداً
فشكوا الى عائشة رضي الله تعالى
عنها فقالت انظروا قبل النبي صلى
الله عليه وسلم فاجعلوا كوى الى
السماء حتى لا يكون بينة بين
السماء سقوف ففعلوا فمطر مطراً
حتى نبت العشب وسمنت
الابل حتى تفقت من الشحم
فسمى عام الفتح۔

(مشکوٰۃ ص ۵۴۵)

اس حدیث کو دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے ص ۳۰۲ پر مذکور کیا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ

لوگ بارش کی شکایت لے کر کیوں گئے۔ براہ راست خدا سے دعا کیوں نہ مانگی۔ اور اگر انہوں نے یہ شرک کر ہی لیا تھا تو پھر ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چاہیئے تھا کہ انہیں نماز استسقاء پڑھنے کا حکم دیتیں۔ جو طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھا۔ قبر انور کو آسمان کے بالمقابل کرنے کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین تھا کہ اگر قبر انور آسمان کے بالمقابل ہو جائے تو اس وقت بارش ہوگی۔ ورنہ نہیں ہوگی اور اگر ام المؤمنین نے دیوبندیوں کے اس خود ساختہ شرک کا حکم دے ہی دیا تھا تو جنہیں حکم دیا تھا تو وہ بھی صحابہ اور تابعین تھے۔ انہوں نے اس گمراہی پر ام المؤمنین کی (العیاذ باللہ) اصلاح کیوں نہ کی۔

ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس اتر کو یعنی یا امر مافوق الاسباب میں نبی علیہ السلام کی قبر سے استعانت کی ہے۔ اور آپ امور تکوینیہ اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہتے ہیں۔ پھر آپ کا ام المؤمنین کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ جنہوں نے بارش ہونے نہ ہونے کا مدار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو اعتقاد کر لیا تھا۔

معلوم ہوا کہ خیر القرون میں مافوق الاسباب امور میں استعانت کو جائز سمجھا جاتا تھا اور یہی انبیاء علیہم السلام اور صلحاء عظام کا طریقہ ہے۔

مافوق الاسباب امور اور علامہ شامی علامہ شامی رحمہ اللہ مذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت بیان کرتے

ہوئے ان اولیاء اللہ کی مختصر سوانح نقل کرتے ہیں۔ جنہوں نے مذہب ابی حنیفہ اختیار کیا۔ چنانچہ حضرت معروف کرخی کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من المشائخ الکبار بحال الدعوة
يستسقى بقبرة مات سنة ۲۲۵۔
حضرت معروف کرخی عظیم مشائخ میں سے
تھے۔ مستجاب الدعوات تھے اور ان کی قبر

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۴) صدی ہجری میں وفات پائی۔
سے بارش طلب کی جاتی تھی اور انہوں نے دو

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک مذہب حنفی کی عظمت و جلال کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس مذہب کے پیروکار مزاج خلعت تھے۔ زندگی میں ان کی شخصیات تو الگ رہیں۔ وصال کے بعد بھی لوگ ان کی قبور سے مدد طلب کرتے تھے۔ اہلسنت کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے دیدہ عبرت سے اس عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ قبر کے نزدیک دعا مانگنے سے بارش کا حاصل ہو جانا سبب عادی ہے یا غیر عادی؟ اگر سبب عادی ہے تو ہر قبر کے پاس دعا مانگنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی۔ اور حضرت معروف کرخ کے پاس دعا مانگنے سے بارش کے حصول میں ان کی کیا خصوصیت باقی رہی۔ اور علامہ شامی کا اسے ان کے فضائل میں ذکر کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔ جس طرح آگ حرارت کے لئے سبب عادی ہے۔ اور ہر آگ سے حرارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر قبر کے پاس دعا کرنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ سبب عادی نہیں تو پھر قاعدہ ٹوٹ گیا۔ اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز ہے۔ نیز اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اپنی حاجات اور مشکلات میں قبر پر جا کر دعا مانگنا اور صاحب قبر کو وسیلہ بنانا یہ عہد صحابہ تابعین اور اتباع ابی حنیفہ کے معمولات ہیں۔ یا یہود ہویں صدی کی بدعت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بدعت ہے تو وہ مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب امور میں جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرنا ہے۔ تصرفات اولیاء اللہ کا انکار بدعت ہے۔ کمالات انبیاء سے بغض بدعت ہے۔ اسباب شرک میں افراد زمان اور مکان کا فرق کرنا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کا عقیدہ رکھنا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل تنقیص دیوبندی اور اسماعیل دہلوی کے فرزندوں کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔

دوسری غلطی سرفراز صاحب نے شرک کی تعریف میں زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی دو قیدیں اور بھی لگائیں ہیں۔ اور ان قیود کا قائدہ وہ خود اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ قاعدہ بتی بقوہ۔ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء، اولیاء، شہداء، عظیم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے۔ جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور شریعت حقہ اس کے لئے وقف ہے۔ اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا مافوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا۔ اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے۔ اہل علم کی شان نہیں ہے“ (تنقید متین ص ۲۹)

سرفراز صاحب کی یہ عبارت کئی وجہ سے غلط ہے۔ اولاً یہ کہ اعیانہ سے جو خاص استعانت ثابت ہے۔ اس کے بارے میں کہنا کہ اس سے مطلق استعانت ثابت نہیں ہوتی۔ ان کے اہل علم کا اظہار کر رہا ہے۔ اہل علم پر غفلت نہیں کہ مطلق الشیء یتحقق بتحقق فرد مار پس مطلق استعانت کے ایک فرد کے تحقق سے متحقق ہو جائے گی۔

ثانیاً یہ کہ سرفراز صاحب نے زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استعانت کو جائز قرار دیا اور میت، بعید اور مافوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ امور ماتحت الاسباب میں استعانت مطلقاً جائز ہے یا اس حیثیت سے کہ جس سے مدد حاصل کرے اس کے غیر مستقل ہونے کا اعتقاد رکھے۔ پہلی صورت میں لازم آئے گا۔ کہ اگر کوئی شخص امور ماتحت الاسباب میں مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر اس سے استعانت کرتے تو یہ بھی جائز قرار

پائے۔ حالانکہ اس کے شرک ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری صورت میں یعنی اگر امور ماتحت الاسباب میں مستعان کو غیر مستقل سمجھ کر مدد حاصل کرے۔ تو ثابت ہوا کہ جواز اور عدم جواز کا مدار مستعان کو مستقل بالذات سمجھنے پر ہے۔ نہ کہ محض امور ماتحت الاسباب پر۔ کیونکہ وہ تو پہلی صورت میں بھی موجود ہے۔ اور شرک سے اجتناب نہیں۔ پس پھر اللہ ثابت ہو گیا کہ شرک تب ہو گا کہ مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر استعانت کی جائے۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ قریب ہو یا بعید اور ماتحت الاسباب امور میں استعانت ہو یا مافوق الاسباب امور میں۔ ورنہ سرفراز صاحب نے جو شرک اور عدم شرک کی بنیاد قائم کی ہے۔ کہ زندہ سے استعانت کی جائے تو جائز اور مردہ سے استمداد کی جائے تو شرک قریب سے کی جائے تو جائز بعید سے کی جائے تو شرک اس سے لازم آئے گا کہ زندہ کو سجدہ کر دے تو جائز مردہ کو سجدہ کرے تو شرک۔ زندہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز مردہ کے نام پر ذبح کرے تو شرک۔ زندہ کو خدا کہے تو جائز، اور مردہ کو خدا کہے تو ناجائز۔ اور قریب کے لیے نماز پڑھے تو جائز، بعید کے لئے پڑھے تو شرک (دلائل و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم) ان نادانوں کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ شرک کس کو کہتے ہیں۔ اور ان کی خود ساختہ توحید درحقیقت انہیں کس طرح شرک کی دلائل میں پھنسا دیتی ہے۔ کہ انہوں نے میت اور بعید سے استعانت کو شرک کہہ کر کر پڑوں زندہ اور قریب افراد کو خدا کا شریک بنا دیا اور یہ تمام ٹھوکریں سرفراز صاحب کا مقدر اس لئے بن گئیں کہ انہوں نے شرک کا خود ساختہ معنی مقرر کیا۔ اور متقدمین کی تعریف کو اختیار نہ کیا۔ دیکھئے علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

الاشراک ہوا ثبات الشریک
فی اللوہیۃ، بمعنی وجوب
الوجود کما للہ جس او بمعنی
اشراک جس کی طرح کسی کو الوہیت میں
بمعنی وجوب وجود کے شریک کرنا ہے
یعنی خدا کو کسی کے سوا الہ اور واجب الوجود

استحقاق العبادۃ کما للعبۃ
الاصنام۔
اعتقاد کیا جائے یا بت پرستوں کی طرح
کسی کو مستحق عبادت سمجھا جائے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۵۶)

حقیقت یہ ہے کہ جو امر شرک ہو اس میں زمان و مکان اور افراد وغیرہ کی تخصیص نہیں ہوا کرتی۔ جو چیز شرک ہو وہ ہر شخص کے لئے شرک ہوگی، ہر جگہ شرک ہوگی، ہر وقت شرک ہوگی۔ مثلاً سجدہ عبودیت شرک ہے۔ پس جس جگہ جس وقت اور جس شخص کے لئے بھی سجدہ عبودیت کیا جائے وہ شرک ہو گا۔ یہ نہیں کہ کوئی چیز پہلے زمانہ میں شرک نہ ہو۔ اور اب شرک ہو جائے۔ یا زید کو عبودیت کا سجدہ کریں تو شرک ہو۔ اور عمر کو کریں تو نہ ہو۔ پس زندہ سے استعانت کا جائز ہونا اور مردہ سے استعانت کا شرک ہونا ایک ایسی ایسی منطق ہے جس کو کوئی دیندار اور ہوشمند شخص قبول نہیں کر سکتا۔

دراصل سرفراز صاحب نے یہ سبق اکابر دیوبند سے سیکھا ہے۔ چنانچہ خلیل احمد ایٹھوی لکھتے ہیں:

”علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض
قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے
شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے۔ فخر عالم
کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے۔ کہ جس سے تمام نصوص کو رد
کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے“ (براین قاطعہ ص ۵۱)

سوال یہ ہے کہ جب علم محیط زمین غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے۔ پھر بھی شرک ہے اور ابلیس اور ملک الموت کے لئے ثابت کیا جائے پھر بھی شرک ہے۔ یہ کونسا قاعدہ ہے کہ جو چیز شرک ہو اس کا ابلیس کے لئے ثبوت جائز ہو اور حضور علیہ السلام کے لئے ناجائز اور شرک۔ کیا ان کے زعم فاسد میں ابلیس کو خدا کا شریک ماننا جائز

ہے۔ اور حضور علیہ السلام کو ناجائز اینٹھوی نے تو جہاں اپنا ٹھکانا بنانا تھا۔ بنا چکے۔ اب سرفراز صاحب ہی اس معنی کو حل کر دیں۔ بلکہ اینٹھوی کے تمام اذئاب اور سرفراز صاحب کے تمام اعوان و انصار مل کر ہی یہ پُرانا قرض چکا دیں۔ نصف صدی سے زیادہ بیت چکی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ نے یہ اعتراض اینٹھوی پر قائم کیا تھا۔ اور آج تک ذریت دیوبند اس کا جواب نہ دے سکی۔

اب ہم شرک کی اس تعریف کو جو سرفراز صاحب کے معتمد علیہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں ذکر کی ہے۔ نقل کرتے ہیں۔ جس کو سرفراز صاحب نے بڑے زور سے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

والشوک ان ینتہ لغیر اللہ شرک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی صفات مختصہ
سیخذه و تعالیٰ شیئاً من صفاته میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے
المختصہ بہ۔ (الفوز الکبیر) ثابت کی جائے۔

اور خاصہ کہتے ہیں کہ ما یوجد فیہ دلایوجد فی غیرہ یعنی جو صفت جس کا خاصہ ہو اس میں پائی جائے۔ اور اس کے غیر میں نہ پائی جائے۔ اب غور فرمائیے۔ سرفراز صاحب کہتے ہیں۔ مردہ سے استعانت شرک۔ بعید سے استعانت شرک۔ اور مردہ اور بعید سے استعانت شرک تب ہوگی۔ جب کہ یہ خدا کی صفت مختصہ ہو۔ پس سرفراز صاحب کے عقیدہ فاسدہ پر لازم آیا کہ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ مردہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هو الحی المقیم اور معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ بعید ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ونحن اقرب الیہ من جبل الومرید شارح عقائد اور صاحب الفوز الکبیر کی عبارات سے بات ظاہر ہوگئی کہ شرک کا مدار تین باتوں پر ہے۔ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود سمجھا جائے۔ یا اس کے مستحق عبادت ہونے کا اعتقاد رکھے۔ یا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ مثلاً علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ میں سے کوئی صفت غیر کے لئے ثابت کرے۔ اور چونکہ یہ

اہم نکات سرفراز صاحب کی نگاہ سے اوجھل رہے۔ اسی لئے انہوں نے اس باب میں بے سرو پا باتیں کیں۔ مثلاً اسی بحث میں لکھتے ہیں کہ:

”جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے۔ مگر اس کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان کو عون الہی اور مداد الہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے۔ اور یہی شرک کی حقیقت ہے۔ کیونکہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا۔ بایں طور کہ اس کو واجب الوجود تسلیم کیا ہو۔ اور قدرت و طاقت بالاعتقاد منیع اس کو یقین کر لیا ہو۔ بلکہ مشرکین عطائی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے“ (تفہیم ص ۳۲)

سرفراز صاحب کی یہ عبارت کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا۔ حالانکہ ہم ابھی شرح عقائد سے نقل کر چکے ہیں۔

الاشراک هو اثبات الشریک فی الالوہیۃ بمعنی وجوب الوجود
کمالہم جو س الخ اس عبارت کا صریح مطلب یہ ہے کہ مجوس دو واجب الوجود مانتے تھے۔ چنانچہ اس کی شرح میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

فانہم یعقدون النہین ینردان مجوسوں کا اعتقاد تھا کہ دو خدا ہیں ایک ینردان
خالق الخیر و اھد من خالق جو خالق خیر ہے اور ایک اہرمن جو خالق شر
الشو۔ ہے۔ (نیراس ص ۲۶۵)

ان کے علاوہ ستارہ پرستوں کی ایک جماعت بھی تاروں کے واجب الوجود ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ دیکھئے تفسیر کبیر میں وجعلوا اللہ شرکاء الجن کی تفسیر میں امام رازی تحریر فرماتے ہیں:

من المشرکین الذین یقولون بعض مشرکین میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں

مدبر هذا العالم هو الكواكب
دهؤلاء فريقان منهم يقولون انها
واجبة الوجود لذاتها الخ
کہ اس عالم کے مدبر کو کب ہیں پھر ان کے
دو فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہیں جو
کہتے ہیں یہ کواکب واجب الوجود ہیں۔

ثانیاً اس لئے کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے عطائی اختیارات مان
کہ استعانت کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔ اور چند سطر بعد الفوز الکبیر سے شرک
کی تعریف اس طرح نقل کی۔ والشرك ان يثبت لغير الله سبحانه وتعالى
شيئاً من صفاته المختصة یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کسی ایک
صفت کو بھی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

پس اس تعریف کے مطابق عطائی اختیارات والے سے استعانت تب
شرک ہوگی۔ جب عطائی اختیارات ثابت ہوئے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
کو اختیارات عطا کرنے والا کون ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے اہل دیوبند کی توحید
بحسب ثابت کرنے کے لئے وہ تمام مسلمانوں کو مشرک بنا تے پھرتے ہیں۔
ثالثاً یہ کہ مشرکین کی استعانت اس وجہ سے شرک نہیں تھی کہ وہ عطائی اختیار
والوں سے استعانت کرتے تھے حتیٰ کہ سرفراز صاحب کے ناپاک اعتقاد کی گنجائش
نکل سکے۔ بلکہ اس کی استعانت اس لئے شرک تھی۔ کہ وہ مستعان کو باوجود غیر مستحق
اور ممکن ماننے کے مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ابھی شرح عقائد سے گذرا۔
ادب معنی استحقاق العبادۃ کما للعبدة الاصنام۔ اور مشرکین اپنے بتوں کو
مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے قول
کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وما نعبد الا ليقربونا الى
الله زلفی -
ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے
کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔

سرفراز صاحب صدر الافاضل رحمہ اللہ پر تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”ساتھ ہی ساتھ بعض عبارتوں میں مولوی صاحب کے ذہن

کی عدم صفائی اور ناہمواری بھی آشکارا ہو جاتی ہے اور یوں محسوس
ہوتا ہے کہ نشہ میں سرشار کوئی لنگ ہے جو بے تکیاں ہانک رہا ہے:-

(تقدیر حقین ص ۹۳)

اس لئے ضروری ہے کہ سرفراز صاحب کو آئینہ دکھایا جائے تاکہ انہیں پتہ
چل جائے کہ نشہ میں دھت ہو کر کھنے کون بیٹھا ہے۔
ہم اگر بات کریں گے تو شکایت ہوگی

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے واقعی نشہ کی حالت میں کتاب لکھی ہے۔ اس
لئے ان کا ادارہ قلم اس باب میں بار بار بہکا ہے۔ پہلے تو امور مافوق الاسباب
میں استعانت کو شرک قرار دیا۔ پھر مطلقاً عون الہی کے مظہر ہونے کو شرک کہا۔
آگے چل کر عطائی اختیارات سے استعانت کو بھی شرک بنا ڈالا۔ چلتے چھٹی ہوئی۔
اب مافوق الاسباب ہوں یا ماتحت الاسباب۔ مستعان زندہ ہوں یا مردہ۔
قریب ہوں یا بعید جن کے لئے بھی عطائی اختیارات مانے جائیں شرک لازم آئے
گا۔ اور ذاتی اختیار مان کر غیر اللہ سے استعانت کی جائے۔ تو مولوی سرفراز صاحب
کی تعریف کے مطابق شرک نہ ہوگا۔ خواہ مخلوق کی خالق پر برتری ثابت ہو جائے
غور فرمائیے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب رحمہ اللہ کے علم و فضل پر طعن
کرنے والے کس قدر علمی بے مائیگی کا شکار ہیں۔

صاحب المبدأ منہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی

شرک کی بحث میں سرفراز صاحب نے ملا بد منہ ص ۱۱ سے ایک عبارت
نقل کی ہے۔ ”الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اثرًا فوق ما دهبه الله
من الاسباب الظاهرة وان لشيء من الاشياء سلطاناً عما خرج
عن قدرة المخلوقين۔“

اور اس عبارت کو ظاہری ترجمہ سے یہ تاثر دینے کی سعی مذموم کی ہے۔ کہ امور

ما فوق الاسباب میں استعانت شرک ہے۔ اول تو عبارت میں سرے سے کہیں استعانت کا ذکر نہیں۔ سرفراز صاحب نے بددیانتی سے کام لے کر محض اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کے لئے اس عبارت میں استعانت کو زبردستی ٹھونسے کی کوشش کی ہے۔

ثانیاً یہ کہ اس عبارت کا مطلب محض یہ ہے کہ مخلوق کے لئے قدرت بحیثیت کسب ثابت ہے۔ اور قدرت بحیثیت خلق ثابت نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے کسی فرد کو اسباب ظاہرہ یعنی اسباب اور آلات کسب سے زیادہ اثر نہیں دیا۔ اور کسب کے بعد اثر کا مرتبہ خلق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ پس مخلوق کے کسی فرد کی قدرت کسب اور اس کے اسباب ظاہرہ سے متجاوز نہیں اور کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ دونوں کے ساتھ ہے۔ عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔

ثالثاً یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے جو سرفراز صاحب نے سمجھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو قدرت صرف امور عادیہ میں ہوتی ہے۔ تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئے گا۔ حالانکہ معجزات کو معتزلہ بھی مانتے ہیں۔ اور ایسے بدترین عقیدہ کی نسبت صاحب مالا بد متہ کی طرف کرتا انصاف نہیں ہے۔

سرفراز صاحب کی زیر نظر عبارت میں تیسری بحث یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ وہ املا نہیں۔ جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے انبیاء و شہداء اور اولیاء کی حیات کا بلا کسی قید کے انکار کر دیا۔ چلئے قصہ ہی ختم ہوا۔

دیوبندی بدعت خوارج اور معتزلہ کی فریب

ہماری تحقیق کے مطابق فقہ دیوبندیہ حقیقت میں معتزلہ اور خوارج سے مانو ہے۔ چنانچہ خوارج کے بارے میں علامہ شامی متوفی ۱۲۵۴ھ فرماتے ہیں:

هذا غير شرطي في مسامي الخوارج بل هو بيان لمن خرجوا على سيدنا علي رضي الله عنه ولا نيكفي فيهم اعتقادهم كفر من خرجوا عليه كما وقع في زماننا في اتباع محمد بن عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد تغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة لكن اعتقادهم انهم المسلمون وان من خالفوا اعتقادهم

یعنی خوارج کے مصداق کے لئے تکفیر صحابہ شرط نہیں ہے۔ بلکہ یہ قید بیان واقعہ کے لئے ہے کہ انہوں نے حضرت علی پر خروج کیا اور ان کے خوارج ہونے کے لئے ان کا اس شخص کے بارے میں کفر کا اعتقاد کافی ہے جس پر یہ خروج کریں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں اتباع محمد بن عبد الوهاب ہیں جو نجد سے نکل کر حرمین پر قابض ہو گئے۔ اپنے آپ کو حنبلی بتاتے ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی سلمان ہیں جو اعتقاد میں ان کا مخالف ہو وہ شرک ہے۔

مشکوٰۃ کون۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۲۷۷)

آپ دیکھ لیں کہ وہابیہ کو علامہ شامی نے خوارج قرار دیا اور وہابیہ کی کم و بیش تمام بدعات اہل دیوبند میں پائی جاتی ہیں۔

سو اس کے کہ وہ اپنے آپ کو حنبلی کہتے تھے اور یہ اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ دیکھئے دیوبندیوں کے قطب عالم رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں:

”محمد بن عبد الوهاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا نہ ہے کہ مذہب حنبلی رکھتا تھا۔ اور عامل بالحدیث تھا“

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۷۷)

نیز لکھتے ہیں:

”اس وقت ان اطراف میں دیباہی متبع سنت اور دیندار کو کہتے

ہیں“ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۱)

اور معتزلہ حیات الاموات کی نفی کر کے عذاب قبر وغیرہ مسائل کا انکار کرتے ہیں۔ اس طرح دیباہیہ حیات انبیاء و اولیاء کی نفی کر کے استمداد وغیرہ کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھئے علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

وانکر عذاب القبر بعض المعتزلة
والردا فاض لان المیت جہاد لا
حیوة له۔ بعض معتزلہ اور روافض عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں میت جہاد کی طرح ہے اور اس میں اصلاً زندگی

(شرح عقائد نفی ص ۷۲) نہیں ہوتی۔

ہمارا موضوع سخن اس وقت عام اموات کی حیات نہیں ہے۔ اس لئے ہم انبیاء، اولیاء اور شہداء کی حیات پر گفتگو کرتے ہیں۔ جس کا سرفراز صاحب نے مطلقاً انکار کر کے اپنی جان اور ایمان پر ظلم عظیم کیا ہے۔

حیات انبیاء و دنیاوی اور جسمانی ہے

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ شہداء کے حق میں فرماتا ہے:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ
اموات بل احياء ولكن لا تشعرون
شہداء کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔

اس کی تفسیر میں شیخ صاوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

ای حیوة اخروية بالجسم و الروح لیست بحیوة اهل الدنيا لا یشاہدھا الا اهل الاخر من خصہ اللہ بالاطلاع علیہا و هذا یعنی حیات اخروی جسم اور روح کے ساتھ ہے اور اس کا مشاہدہ صرف اہل آخرت کرتے ہیں یا جنہیں اللہ تعالیٰ اس پر اطلاع کے ساتھ خاص کرے اور یہی تحقیق ہے

هو التحقیق خلافا لمن قال
انہم احياء بالروح فقط لانہ
بان کل انسان حتی الروح مسلماً
کان اذ کا خال عدم فناء الروح ولا
مزیة للشہید علی غیرہ
وهذه الحیوة حقیقہ وانما
خروجہ انتقال من دار
الی اخری وہی مزیة من
مذايا الانبیاء فلا یقال
انہم سادہو۔

بخلاف اس شخص کے جس نے فقط ان کی حیات روحانی کا قول کیا۔ کیونکہ یہ قول اس لئے مردود ہے کہ ہر انسان خواہ مومن ہو یا کافر روحانی طور پر زندہ ہوتا ہے اس لئے کہ روح پرزنا نہیں ہے اور پھر اس میں شہید کی اپنے غیر پر فضیلت نہیں رہے گی۔ اور یہ حیات حقیقی ہوتی ہے اور روح کا خروج حقیقت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بے شمار فضیلتوں میں سے ایک فضیلت ہے۔ پس یہ نہ کہا جائے کہ انبیائے کرام کے ساتھ شہداء کی مساوات لازم آجائے گی۔

شیخ صاوی کے علاوہ علامہ ابو مسعود کرخ صاحب جمل اور بے شمار عقیدین علماء اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ شہداء کی حیات جسمانی ہوتی ہے۔ اور سب کو چھوڑیئے حیل احمد دیوبندی لکھتے ہیں:

”ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آخر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ یہ حیات برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو“

(عقائد علماء دیوبند ص ۱۶)

شہید کے زندہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی موت فی سبیل اللہ ہے۔ اب غور کیجئے کہ جس کی صرف موت فی سبیل اللہ ہے جب وہ زندہ ہے تو جس کی موت

اور حیات سب کچھ فی سبیل اللہ ہو وہ کیونکر زندہ نہ ہو گا۔ اور نبی کا مقام یہ ہوتا ہے کہ اس کی موت اور حیات سب کچھ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نبی کی حیات شہید سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں حدیث شریف میں ہے حضورؐ نے فرمایا:

ان الله حرم على الارض ان
تاكل اجساد الانبياء فنبى
الله حتى يرمق۔
اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۱)

اس کی تشریح میں ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں:

فیه اشارة ان العرض على مجموع
الروح والجسد متھو۔
یعنی اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی علیہ السلام پر بعد وصال کے درود شریف روح اور جسد کے مجموعہ پر پیش کیا جاتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں وصح الانبياء احياء في قبورهم يصلون یہ حدیث صحیح ہے کہ انبیاء اپنی قبور میں زندہ ہیں۔ اور وہ نماز ادا فرماتے ہیں۔ اور اسی حدیث کو شرح الصدور میں امام سیوطی نے بیہقی اور ابویعلیٰ کے حوالہ سے نقل کیا۔ نیز مسلم شریف میں ہے:

عن انس ان النبي صلى الله
عليه وسلم ليلة اسوي به
مر بهنسي صلوة الله عليه وهو
قائم يصل في قبوره۔
حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام لیلۃ المعراج کو حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے درآسما لیکر وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث کو ملا علی قاری نے مرقات میں اسی مقام پر ذکر کیا ہے اور علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں ص ۸، پر پھر وہ طرق کثیرہ ذکر کئے۔ جن سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "راشعة المعات" اور "جذب القلوب" میں انبیاء کی جسمانی حیات پر کافی

طویل بحث کی ہے۔ جسے ہم نے طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔

باقی رہی حیات اولیاء، تو اس کے بارے میں سرفراز صاحب حیات اولیاء کے لئے دیوبند کی شہادت سے یہ کہنا کافی ہے کہ جب

عام انسانوں کو قبر میں برزخی حیات حاصل ہے۔ تو اولیاء اللہ کو اعلیٰ اور ارفع درجہ کی حیات حاصل ہوگی۔ امام غزالیؒ رازی اور ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں:

اولیاء الله لا يموتون ولكن
ينتقلون من دار الى دار۔
اولیاء اللہ مرتے نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵، ایضاً مرقات ج ۳ ص ۲۴۱)

بہر حال حق یہ ہے کہ اہل سنت کا اولیاء اللہ کی برزخی حیات پر اتفاق ہے۔ اگر سرفراز صاحب اس کا انکار کر کے کسی اور فرقے میں اپنی جگہ بنائیں۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ انبیاء، شہداء اور اولیاء کی حیات پر یہاں اختصار کے پیش نظر اجمالی کلام کیا گیا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ العزیز حاضر و ناظر کے باب میں کی جائے گی۔ سرفراز صاحب کی مذکورہ بالا عبارت پر اباحت ثلاثہ کے بعد ہم پھر اصل مسئلہ یعنی استمداد اور استغاثہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فتقول باللہ التوفیق۔

استمداد کا ثبوت احادیث سے | حدیث شریف میں ہے:

وعن ربيعة بن كعب قال
كنت ابيت مع رسول الله صلى
الله عليه وسلم فالتفته بوضوءه
وحاجته فقال لي سل فقلت
اسئلك مرا فقلت في الجنة
قال او غير ذلك قلت هو ذلك
قال فاعتنى على نفسك بكثرة
حضرت ربیعہ بن کعب بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک رات گزاری پس میں آپ کے وضو کے لئے پانی اور دیگر ضروریات کو لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مانگ۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں آپ نے فرمایا اس سوال اور کچھ میں نے عرض کیا میرا دعا یہی ہے۔

السجود -

آپ نے فرمایا اچھا تم کثرت سجد سے میری مدد کرو
(یعنی کثرت سے نمازیں پڑھو تاکہ تم جنت میں

(مشکوٰۃ ص ۱۸۴) میری رفاقت کے اہل ہو سکو

اس حدیث کی تشریح میں شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

”از اطلاق سوال کہ فرمود سل۔ نخواستہ و تخصیص نکرو بمطلوب خاص معلوم
میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ
خواہد ہر کار خواہد باذن پروردگار خود بدہد“

حضور نے مطلقاً فرمایا مانگو اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا۔ اس سے
معلوم ہوا کہ تمام چیزیں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ جسے چاہیں جو چاہیں اللہ عزوجل
کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ ملا علی قاری مرقات میں اسی مقام پر ابن حجر کی عبارت
نقل کرتے ہیں۔ و یؤخذ من اطلاقہ علیہ السلام الامر بالسؤال
ان الله مکنه من اعطاء کل ما اراد من خیر الحق نبی علیہ السلام نے سوال کرنے
کے امر کو جو مطلق رکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خزانہ
حق سے ہر اس چیز کے عطا کرنے پر قادر کر دیا۔ جس کا آپ ارادہ فرمائیں۔
اس کے بعد ابن سبع کی عبارت نقل فرماتے ہیں:

ان الله تعالى اقطعہ ارض
الجنة يعطی منها ما یشاء
فرائی ہے کہ اس زمین سے جس کے لئے چاہیں
جتنی مقدار چاہیں عطا فرمائیں۔

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اذن الہی سے جو چاہیں جسے چاہیں
عطا فرمائیں۔ نخواستہ عطا را امور عادیہ سے ہو یا غیر عادیہ سے۔ انکلیوں سے چستے
جاری کر کے کثیر التعداد صحابہ کو سیراب کر دینا۔ سلمۃ بن اکوع کی شکستہ پٹلی کو دم فرما
کر درست کر دینا۔ مافوق الاسباب العادیہ کے طور پر امداد کے چمکتے ہوئے
ایسے دلائل ہیں۔ جن کی تاباکیوں سے آج تک اہل تنقیص کی آنکھیں چندھیار ہی

ہیں۔ پھر ربیعہ بن کعب کو سل (مانگو کیا مانگتے ہو) فرما کر آپ نے اپنی ذات سے حاجت روائی
کا جواز ہی بیان نہیں کیا۔ بلکہ امر فرمایا ہے۔ دیکھئے ملا علی قاری رحمہ اللہ سل کی تفسیر کرتے
ہیں۔ ای اطلب منی حاجۃ یعنی مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ اور سوال کو
مطلق رکھ کر یہ بھی سمجھا دیا کہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جس امر میں چاہو مجھ سے حاجت
روائی کرو۔ اسی مطلب پر پہنچ کر حضرت ربیعہ بن کعب نے آپ سے جنت کا
سوال کیا۔ حالانکہ جنت کا دینا عادتہ کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ اگر بیشک
تھا تو چاہیئے تھا کہ حضور اس سوال سے روک دیتے۔ کیونکہ آپ کی بعثت ہی شرک
کے قلع قمع کے لئے ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا ادعہ ذلک اس کے علاوہ
بھی کچھ مانگنا ہو۔ تو مانگ لو۔ حضور علیہ السلام بار بار مانگنے اور اپنی ذات سے حاجت
روائی کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اور ازلی محروم شرک کی مالاچپ رہے ہیں۔ کیا
حضور کے فرمان سل ای اطلب منی حاجۃ مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔
کے بعد بھی سرفراز صاحب کا یہ قول قابلِ توجہ رہتا ہے:

”کہ کتب حدیث کے دافرنخیرہ میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث
ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ مافوق الاسباب طو پر اہل اللہ
سے استعانت کرو“ (تنقید متین ص ۲۷)

اس سلسلے میں دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

وان اراد عوننا فلیقل یعباد الله
اعینونی یا عباد الله اعینونی یا
اور اگر مدد چاہے تو اُسے چاہیئے کہ یوں پکارے
اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اے اللہ
عباد الله اعینونی وقد جرب
(حصن حصین ص ۲۲) بندے میری مدد کرو۔ یہ امر مجرب ہے۔

اسی حدیث کو طبرانی نے عتبہ بن عروان سے روایت کیا۔ ابن سنی نے عبد اللہ
ابن مسعود سے ابن ابی شیبہ اور ہزار نے ابن عباس سے روایت کیا۔ اور قاعدہ یہ
ہے کہ جب کوئی حدیث طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ حسن وغیرہ ہو جاتی

ہے۔ اگرچہ ہر طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں محدثین نے اس حدیث کے حسن ہونے پر تصریح بھی کی ہے۔

علامہ یوسف نجفی اور سرفراز صاحب کے حکیم الامت نے طرانی اور بیہقی کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عن ابی امامۃ بن سہل بن حنیف بن عثمٰ بن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجۃ فکان عثمان لا یلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجۃ فلتی ابن حنیف فشکا ذلک الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف انت المیضا فتوضا ثم اتی المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قال اللهم انی استلک واتوجہ الیک بنبیتنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا معتمد صلی اللہ علیہ وسلم انی اتوجہ بک الی ربی فلیقض حاجتی و تنکر حاجتک و روح حتی اروح معک فانطلق الرجل فصنع ما قال لہ ثم اتی باب عثمان بن عفان فجاء الالباب حتی اخذ بمیدۃ فادخلہ عثمان بن عفان فاجلسہ معہ علی الطنفسۃ فقال ما حاجتک فنکر حاجتہ و

عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک شخص کسی اپنے کام میں حضرت عثمان کے پاس جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ پس اس کی ملاقات حضرت ابن حنیف سے ہوئی۔ پس عثمان بن حنیف نے کہا وضو کی جگہ جا اور وضو کر پھر دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی علیہ السلام کے وسیلہ سے جن کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کی وساطت سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔ پھر تم اپنی حاجت بیان کرنا اور شام کو جانا میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ پس وہ شخص گیا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ پھر حضرت عثمان کے ہاں گیا۔ دربان عودا سے حضرت عثمان کے ہاں لے گیا۔ اور ان کے پاس غالیچہ پر بٹا دیا۔ پس حضرت عثمان نے اس سے حاجت پوچھی

فضاہا لہ ثم قال لہ ما ذکر ت حاجتک حتی کان الساعۃ وقال ما کانت لک من حاجۃ فا ذکرہا ثم ان الرجل خرج من عندہ فلتی عثمان بن حنیف فقال لہ جزا اللہ خیرا ما کان ینظر فی حاجتی لا یلتفت الی حاجتی کلمتہ فی فقال عثمان بن حنیف واللہ ما کلمتہ و لکن شہدت رسول اللہ و اتاہ ضیوف فشکا الیہ ذہاب بصرہ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اد تصبر فقال یا رسول اللہ انت لیس لے قاعد وقد شق علی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایت المیضا فتوضا ثم صلی رکعتین ثم ادع بہذہ الدعوات فقال ابن حنیف فواللہ ما تفرقتا حتی دخل علینا الرجل کانتہ لم یکن یہ ضرر قط۔

اس نے بیان کی اور انہوں نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ تم نے اب تک کیوں نہ اپنی حاجت بیان کی تھی۔ اور آئندہ جو کام ہو مجھ سے ذکر کرنا پھر اسی شخص کی دوبارہ عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی۔ تو اس نے ابن حنیف سے کہا کہ تمہارا خدا بھلا کرے۔ تم نے حضرت عثمان سے میری سفارش کی اور وہ مجھ پر مہربان ہو گئے پس ابن حنیف نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے حضرت عثمان سے تیرے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ البتہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔ کہ ایک نابینا آیا اور حضور سے اپنی آنکھوں کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا بہتر ہو گا کہ تم صبر کرو۔ اس نے عذر پیش کیا کہ مجھ کو کوئی راہ بتانے والا نہیں ہے آپ نے فرمایا۔ دھو کرو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو اور پھر دعا مانگو (اسی طریقہ سے) ابن حنیف نے کہا کہ ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہی نابینا شخص آپہنچا اور اس کی آنکھیں بالکل تندرست تھیں۔ گویا کبھی اندھا ہوا ہی نہ تھا۔

(شواہد الحق ص ۳۰۱، نشر الطیب ص ۳۰۰)

اس حدیث سے مافوق الامور العادیہ میں استعانت زندگی میں بھی ثابت ہوئی۔ اور وصال کے بعد بھی۔ لیکن سرفراز صاحب کو اس سے کیا غرض۔ وہ عدم بصیرت

اور عناد انبیاء کی وجہ سے یہی کہتے رہیں گے کہ استعانت کے بارے میں ایک حدیث بھی موجود نہیں ہے۔

علامہ یوسف نبجانی اور شاہ ولی اللہ، بیہقی اور ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

أصاب الناس قحط في زمان
عمر بن الخطاب فجاء رجل
إلى قبر النبي صلى الله عليه وسلم
فقال يا رسول الله استسئلكم
فإنهم قد هلكوا فأنشأ رسول
الله صلى الله عليه وسلم في المنام
فقال أئمت عمر فآثرته السلام
وأخبره أنهم مسقون وقل له
عليك الكيس فأتى الرجل عمر
رضي الله عنه فأخبره فبكي عمر
فقال يا رب ما أتوا لما
عجزت عنه -

(شواہد الحق ص ۳۲۵، ترقی العینیں ص ۱۹۱)

علامہ نفی، ابن کثیر اور اشرف علی تھانوی نے اس روایت کو ذکر کیا ہے:

قيل جاء اعرابي بعد دفنه عليه
السلام فرمى بنفسه على قبره
وحثا من ثوابه على رأسه و
قال يا رسول الله قلت وسمعتنا
رسول الله صلى الله عليه وسلم
بعد ايام اعرابي - اس نے اپنے آپ کو
قبر شریف پر گرا دیا اور خاک سر پر بکھر کر عرض
کرنے لگا یا رسول اللہ جس وقت ہم پھر آن

وكان فيما انزل عليك
ولوا تهم اذ ظلموا انفسهم
وقد ظلمت نفسي و
جئتك استغفرا الله من ذنبي
فاستغفري من ربي فنودي
من قبره قد غفر لك -

(تفسیر ملاک ج ۱ ص ۳۴۸، تفسیر ابن کثیر
ج ۱ ص ۵۲، نشر الطیب ص ۳۰۳)

استمداد کا ثبوت اعلیٰ امت سے

مذکورہ بالا احادیث و آثار کے بعد
اب ہم اس مسئلہ میں علماء اہل سنت
کا مسلک ان کے اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ شیخ محقق
عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

وحجة الاسلام امام محمد غزالی كفته
هر كه استمداد كرده شود بوی در حیات
استمداد كرده میشود بوی بعد از وفات
ویكے از مشایخ عظام كفته است
دیدم چهار كس را از مشایخ كه تصرف میكنند
در قبور خود مانند تصرفائے شال در حیات
نمود یا بیشتر و شیخ معروف كرخي و شیخ
عبد القادر جیلانی و دو كس دیگر را از اولیاء
شمرده و مقصود حصه نیست - آنچه خود
دیدم و یافتہ است كفته و سیدی احمد

اور حجة الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا
جن سے زندگی میں استمداد حاصل کی جاتی
ہے۔ ان سے بعد وفات بھی استعانت کی
جاتی ہے اور مشایخ عظام میں سے بعض نے
کہا کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ وہ جس طرح
اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے اسی طرح
اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں بلکہ اس
سے بھی زیادہ ایک شیخ معروف کرخی اور
دوسرے شیخ عبد القادر جیلانی اور ان کے ملاؤ
دو کا نام لیا اور ان کا مقصد ان چاروں میں

بن مرزوق کہ از اعظم فقہاء و علماء و مشائخ
 دیار مغرب است گفت کہ روزے
 شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید کہ
 امداد حی قوی است یا امداد میت من
 گفتم قوی میگویند کہ امداد حی قوی تر
 است و من میگویم کہ امداد میت قوی
 تر است۔ پس شیخ گفت۔
 نعم زیرا کہ وے در بساط حق است
 در حضرت اوست و نقل درین معنی
 ازین طائفہ بیشتر از انست کہ حصہ
 احصاء کردہ شود و یافتہ نمیشود۔
 در کتاب و سنت و اقوال سلف
 صالح کہ منافی و مخالف این باشد
 در و کند این را و تحقیق ثابت شدہ
 است بآیات و احادیث کہ روح
 باقی است و او را علم و شعور بآئراں
 و احوال ایشان ثابت است و ارواح
 کاملان را قریب و مکانتہ در جناب
 حق ثابت است۔ چنانکہ در حیات بود
 یا بیشتر از آن و اولیاء را کرامات و
 تصرف در اکوان حاصل است و
 نیست مگر ارواح ایشان را و ارواح
 باقی است و متصرف حقیقی

نیست۔ مگر خدا عز و شانہ و ہمہ بقدرت
 اوست و ایشان قافی اند در جلال
 در حیات و بعد از ممات پس اگر
 دادہ شود مرا حدسے را چیسے
 بواسطت یکے از دوستان حق و
 مکانتے کہ نزد خدا دارد و دور نباشد
 چنانکہ در حالت حیات بود و نیست
 فعل و تصرف در ہر دو حالت مگر حق را
 جل جلالہ و علم لوالہ و نیست چیزے کہ
 فرق کند میان ہر دو حالت و یافتہ نشدہ
 است و دلیل بر آن۔
 سوائے اللہ عز و جل کے اور کوئی نہیں اور قیام
 قدرت اسی کی ہے۔ اور وہ حیات اپنی زندگی
 اور موت میں حق سبحانہ کی ذات فنا ہو چکے
 ہیں۔ پس اگر کسی کو ان کے واسطے سے کچھ
 دیا جائے اس مرتبہ کی وجہ ہو خدا کے نزدیک
 ان کے لئے ثابت ہے تو یہ بعید نہیں ہے
 جیسا کہ حالت حیات میں انکو تصرف حاصل تھا اور
 فعل اور تصرف ہر حال میں اللہ عز و جل ہی کا
 ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو زندگی اور موت
 میں فرق کرے اور نہ اس فرق پر کوئی دلیل
 پائی گئی ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۷۱۵)

اب سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شیخ محقق دہلوی
 کی ان تصریحات اور زندگی اور موت کے بعد اولیاء اللہ سے استمداد کی تشریحات
 کی وجہ سے شیخ پر شرک کا فتویٰ لگائیں گے۔ یا اپنی بے بصیرتی اور بے علمی کا
 اعتراف کر کے اپنی بد عقیدگی سے رجوع کریں گے۔

نیز شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اس موضوع پر مزید تحریر فرماتے ہیں:

و اما استمداد باہل قبور منکر شدہ اند
 آنرا بعض فقہاء اگر انکار از جہت
 آن است کہ سماع و علم نیست ایشان
 را بآئراں و احوال ایشان پس
 بطلان اثبات شد و اگر بسبب
 آنست کہ قدرت و تصرف نیست
 کا انکار کیا ہے اگر انکار انکار اس پر مبنی
 ہے کہ اہل قبور کو سماع اور آئراں کے
 احوال کا علم نہیں ہوتا تو اس مبنی کا بطلان
 ظاہر ہو چکا ہے اور اگر انکار یہ ہے
 کہ اہل قبور کے لئے اس جگہ قدرت اور

رائشاں را دران موطن تامد و کنند بلکه
محبوس و ممنوع اند و مشغول اند با پنچ
عارض شدہ است۔ مرائشاں را
از محنت و شدت آنچه باز داشتہ
است از دیگران گویم کہ این کلیہ نئے
ماند۔ خصوصاً در شان متیقین کہ در ستا
خدا اند۔ شائد کہ حاصل شود۔ ارواح
ایشان را از قرب در برزخ و منزلت
و قدرت بر شفاعت و دعا و
طلب حاجات مرزائراں را کہ متوسل
اند بایشان چنانکہ در روز قیامت
خواہد بود و چہیست دلیل بر نفی آن
و تفسیر کردہ است بیضادی کہیمہ۔
والنازعات غرقا۔ الکیہ را بصفات
نفوس فاضلہ در حال مفارقت از
بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان
و نشاط می کنند بسوئے عالم
ملکوت و سیاحت میکنند دران
پس سبقت میکنند بخطائے قدس پس
می گردند بشرف و قوت از مدبرات
و لیت شعری چہ میخواہند ایشان باستمداد
و امداد کہ این فرقہ منکر اند آنرا آنچه مای
فیہم از ان این است کہ داعی محتاج

فقیر الی اللہ دعا می کند و طلب میکند
حاجت خود را از جناب عزت و کثرت
وے و توسل میکند بروحانیت این
بندہ مقرب و مکرم در درگاہ عزت
وے و میگوید خداوند ابرکت این بندہ
تو کہ رحمت کردہ بر وے و اکرام کردہ
اوراد و بلطف و کریمے کہ بلوئے داری بر
آوردہ گردان حاجت مرا کہ تو معطی
کیمی یا ندائی کن دای بندہ مکرم و مقرب
را کہ اسے بندہ خدا اسے دلی و شفاعت
کن مرا و بخواد از خدا کہ بدہد مسئل و
مطلوب مرا و قضا کن حاجت مرا۔ پس
معطی و مسئل و امول پروردگار است
تعالی و تقدس و نیست این بندہ مگر وسیلہ
و نیست قادر و فاعل و متصرف در وجود
مگر حق سبحانہ و اولیائے خدا فانی و
ہالک اند در فعل الہی و قدرت و
سطوت وے و نیست ایشان را فعل
و قدرت و تصرف نہ اکنون کہ در
قبور اند و نہ در ان ہنگام کہ زندہ بودند
در دنیا و اگر این معنی کہ در امداد و استمداد
ذکر کردیم موجب شرک و توجہ بامسوائے
حق باشد چنانکہ منکر زعم میکنند پس باید کہ

امداد کا کیا سمجھ کر انکار کرتے ہیں۔ جو
ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ دعا کرنے
والا اس بندہ مقرب کے توسل سے
اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے
کہ اے بارالہ اس بندہ مقرب کی برکت سے
مجھے تونے بے انداز الطاف و اکرام
سے نوازا ہے۔ میری حاجت کو پورا فرما۔
کہ تو ہی عطا کرنے والا ہے۔ یا دعا
مانگنے والا اس بندہ مقرب کو ندا
کرتا ہے کہ اے بندہ خدا اے اللہ
کے ولی میری شفاعت کر۔ اور اللہ تعالیٰ
سے دعا کر کہ مجھے میرا سوال اور مطلوب
عطا فرمائے اور یہ بندہ مقرب درمیان
میں صرف وسیلہ ہوتا ہے اور قادر اور
فاعل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور
کوئی نہیں ہوتا۔ اور اولیاء اللہ تو اللہ
کے فعل اور قدرت میں فنا ہو چکے ہیں
اور اولیاء کو نہ اب قبور میں کسی چیز پر
قدرت ہوتی ہے۔ اور نہ جس وقت
دنیا میں تھے اس وقت کسی چیز پر
قدرت تھی۔ اور امداد و استمداد کا جو
معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب
شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم

منع کردہ شود تو سل و طلب دعا از صالحان
و دوستان خدا در حالت حیات
نیز و ایس ممنوع نیست بلکہ مستحب و
مستحسن است بابتفاق و شائع است
در دین و اگر گویند کہ ایشان بعد از موت
معزول شدند و بیرون آورده شدند از ازاں
حالت و کرامت کہ بود ایشان را در
حالت حیات چلیست دلیل بر آن
یا گویند کہ مشغول و ممنوع شدند با نچہ
عارض شدند از آنات بعد از ممات پس
ایس کلیہ نیست و دلیل نیست بر دوام
و استمرار آن تا روز قیامت نہایت
آنکہ ایس کلیہ نباشد و فائدہ استدو عام
نباشد۔ بلکہ ممکن است کہ بعضی
منجذب باشند۔ بعالم قدس و متہلک
باشند در لا ہوت حتی چنانکہ ایشان را
شعورے و توجہ بعالم دنیا نمایند باشند
و تصرف و تدبیرے در مے نہ چنانکہ
دریں عالم نیز از تفاوت حال
مجبوبات و متمکناں ظاہرے گرد و نعم اگر
زائران اعتقاد کنند کہ اہل قبور متصرف
و مستبد و قادر اند بے توجہ بحضرت
حق و العجب۔ بجانب تعالیٰ

ہوتا۔ جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے۔ تو
چاہیئے تھا کہ صالحین سے طلب دعا
اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا حالانکہ
یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز
اور مستحسن و مستحب ہے۔ اور اگر یہ منکر کہیں
کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے مرتبہ
سے معزول ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی میں
جو فضیلت و کرامت انہیں حاصل تھی۔ وہ
باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے اور
اگر یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات
و بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعا و غیرہ
کی فرصت نہ رہی تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے
اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء کے لئے ابتلا
قیامت تک رہتا ہے زیادہ سے زیادہ ہو گیا
جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل قبر سے استغاثہ
سود مند نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے
کہ بعض اولیاء جذب و استغراق کی
کیفیت میں ہوں اور عالم لاہوت کے
مشاہدہ میں اس طرح منہمک ہوں کہ اس
دنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ
رہے پس اس دنیا میں تصرف نہ کریں جیسا
کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات
مختلف ہوتے ہیں یہاں اگر اولیاء اللہ

چنانکہ عوام و جاہلان و غافلان اعتقاد
دارند۔ چنانکہ می کنند آنچه حرام
و منہی عنہ است در دین از تقبیل
قبر و سجدہ آنرا و نماز بسوئے دے
و جز آن ازاں چہ فی و تحذیر
واقع شدہ است ایس اعتقاد و
افعال ممنوع و حرام خواہد
بود و فعل عوام اعتبار سے ندارد
و خارج بحث است و حاشا
از عالم بشریعت و عارف با حکام دین
کہ اعتقاد کنند ایس اعتقاد را دایں سخن
را بکنند و آنچه مروی و محکی است
از مشائخ اہل کشف در استمداد
از ارواح اکمل و استفادہ از ازاں خارج
از حصر است و مذکور است در
کتب و رسائل ایشان و مشہور است
میان ایشان حاجت نیست کہ
آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر و متعصب
سود نہ کنند اورا کلمات ایشان
عافانا اللہ من ذالک۔

سخن در اینجا از وجہ علم و شریعت
است۔ آئے مروی و مسنون در زیارت
سلام بر موتی و استغفار مر ایشان را

حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ مدد
کرنے میں مستقل ہیں۔ اور اللہ کی جانب
میں توجہ کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے
امداد کرتے ہیں۔ جیسے بعض جہلا کا عقیدہ
ہے کہ وہ قبر کو تقبیل اور سجدہ کرتے ہیں
اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں
اور یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں۔
اور ناواقف عوام کے افعال کا کوئی اعتبار
نہیں۔ اور وہ خارج از بحث ہیں اور
عارف بشریعت و عالم با حکام دین ان
تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور
مشائخ اور اہل کشف سے ارواح
کاملہ سے استفادہ کے بارے میں
جو کچھ مروی ہے وہ حصر سے خارج
ہے اور ان کتابوں میں مشہور اور مذکور
ہے۔ حاجت نہیں کہ ہم اس کا ذکر
کریں۔ اور ممکن ہے کہ وہ منکر متعصب
کو فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو
اس بد عقیدگی سے محفوظ رکھے۔

یہ گفتگو از روئے شریعت ہے
ہاں زیارت قبر میں اہل قبور کو سلام
کرنا اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا

وقرأت قرآن است و لیکن دیوبندیانہی
از استمداد نیست پس زیارت بے لائے
امداد مروتی را و استمداد از ایشان
ہر دو باشد بر تفاوت حال زائر
و مروت و باید دانست کہ خلاف در
غیر انبیاء است صلوات اللہ علیہم اجمعین
کہ ایشان احوال و بحیات تحقیقی دنیوی
بالتفاق و اولیاء بحیات اخروی معنوی
و کلام درین مقام بحد طنائے تطویل
کشید بزم منکراں کہ در قرب این زبان
فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و
استعانت را از اولیاء خدا کہ نقل کردہ
شدہ اند ازین دار فانی بدار بقا و زندہ
اند نزد پروردگار خود و مروت و اند
خوشحال اند و مروت را ازال شعور
نیست و متوجہان بہ جناب ایشان
را مشرک بخدا و عبودتہ اصنام می دانند
و میگوند آنچه میگوند و عمر با است
کہ تحقیق و تفصیل این مسئلہ معذور
خاطر فائز بود و الآن توفیق الہی بدان
مساعدت کردہ و الحمد للہ اللہم
ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعہ و
ارتنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ

واللہ اعلم و علمہ احکم۔

ہے۔ اور اس سے اجتناب کی توفیق دے
اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور اس کا
علم احکم ہے۔

(اشعۃ المعانی ج ۳ ص ۴۰۱)

استمداد کا انکار بدعت ہے

دیگر فوائد کے علاوہ شیخ محقق کی اس عبارت
سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ استمداد اولیاء
کا انکار گیارہویں صدی کی بدعت ہے۔ اور اولیاء اللہ سے استعانت کرنے والوں
پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا اس گمراہ فرقہ کی اختراع ہے۔ جس کے بارے میں شیخ
محقق فرما رہے ہیں۔ کہ وہ ان کے زمانہ کے قریب ظاہر ہوا۔ ہم نے علماء دیوبند کے
لئے عموماً اور سرفراز صاحب گھڑوی کے لئے خصوصاً تاریخ کا آئینہ پیش کر دیا۔
وہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھیں اور سوچیں کہ غیر اللہ سے استمداد کو شرک کہہ کر
انہوں نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جا ملایا ہے؟

امام رازی فرماتے ہیں:

الانبياء و هم الذين اعطاهم
الله تعالى من العلوم والمعارف
ما لا حيلة يقدرون على التصرف
في بواطن الخلق دارا و احصا و
ايضا اعطاهم من القدره والمسكنه
ما لا حيلة يقدرون على التصرف
في بواطن الخلق۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۸۵)

امام ابو عبد الوہاب شعرائی متوفی ۹۷۷ھ شیخ موسیٰ ابو عمران کے تذکرہ میں تحریر
فرماتے ہیں:

دكان اذا ناداه مریدہ ابو عمران کو جب ایک سال یا اس سے

احبابہ من مسیرۃ سنۃ او اکثر۔

(لوامح الانوار فی طبقات الاخیار ج ۲ ص ۲۱)

زیادہ عرصہ سفر کی مسافت سے پکارتا تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتے تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ شیخ عبدالوہاب متقی سے نقل فرماتے ہیں:

وقد یكون خاطرا للشيخ فهو امداد
ممدد الشيخ يصل الى قلب المريـ
الطالب مشتملا على كسفت معضل
وحل مشكل حصل للمريد في الوقفات
والواردات الربانية وهدى الخاطر
اتما يرد على قلب المريـ عند
استكشاف ذلك باستمداده
من ضمير الشيخ فيكشف و
يتبين الحال سواء كان الشيخ
حاضرا او غائبا حيا او ميتا يدل
عليه ما قال الشيخ المعاف بالله
علي بن حسام الدين المتقي اسكنه
الله بحبوحة جنته وتغمده
بلطفه ورحمته يا عبد الوهاب
اذا اشكل عليك شيء من الوقفات
والواردات فاعرضها على بقلبك
واستكشف ذلك باستمدادك
متى ولو بعد موتي فجريت ذلك
فوجدته كما قال وهدى الخاطر ايضا

مرید کے دل میں کبھی ایسی بات آتی ہے جو شیخ کی توجہ کی مدد سے مرید کے دل میں پیدا ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ مشکلات جو مرید کے وظائف اور معمولات میں پیدا ہوتی ہیں وہ حل ہو جاتی ہیں۔ اور مرید کے دل میں یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنی مشکلات میں اپنے شیخ سے اس کے حل کے لئے مدد طلب کرتا ہے اور اس کے مدد طلب کرنے پر شیخ اس کی مدد کرتا ہے خواہ شیخ قریب ہو یا بعید۔ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو اور اس بات کی تائید شیخ عارف باللہ علی بن حسام الدین کے اس کلام سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے مرید عبدالوہاب متقی سے کیا تھا انہوں نے فرمایا اے عبدالوہاب جب تم کو اپنے معمولات اور وظائف میں کوئی مشکل پیش آئے تو تم اپنے دل سے میری طرف متوجہ ہو کر اس کو مجھ پر پیش کرنا اور اس کے حل کے لئے مجھ سے مدد طلب کرنا خواہ میں فوت ہو چکا ہوں۔ شیخ عبدالوہاب

فی الحقیقۃ داخل تحت فاطر الحق سبحانہ
لا قلب للشیخ بمنایۃ باب مفتوح الی
عالم الغیب ہوا سطرۃ بن المرید بیلجی
سبحا فیصل ممداد فیض علی قلب المرید
بواسطۃ انتہی کلامہ قدس سرہ۔

(المعات التقیج ج ۱ ص ۱۲۰)

فرماتے ہیں میں نے اس بات کا تجربہ کیا اور اس کو درست پایا اور شیخ کی توجہ سے جو دل میں بات آتی ہے درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کے القادس سے آتی ہے لیکن شیخ اپنے مرید اور اللہ سبحانہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

”دیوبند“ کے مسلم اکابر سے استمداد کا ثبوت

سرفراز صاحب نے اپنی کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے۔ اور بار بار ان کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ اب ہم شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اہل قبور سے استمداد جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

شاہ ولی اللہ ”ہمعات میں“ ”دل میں پیدا ہونے والے خیالات“ کا علاج بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

باروا ح طیبۃ مشائخ متوجہ شود
مشائخ کی ارواح طیبہ کی طرف متوجہ
برائے ایشان فاتحہ خواند یا زیارت
ہو۔ ان کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھے یا انکی قبر
قبر ایشان رود واز آنجا انجذاب
کی زیارت کے لئے جائے۔ اور ان سے
دیوبند کند۔ جذاب کی بھیک مانگے۔

پس لامحالہ شاہ صاحب کی ان تمام عبارتوں کو جن میں انہوں نے استعانت کو شرک کہا ہے۔ استعانت بطور عبادت یا مستقل بالذات پر محمول کرنا پڑے گا ورنہ اگر استعانت سے مراد عام ہو تو شاہ صاحب اپنی تحقیق سے خود مشرک قرار پائیں گے۔

علماء دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ پر بہت

زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ سرفراز صاحب نے سوچے سمجھے بغیر اپنی کتاب میں شاہ صاحب کی عبارتوں کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم حضرت شاہ صاحب ہی کے کلام سے اولیاء اللہ کی امداد بعد الوصال اور ان سے استمداد کے جواز پر شہادت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

از اولیاء مدفونین و دیگر صلیٰ مومنین
انتفاع و استفادہ جاری است و انہا
را افادہ و اعانت نیز متصور و خلاف
مردہ ہائے سوختہ کہ این چیز ہا اصلاً
نسبت با نہاد راہل مذہب آنہا نیز
واقع نیست۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۵۰)

شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے۔ اور امداد و استمداد کا نہ ہونا یہ کفار کا خاصہ ہے۔ پس اب آپ غور فرمائیے کہ اولیاء اللہ سے استعانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس مذہب سے جاملایا ہے۔ نیز شاہ صاحب کے نزدیک جن اہل قبور سے استعانت جائز نہیں۔ یہ وہ مردے ہیں جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ پس سرفراز صاحب نے اولیاء اللہ سے استعانت کو ناجائز قرار دے کر انہیں (معاذ اللہ) جملے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ لاکھوں اولیاء اللہ کی توہین ہے۔ ناموس اسلام پر زبردست برہمنی وار کیا ہے جو کسی بھی غیرت مند مسلمان کے قابل برداشت نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نیز حضرت شاہ صاحب موت کے بعد کی حالت بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ
آلہ جبارت مکمل و ارشاد بنی نوع خود گردانید
اند و دریں حالت ہم تصرف در دُنیا
دادہ و استغراق آنہا بہ جہت کمال
وسعت مدارک آنہا مانع توہین بایں
سمت نے گرد و اویسیاں تحصیل
کمالات باطنی از انہا سے تمنیہ و
ارباب حاجات و مطالب حق
مشکلات خود از انہا سے طلبند و
مے یابند و زبان حال آنہا در آنوقت ہم
مترنم بایں مقالات است۔ مصرعہ
”من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن“

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۱۳)

وہ خاص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع
السان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو
وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا
میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور انکا
امور اخروی میں مستغرق ہونا بسبب سعادت
ادراک کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع
نہیں ہوتا۔ ایسی سلسلہ کے حضرات اپنے
باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے
ہیں اور حاجت مند ان سے حاجت طلب کرتے
ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبان حال
اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم بدن سے
میری طرف بطر صو گے تو میں روح سے تمہاری
طرف پیش قدمی کروں گا۔

دیوبندیوں سے عموماً اور سرفراز صاحب سے خصوصاً گزارش ہے کہ وہ شاہ صاحب کی اس عبارت کو بغور پڑھیں اور اس بات پر غٹھٹے دل سے غور کریں کہ دین کی جس شاہراہ کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اس کی منزل کیسے دہانہ مقرب تو نہیں ہے۔ اولیاء سے استعانت کو شرک کہہ کر انہوں نے مہد صحابہ سے لے کر آج تک کے تمام صلحاء کو مشرک بنا ڈالا اور اس طرح وہ اب سفر آخرت کے اس راستہ میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ اور جو بگڑی گتہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ یہ اہل خرد اور زبان رسالت سے آشنا حضرات کی نظر سے مخفی نہیں ہے۔ بہر حال ابھی تو یہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ دنیاوی جھوٹے وقار کی خاطر ہمیشہ کی ذلت کو اختیار کر لینا بڑے خسارے کا سودا ہے۔

صلی صلائے عام سے یا ناکتہ دال کے لئے۔

یہی شاہ عبدالعزیز صاحب اقراسم ربک کا شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے نانباتی سے خوش ہو کر فرمایا: **نخواہ چہ بخواہی او عرض کرد کہ مرا مثل خود بسازید فرمودند تھل ایں حالت نمی توانی کرد چیز سے دیگر نخواہ اور برہمیں سوال اصرار داشت و خواجہ اعراض می فرمودند تا آنکہ طجاج اول بسیار شد ناچار اورا در حجرہ بردند و تا تیسر اتحادی بردے کردند چوں بر حجرہ بر آمدند در میان خواجہ و در میان نانباتی در صورت و شکل هیچ فرق نمایندہ بود و مردم را امتیاز مشکل افتاد ایں قدر بود کہ حضرت خواجہ ہمشیار بودند و اک نانباتی مدہوش دبے خود۔**

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۴۵)

اب آپ سرفراز صاحب کی تحقیق پر غور کریں جو کہتے ہیں کہ جو امر عادت میں اور اختیار میں ہو اس کو مانگنا جائز ہے اور جو عادت میں اور اختیار میں نہ ہو یعنی خلاف عادت ہو اس کو مانگنا شرک ہے۔ تو کیا ”ہم مثل“ بنادینا خلاف عادت نہیں ہے اگر ہے تو وہ نانباتی مشرک اور حضرت خواجہ باقی باللہ شرک کو ثابت کرنے والے ہوئے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے بارے میں کیا ارشاد ہو گا؟ اور اگر ہم مثل بنادینا خلاف عادت نہیں ہے تو کیا سرفراز صاحب بھی کسی کو اپنا ہم مثل بنا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سرفراز صاحب بھل اور غناد کی وجہ سے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز

اور تمام اکابر اسلام کے گلوں پر شرک کی خنجر رکھ دیں۔ مگر اس کو کیا کریں کہ شرک کی یہ تلوار اکابر دیوبند کو بھی نہیں بخشتی۔

آئیے اب ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ امداد اور استمداد کے بارے میں اہل بدعت کے صنایع اور جفا دری قسم کے اہل قلم حضرات نے کیا لکھا ہے۔
اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۹۲ھ محمد الشیشینی متوفی ۶۶۷ھ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کا ایک خادم راستہ میں کسی لقمہ و دق جھگل میں جا پہنچا اور اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو اس نے ان سے امداد چاہی اور چیلایا تو ایک شخص کو محسوس کیا جو کچھ کہہ رہا ہے کہ یہ رہا راستہ تو راستہ پر پہنچ گیا“ (جمال الاولیاء ص ۱۳۶)

اس واقعہ میں تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا ہے محمد شیشینی کے مرید نے عین ہلاکت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ اپنے شیخ سے مدد چاہی۔ دیکھئے آپ کے قواعد کے مطابق کیسا شرک صریح ہے اور منبع ہیں تھانوی صاحب۔

✱ اسماعیل دہلوی کے پیر و مرشد سید احمد بیہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ کے بھانجے اور خلیفہ مجاز سید محمد علی سفر جج کے دوران کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

دیں منزل قریب نصف شب
بوادی سرف کہ مزار فائض الانوار تر معالی
جناب میمونہ علیہا و علیٰ بعلمہا الصلوٰۃ
والسلام من اللہ الملک العلم السیدیم
از اتفاقات عجیبہ آنکہ اک روز یسوع
طعام نخوردہ بود دم چوں از خواب
اک وقت بیدار شدم از غایت گرسنگی
اشنا سفر میں آدھی رات کے وقت ہم
لوگ بوادی سرف پر پہنچے جہاں ام المؤمنین
سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار پر افوار ہے
اتفاق کی بات ہے کہ اس دن میں بالکل
بھوکا تھا اور جب صبح آنکھ کھلی تو بھوک سے
بالکل بے دم ہو چکا تھا اور میرے چہرہ
کا چاند گنا چکا تھا صرف ایک روٹی کے

طاقت طاق و بدر رویم در محاق بود
بطلب نان پیش ہر کس دویدیم و بطلب
نرسیدیم بناچار برائے زیارت در
حجرہ مقدسہ رفتم و پیش تربت شریفہ
گدایانہ ندا کردہ گفتم ای جدہ امجدہ من
مہمان شما ہستم چیزے خوردنی عنایت
فرما ورا محروم از الطاف کریمانہ خود
فما انگاہ سلام کردم و فاتحہ و اخلاص
خواندہ ثوابش بروح بر فتوحش فرستادم
انگاہ نسبتہ بر قبرش بادہ بودم از
رزاق مطلق و دانائے برحق و خوشہ
انگور تازہ بدستم افتادہ طرفہ تر آنکہ
آں ایام سرا بود و اسحج جا انگور تازہ
میسر نبود بحیرت افتادم و یکے ازاں
ہر دو خوشہ ہمون جانستہ تناول
نمودہ از حجرہ بیرون شدم و یک یک
دانہ بر یک تقسیم کردم و گفتم

یافت مریم گوہر ہنگام شستا
میوہ ہائے جنت از فضل خدا
ایں کرامت در حیاتش بود و بس
بعد فتش نقل نمود است کس
بعد فوت زوچ ختم المرسلین
رفتنہ چندین قرنہا ای دور میں

حصول کے لئے ہر کسی کے پاس دوڑا
مگر کہیں سے مطلوب حاصل نہ ہوا۔ مجبور
ہو کر ام المؤمنین کے روضہ مقدسہ پر حاضری
دی اور آپ کی قبر انور سے رزق کی بھیک
مانگی اور کہا اے میری دادی جان میں آپ
کا مہمان ہوں کھانے کے لئے کوئی چیز
عنایت فرمائیے اور مجھ کو اپنے لطف و
کرم سے محروم نہ فرمائیے۔ پھر میں نے
سلام عرض کیا سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص
پڑھ کر اس کا ثواب آپ کی روح مبارک
کو پہنچایا۔ میں آپ کی قبر انور پر اپنا سر رکھا
ہوا تھا ناگاہ اللہ تعالیٰ نے تازہ انگوروں کے
دو خوشے میرے ہاتھوں میں ڈال دیئے
عجب تماشہ یہ تھا کہ ان دونوں موسم سرا تھا
اور کسی جگہ اس وقت تازہ انگور دستیاب
نہ تھے۔ اتہائی حیرت ہوئی ان انگوروں میں سے
کچھ وہیں کھائے اور کچھ حجرہ مقدسہ سے باہر جا کر
تقسیم کئے اور یہ اشعار پڑھے۔

اگر حضرت مریم نے موسم سرا میں جنت کا
میوہ فضل خدا سے پالیا ان کی یہ کرامت فقط
انکی زندگی میں تھی انکے وصال کے بعد کسی سے
یہ کرامت منقول نہیں۔ حضور کی زوجہ کے
وصال کو کتنی صدیاں گزر چکی ہیں۔

بنگم از دے این کرامت یافتم
مایہ صد گونہ نعمت یافتم
(دخترن احمدی ص ۹۹)
دیکھو اس کے باوجود میں نے ان سے اس
کرامت کو پایا اور بایہ صد افتخار نعمت کو حاصل
کیا۔

اس طویل اقتباس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ قضائے حاجت کے لئے قبر پر جانا
صاحب قبر سے رورود کر مطلب برآری کے لئے درخواست کرنا جائز ہے اور
تمام اہل دیوبند کے مسلم مقتدار سید احمد بریلوی کے خلیفہ مجاز محمد علی کو جب دنیا
میں کہیں سے کھانے کو کچھ نہ ملا تو سیدتنا ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر سے ملا
اور یہ کہ سید احمد بریلوی کے خلیفہ مجاز نے قبر پر آکر فاتحہ بھی پڑھی ندا بھی کی سلام
بھی پڑھا اور بطور ا فوق الاسباب امور استمداد بھی کی۔ اور یہ تمام باتیں وہ ہیں کہ اگر
اہل سنت ان میں سے کسی ایک کو بھی کہیں تو دیوبندی حضرات ان کو مشرک اور
بدعتی سے کم نہیں کہتے۔

اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۲۸ھ اپنے شیخ سید احمد کی شان میں لکھتے ہیں :
» اور آج تناب ہدایت مآب کی توجہات کے لئے میں سے
جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین
نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حالی ہوئیں اور قریباً ایک ماہ
یک آپ کے حق میں ہر دور میں مقدس کے مابین فی الجملہ تنازع رہا
کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقاموں میں سے اس امر کا اتفاق کرتا تھا
کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گذارنے
اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس
روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ
دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پُر زور اثر ڈالتے
رہے۔ پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو
نصیب ہوئی «

اور نسبت چشتیہ کا بیان اس طرح ہے:

”کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ خواجگان خواجه قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی مرقد منورہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی اثنا میں ان کی روح پر فتوح سے آپ کی ملاقات ہوئی اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی اس توجہ کے سبب سے ابتداً حصول نسبت چشتیہ کا ثابہت ہو گیا“ (صراطِ مستقیم ص ۲۲۲)

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ غوث کے معنی ہیں فریاد رس اور اس عبارت میں اسماعیل دہلوی نے شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی ذات پر غوث الثقلین کا اطلاق کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اسماعیل دہلوی نے مان لیا کہ شیخ قدس سرہ تمام جن و انس کے فریاد رس ہیں۔ اور ہر شخص جب مصیبت میں انہیں پکارے تو اس کی فریاد کو پہنچتے ہیں۔

۲۔ اس عبارت میں اس بات کی تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح جہان میں تصرف کرتی ہیں چنانچہ حضرت غوث اعظم اور خواجہ بہاؤ الدین قدس سرہا نے سید احمد کے قلب پر تصرف کیا۔ (درونِ برگردنِ راوی)

۳۔ اس عبارت میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کی قبور سے کسب فیض حاصل کرنا اور ان سے مدد چاہنا جائز ہے۔ چنانچہ تمام اہل دیوبند کے مقتدا سید احمد بریلوی فیض حاصل کرنے کے لئے خواجہ بختیار کاکی کے مرقد انور کی طرف چل کر گئے۔ ان سے فیض مانگا اور بقول اسماعیل دہلوی سید احمد نے خواجہ قدس سرہ سے فیضان کی بھیک مانگی۔

۱ جعفر نقاشی سید احمد کی شان میں لکھتے ہیں:

”ایک سیاح پانی پتی کا بیان ہے کہ جب آپ پانی پت میں پہنچے تو میں مرض کفطیا میں مبتلا ہو کر بے دست و پا ہو رہا تھا۔ اپنے بستر پر سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ جب میرے کچھ نصیب چمکے تو سید صاحب سے دوچار ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اے جوان اٹھ اور ہمارے ساتھ جہاد کے واسطے چل میں فوراً اسی وقت اچھا ہو گیا گویا کبھی مریض ہی نہیں ہوا تھا۔ اور آپ کے ساتھ ہولیا اور بہت سے معرکوں میں شریک جہاد رہا“

(حیات سید احمد شہید ص ۱۷۴)

یہ عبارت کسی تبصہ کی محتاج نہیں ہے اس کے تیور صاف بتلا رہے ہیں کہ سید احمد کو کس طرح خدائی اختیار حاصل تھے اور وہ امور مافوق الاسباب میں کس طرح تصرف کرتے تھے۔

عاشق الہی میرٹھی رشید احمد گنگوہی کی شان میں لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سخت میں ہوئے۔ واقفین احباب بھی یہ خبر سُن کر پریشان ہو گئے اور حضرت سے عرض کیا کہ دعا فرما دیں حضرت خاموش رہے اور بات کو ٹال دیا اور جب دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے تسلی دی اور یوں فرمایا میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر مریں گے تو میرے بعد۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا“

اس سے پہلے ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے:

”مدھونی کرم حسین صاحب خانقاہ میں مقیم تھے کہ ایک روز دفعۃً ان کی پسلی میں سخت درد اٹھا گھبرائے ہوئے طبیب روحانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کرب و تکلیف کا اظہار کیا۔ حضرت اس وقت غسل خانہ کی جانب جا رہے تھے چلتے ہی چلتے فرمادیا: افسس اللہ

جانتا رہے گا اور نہ ہوگا“ حضرت کی زبان مبارک سے غالباً یہ الفاظ پورے نہ نکلے تھے کہ یک لخت درو جاتا رہا اور الحمد للہ اب تک پھر کبھی نہیں ہوا۔ (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۰۹)

ما شق الی میرٹھی نے لنگوہی صاحب کے جو یہ دو واقعات ذکر کئے ہیں۔ ان میں مافوق الاسباب امور میں لنگوہی صاحب سے استمداد بھی ہے ان کی علی الفور امداد بھی ہے اپنی اور دوسروں کی موت کا علم بھی ہے اور وہ کیا کچھ نہیں ہے جس کو دیوبندی حضرات انبیاء اور اولیاء کے حق میں شرک کہتے نہیں تھکتے۔

اور اشرف علی صاحب تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ محمد یعقوب نانوتوی صدر مدرس مدرسہ دیوبند کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مولوی معین الدین صاحب نے جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ بخار کثرت سے ہوئی تو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ دیتا اسے ہی آرام ہو جاتا۔ پس لوگ اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالوں تب ہی ختم کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو اب کے اگر کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پڑے رہتو۔ لوگ بتنا پنے تمہارے اوپر سے ہی چلیں گے بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا جیسے شہرت آرام کی ہوئی ویسے یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا پھر لوگوں نے مٹی لے جانا ہی بند کر دیا۔ (حکایات اولیاء ص ۳۷۵)“

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ محمد یعقوب نانوتوی قیوم لوگوں کا

کلام بھی سنتے تھے اور تصرف بھی کرتے تھے جب تک ان کے صاحبزادہ نے چاہا لوگوں کو بطور مافوق الاسباب نفع دیتے رہے اور جب ان کے صاحبزادہ نے لوگوں کو نفع پہنچانے سے روک دیا تو فیض کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ گویا یعقوب نانوتوی مافوق الاسباب طور پر نفع اور ضرر دونوں کو پہنچانے پر قادر تھے۔

سید احمد بیہلوی سے لے کر یعقوب نانوتوی تک تمام اکابر دیوبند پر نظر ڈالیں سب ہی پیر مرید آپ کو امداد اور استمداد کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آئیں گے اور انہی معمولات کو جب اہل سنت اولیاء اللہ، انبیاء اور خصوصاً سید الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز اور ثابت کہیں تو یہ لوگ ان امور کو شرک سے کم نہیں کہتے۔ اب سرفراز صاحب سے ایک ہی گزارش ہے کہ یا تو وہ انبیاء اور اولیاء سے استمداد کو جائز مان لیں اور اپنے قول باطل سے رجوع کر لیں یا پھر ان تمام اکابر دیوبند کو جنہوں نے استمداد کی ہے اور اس کو اپنے اقوال سے ثابت مانا ہے نذر جہنم کیجئے۔

من نہ گویم کہ ایں نہ کن اک کن!
مصلحت میں و کار آساں کن

سرفراز صاحب کا وجوہ فاسد سے استدلال اور ان کے جوابات

سرفراز صاحب استمداد کو باطل کرنے کے لئے لکھتے ہیں:

”جو تفسیر اور احتمال ایسا کہ فتعین کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ وہ ایسا کہ تعبیر میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے۔ یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے۔ اور یہ خیال کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کرتا رہا ہوں۔ مگر ان حضرات کو صرف تقرب الہی کا مظہر

سمجھتا ہوں۔ تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نا درست ٹھہری۔ اور کس دلیل سے۔ اور اگر غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیونکر حق قرار پایا۔ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرا (تفہیم میں ص ۲۷) سرفراز صاحب کا یہ استدلال باطل اور مردود ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

من قام اور عفت فی صلاۃ فلیتصرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز ولیتوضاً ولیبین علی صلاتہ مالم یتکلم۔ میں قے آگئی یا اس کی تکبیر پھوٹ گئی وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کر لے

(بحوالہ ہدایہ ج ۱ ص ۸) جب تک اس نے کسی سے بات نہ کی ہو۔ اس فرمان میں دو حکم ہیں۔ ایک وضو کرنے کا۔ دوسرا نماز پر بنا کر نہ کرنے کا۔ پہلا واجب ہے۔ اور دوسرا مباح۔ لیکن سرفراز صاحب کی دلیل سے لازم آئے گا کہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہو یا وضو بھی جائز اور مباح ہو اور یا بناء بھی واجب ہو۔ ثانیاً سرفراز صاحب کا یہ استدلال اس باطل قاعدہ سے مستعار ہے کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو مستلزم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب دو چیزوں کا ذکر مقرر ہو تو ان کا حکم بھی ایک ہی ہو۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک یہ قاعدہ باطل اور مردود ہے۔ ملا عبد الغفور لکھتے ہیں:

لہذا بار کا مطلب ہے کہ وضو ٹوٹنے کے وقت نماز جس جگہ سے چھوڑی تھی وضو کر کے وہیں نماز شروع کرنا یا نہ جائز اور مباح ہے لیکن افضل یہ ہے کہ اگر سر تو نماز پڑھے ۱۲ منہ جب دو چیزوں کو ایک ساتھ ذکر کریں تو دونوں کا حکم بھی ایک ہو یہ شافعی حضرات کا قاعدہ ہے جو احناف کے نزدیک صحیح نہیں ہے ۱۲ منہ

لا یقال الامر فی قولہ ولیبین لا بآحۃ بالاتفاق فکذا ما قارنہ لان نقول القرآن فی الذکر لا یبدل علی القرآن فی الحکم۔ یہ سوال نہ کیا جائے کہ حضور کے حکم "بنا کر" میں امر بالاتفاق اباحت کے لئے ہے۔ پس اسی طرح اس کے ساتھ "وضو کر" کا حکم بھی مباح ہونا چاہیئے کیونکہ ہم احناف کہتے ہیں کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو مستلزم نہیں ہوتا۔ (حاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۸)

صاحب منار نے قرآن فی الذکر کو وجوہ فاسدہ سے شمار کیا ہے پچنانچہ فرماتے ہیں:

وقیل ان القرآن فی النظم یحرف الواو یوجیل القرآن فی الحکم۔ بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو واجب کرتا ہے۔

اور ملا جیون رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وهذا وجہ رابع من الوجوہ الفاسدۃ۔ اور یہ وجوہ فاسدہ میں سے چوتھی قسم ہے۔ (نور الانوار ص ۱۶۱)

کیا سرفراز صاحب کا فریب اب بھی مخفی رہے گا؟ کیا دیدہ بینا پریر امر آفتاب سے زیادہ واضح نہیں ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا استدلال وجوہ فاسدہ پر مبنی ہے۔ اور جس کا مبنی فاسد ہو۔ وہ فاسد نہیں تو اور کیا ہوتا ہے۔ مثلاً علامہ بیضاوی عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ عبادت مدد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے۔

وقدمت العبادة علی الاستعانة لیتوافق ذوس الایۃ ویعلم منہ ان تقدیم الوسیلۃ علی طلب الحاجۃ ادعی الی الاجابۃ۔ عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا گیا تاکہ رعایت فواصل ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وسیلہ کو مقصود پر مقدم کرنا مقبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر بیضاوی ص ۷)

قرآن فی الذکر وجوہ سے فاسد ہے

پس جب ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر عبادت اور سبب اور استعانت سبب ہے تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔

رابعاً چلئے ہم خود سرفراز صاحب سے منوائے دیتے ہیں کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ تنقید متین ص ۲۸ پر انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں استعانت جائز ہے۔ اور اس کو وہ ظاہری استعانت کہتے ہیں۔ حالانکہ زندہ اور قریب کی ظاہری عبادت تو کسی طرح جائز نہیں۔ پس اب اگر عبادت اور استعانت دونوں کا ایک حکم نہیں تو جس طرح ظاہری استعانت بالغیر بقول ان کے جائز ہے تو ظاہری عبادت بالغیر بھی جائز ہونی چاہیئے اور اگر ظاہری عبادت بالغیر ناجائز ہے تو ان کو ظاہری استعانت بالغیر سے بھی ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

پس اگر وہ اس ظاہری استعانت کو شرک قرار دیں تو خود مشرک ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ ظاہری استعانت جائز ہو تو ان کا قاعدہ ٹوٹتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک ہی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ غیر اللہ سے ظاہری استعانت جائز ہے اور غیر اللہ کی عبادت ظاہری باطنی، حقیقی، مجازی کسی طرح جائز نہیں ہے۔ صہیونی تحریف کے سہارے دیوار بنانے والوں کی عمارت کا یہی حال ہوتا ہے۔ بھوٹ کا محل کسی وقت بھی گر کر بھوٹے کو بیوند زمین کر دیتا ہے۔

سرفراز صاحب محاسب سے بے خوف ہو کر من مانی تفسیروں سے روح قرآن پر زنا چلا رہے تھے۔ لیکن اب ان کا یوم حساب آپہنچا ہے۔ انہوں نے قرآن میں جس قدر تحریفات کی ہیں۔ ایک ایک کر کے ان کا مواخذہ ہو گا۔ نشہ گراہی میں سرمست قلم توڑ دیا جائے گا۔ اور ان کی مجرمانہ خیانتوں پر عبرتناک تعزیر دی جائے گی۔

مظہر افعال و صفات

حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے فرمایا کہ آلات

نہام احباب وغیرہ عون الہی کے مظہر ہیں۔ نیز فرمایا:

مقربان حق کی امداد، امداد الہی ہے۔ اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”اسی طرح مولانا نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق

کی امداد، امداد الہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ سراسر مردود ہے۔

کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کا غیر ہے اور

وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں۔ ہاں یہ کہ عیسائیوں

کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈ مڈ کر دیا جائے۔ اور

اثینیت ختم کر دی جائے۔ تو معاملہ الگ ہے۔“ (تنقید متین ص ۲۶)

الجواب۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فلما اٹھا نودی من شاطئ الوادی الامین فی البقعة المبارکة

من شجرة ان یوسی ائی انا اللہ رب العلمین

سوجب وہ اسی آگ کے پاس پہنچے۔ تو ان کو اس میدان کی داہنی جانب سے (جو کہ موسیٰ کی داہنی جانب تھی) اس مبارک مقام میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ

میں اللہ رب العالمین ہوں۔ (ترجمہ تھانوی صاحب کا ہے)

اب تو کیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو درخت میں گڈ مڈ کر دیا اور اثینیت

ختم کر دی۔ یا صدر الافاضل کی بات پر ایمان لا کر کیسے کہ درخت کلام الہی کا مظہر

نقا۔ اور درخت سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنائی دے رہا تھا۔

حدیث شریف میں ہے:

فاذا جبتہ فکنت سمعاً الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ الذی یدبش

بھا و سجلہ الذی یمشی بہا۔

پس جب میں اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں

ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اور

(الحديث)

(مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

اسکے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے

اور پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

اب ذرا سرفراز صاحب سے پوچھیے کہ اگر حق تعالیٰ کے انحال و صفات کا مظہر ہوتا۔ عیسائیت اور آئینیت کو ختم کر دینا اور ذات کو گمراہ کر دینا ہے تو یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندہ محبوب کو اللہ تعالیٰ کے تصرفات کا مظہر قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے۔ کیا یہ عیسائیت کی تعلیم ہے۔ ممکن ہے گھڑوفی صاحب کے ذہن میں مظہر بیت کے خلاف کوئی اور معنی راہ پائے۔ پس ہم اتمام حجت کے لئے اس حدیث کے ذیل میں انور شاہ کشمیریؒ کے کلام کو پیش کرتے ہیں وہ اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فاذا صح الشجرة ان ينادي فيها يا بني انا الله فما بال المتصوف بالنوافل ان لا يكون الله سمعه وبصره كيف وان ابن ادم الذي خلق على صورة الرحمن ليس بآدم من شجرة موسى عليه السلام -

(فيض الباری ج ۲ ص ۲۲۶)

اب آپ کو اجازت ہے کہ پورے شرح صدر سے مظہر بیت خداوندی کو عیسائیت قرار دے کر انور شاہ کشمیری کو جہنم میں پہنچا دیجئے۔ یہ کیسا ظلم ہے کہ جو بات آپ کے سلف کی کتابوں میں موجود ہے وہ سب ایمان و عزمان رہے اور وہی بات اگر ہمارے اسلاف بیان فرمائیں۔ تو کفر و شرک ہو جائے۔ مزید توضیح کے لئے امام فخر رازی متوفی ۶۰۶ھ کا وہ نورانی بیان ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے اسی حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

وهذا الخبر يدل على انه لم

يبق في سمعهم نصيب لغير الله

ولاني بصوهم ولاني سائر اعضائهم

اذ لم يبق هناك نصيب لغير الله

تعالى لما قال انا سمعه وبصره -

آگے چل کر فرماتے ہیں:

ولهذا قال علي بن ابي طالب كرم

الله وجهه ما قلعت باب خيبر

بقوة جسدانية ولكن بقوة

ربانية وذلك لان عليا كرم

الله وجهه في ذلك الوقت انقطع

نظره عن عالم الاجساد و

اشرفت الملائكة بانوار عالم

الكبرياء فتقوى روحه و

تشبه بجواهر الالواح الملكية

وتلذذات فيه اضواء عالم

القدس والعظمة فلا حرم

حصل له من القدرة ما قدس

بها على ما لم يقدر عليه غيره

وكذلك العبد اذا واظب

على الطاعات بلح المقام

الذي يقول كنت له سمعاً

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے

کہ مقررین کی آنکھوں کا نور بلکہ تمام اعضاء

میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا

اس لئے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے

حصہ باقی رہا ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ

میں اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں۔

اور اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ

جمالی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت

سے اکھاڑا تھا۔ اور اس کی اصل وجہ یہ تھی

کہ اس وقت حضرت علی کی نظر عالم اجساد

سے منقطع ہو چکی تھی۔ اور ملکی قوتوں نے

حضرت علی کو عالم کبریا کے نور سے چمکادیا

تھا جس کی وجہ سے ان کی روح قوی ہو کر

ارواح ملکیت کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت

حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی۔

اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر پیشگی

اختیار کرتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا

ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت

لہ سمعاً و بصراً فرمایا ہے۔ اور جب اللہ

تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا

دبصوا إذا صار نور جلال الله سمعاً
له سمع القريب البعيد إذا صار
ذلك النور بصراً له رأى القريب
البعيد وإذا صار ذلك النور بذاً له قد
على النصف في الصعب السهل البعيد التقرب
(تفسير کبیر ج ۵ ص ۴۶)

علامی قاری رحمہ اللہ متوفی ۱۰۱۴ھ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:
پس وہ مقرب شخص یہ اعتقاد کرتا ہے کہ
کہ اس کی سمع، بصر اور تمام قوی کے کمالات
حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سمع اور بصر اور
قدرت و قوت کے امتیاز سے ہیں۔ رہا وہ
بندہ تو وہ معدوم محض ہے۔
(مرقاۃ المفاتیح ج ۵ ص ۵۵)

اور یہی مظہریت حق تعالیٰ کا معنی ہے کہ بندے کی اپنی ذات اور اس
کے افعال فنا ہو جائیں اور اس کی سمع، بصر وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال
ظاہر ہوں۔

”استعانت کی تفسیر صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز سے

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں ایسا کئی نکتے کے تحت فرماتے
ہیں:

لیکن دیرنجا باید فہمید کہ استعانت
از غیر بوجہی کہ اعتماد بر او غیر باشد
وادر مظہر عون الہی نہ اند حرام است
و اگر استعانت محض بجانب حق

لیکن یہاں یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ
غیر اللہ سے استعانت اس وقت حرام
ہوگی جب اسی پر بھروسہ کرے اور
اس کو مدد الہی کا مظہر نہ جانے لیکن

است و اور ایک از مظاہر عون دانستہ
و نظر بکار خانہ اسباب و حکمت
او تعالیٰ در آن نموده بغیر استعانت
ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد
بود و در شرع نیز جائز و درست است
و انبیاء و اولیاء این نوع استعانت
بغیر کردہ اند و در حقیقت این نوع
استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت
بحضرت حق است لا غیر۔

اگر تو جبہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ
کو مظہر امداد سمجھتا ہو اور اسباب و حکمت
الہی کو پیش نظر رکھے اور غیر اللہ سے استعانت
ظاہری کرے تو یہ عرفان الہی سے بعید
نہیں ہے اور شریعت میں بھی جائز ہے
اس قسم کی استمداد انبیاء و اولیاء نے
بھی غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت
میں یہ استمداد غیر سے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ
سے ہی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی شخصیت کو تمام امت دیوبند اپنا
پیشوا تسلیم کرتی ہے۔ سرفراز صاحب ان کے ہم مشرب علماء شاہ صاحب کی
عبارتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ اور شاہ صاحب کا فیصلہ فریت دیوبند
کے حق میں حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ آپ
شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تفسیر کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر کے ساتھ
ملاحظہ فرمائیے:

صدر الافاضل رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھو
شاہ صاحب نے فرمایا۔ و اگر التفات محض بجانب حق است (اور اگر تو جبہ
محض اللہ کی طرف ہو)۔

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات
عظام و احباب عون الہی کا مظہر ہیں۔۔۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ و اور ایک از مظاہر عون (مدد) دانستہ (یعنی غیر اللہ
کو عون الہی کا مظہر سمجھو)

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ مقربان حق کی امداد، امداد الہی ہے۔

استعانت بالغیر نہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ درحقیقت اس نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است (لاغیر) اور حقیقت میں استعانت کی یہ قسم استعانت بالغیر نہیں۔ بلکہ حق سبحانہ سے ہی استعانت ہے۔

صدر الافاضل نے فرمایا۔ اگر یہ استعانت ناجائز ہوتی تو احادیث میں اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ وانبیاء واولیاء اس نوع استعانت بغیر کردہ اند۔ (اور انبیاء واولیاء نے اس قسم کی استعانت غیر اللہ کی ہے)۔

آپ نے غور فرمایا کہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کئی تفسیر میں شاہ صاحب کی تفسیر کا ہی خلاصہ پیش کیا ہے۔ اور اسی تفسیر کے بارے میں سرفراز صاحب نے یہ کہہ کر حق فرزند ادا کر دیا کہ:

”مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جہان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے۔ وہ بجائے خود قابل صد نفرت ہے“ (تنقید متین ص ۲۷)

ٹھیک ہے دیوبند کے جس گوارے میں سرفراز صاحب نے تربیت حاصل کی ہے۔ وہاں ایسے ہی اڈابِ فرزند کی سکھائے جاتے ہیں۔ جس اسکول میں نبی کے علم کو جانوروں اور مجنوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو۔ وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرت کہنا نہ سکھایا جائے گا تو اور کیا ہوگا۔

استعانت کی بحث میں حرف آخر شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

لابدست از استمداد بروح نہ خست
نبی علیہ السلام سے استعانت کئے بغیر چارہ نہیں۔
(شرح الطیب انعم)

قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند لکھتے ہیں:

مدد کرے کرم احمدی کہ تیرے سوا

نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اہل سنت اگر ایں نوئی بقوۃ (میری قوت سے مدد کرو) سے جواز استمداد کا قول کریں۔ تو آپ فرماتے ہیں:

”کہ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء واولیاء

شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ

ہوتے ہیں اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت

شرک ہے“ (تنقید متین ص ۲۹)

اور شاہ ولی اللہ صاحب اور قاسم نانوتوی نے انہیں استعانت کی ہے۔ تو بتلائیے آپ کے نزدیک وہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ یہی وہ شاہ ولی اللہ صاحب ہیں جن کی عبارتوں کو بے سوچے سمجھے نقل کر کے آپ نے تنقید متین کے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ جن کی عبارتوں کو نقل کرنے سے آپ کی دکان چمکتی ہے۔ جن کا نام لینے سے آپ کا ریٹ بڑھتا ہے۔ پھر آخر کچھ تو حق نمک کا پاس کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ لِمَنْ یَشْرَکْ بِہٖ۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشتے گا۔

پھر آپ نے شاہ ولی اللہ اور مولوی قاسم کو مشرک قرار دے کر ان پر دروازہ مغفرت کو ہمیشہ کے لئے بند نہیں کر دیا۔ اور جب سرخیل دیوبند ہی مشرک قرار پایا تو باقی اتباع اور از ناب کس طبقہ میں ہوں گے؟

اب ہم اس بحث کو سید العارنین ابن عربی کے قول پر ختم کرتے ہیں۔ جسے علامہ شعرانی نے نقل کیا ہے:

قال دائما القطب الواحد فهو روح
ابن عربی نے کہا کہ ہر حال قطب واحد
محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام انبیاء واولیاء

لجميع الانبياء والمرسلين الاقطاب
من حين النشأ الانساني الى يوم
القيامة - والله اعلم -
اور اقطاب کے ابتداء و فریش انسانیت
سے لے کر یوم قیامت تک کے لئے مرد
ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے۔

(الیواقیت الجواہر ج ۲ ص ۸۲)

اس عبارت تک پہنچنے کے بعد بھی اگر سرفراز صاحب کے ہوش و حواس قائم
رہے۔ تو ان سے معروض ہے کہ الدین النصیحة کے طور پر ہم نے مسئلہ استعانت
کو کتاب و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں واضح تر بیان کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ - شاہ عبدالعزیز - سید محمد علی - محمد قاسم نانوتوی - محمود حسن دیوبندی
اور دیگر سلف دیوبند جنہیں سرفراز صاحب اپنے دین و ایمان کا مرکز سمجھتے
ہیں۔ ان تمام حضرات کے اقوال سے مافوق الاسباب امور میں اور اولیاء اللہ
سے بعد الوصال استعانت کو ثابت کر دیا ہے اور اب سرفراز صاحب کے لئے
صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو ان تمام کو مشرک قرار دے کہ واصل فی النار کر دیں۔ اور
اگر انہیں مشرک نہیں سمجھتے۔ تو خود اپنی گمراہی سے تائب ہوں۔ دنیا کے جھوٹے
قرار اور شہرت کی طلب میں ہمیشہ ہمیشہ کی دولت کا خطرہ مول لینے سے گریز
کریں۔ اور حق و صداقت کی راہ اختیار کر لیں۔

چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل
کے علم و فضل پر جو طعن کیا تھا۔ بالآخر اس کی شہامت نے ان کا منہ سیاہ کر کے
چھوڑا۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے شرک کی تعریف میں ٹھوکر دوں پر ٹھوکریں کھائیں۔
بہر حال ہم نے الدین النصیحة کے مطابق ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی
ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔



ضاد کا مخرج

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے غیر المغضوب علیہہ کی تفسیر
میں فرمایا: مسئلہ۔ جو شخص ضاد کی جگہ ظاء پڑھے۔ اس کی امامت بائز
نہیں (محیط برہانی)

سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کی اس مختصر تفسیر پر کئی طرح سے پیچ و
تاب کھایا ہے۔ لیکن یہ تحریر ان کے گلے میں جا کر اس طرح پھنسی ہے۔ نہ
اگلے بن پڑتی ہے اور نہ نکل کر ہی وہ آرام پاسکے۔ اس عبارت پر ان کا ایک
اعتراض یہ ہے کہ محیط برہانی کا مجمل حوالہ دیا گیا۔ تفصیل ذکر نہیں کی۔ دوسرا یہ کہ
مطلقاً ایک حرف کو دوسرے سے بدلنے کا یہی حکم ہے۔ پھر ضاد کی تخصیص
کی کیا وجہ ہے۔ تیسرا یہ کہ مسئلہ امام و مقتدی سب کے لئے یکساں ہے۔ پھر امام
کی تخصیص کیوں کی۔ پھر ان اعتراضوں کے ضمن میں سرفراز صاحب نے اپنے
ناقص مطالعہ اور علمی بے مائیگی کی وجہ سے جو ٹھوکریں کھائی ہیں۔ وہ بیان سے باہر
ہیں۔ ہم انشاء اللہ العزیز اس بحث کے ضمن میں ان خامیوں کی طرف اجمالی
اشارے کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق۔

مجل حوالہ کا جواب | صدر الافاضل سے آپ کو یہ شکایت ہے۔ کہ
انہوں نے محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کیا۔ میں
کہتا ہوں کہ کیا آپ اور آپ کے معنوی آباء و اجداد نے کبھی کسی کتاب کا مجمل حوالہ
پیش نہیں کیا۔ پھر صدر الافاضل پر غیظ و غضب کا اظہار کیوں ہے۔ بلکہ فتاویٰ
رشیدیہ کو اگر آپ نے جانبداری کی عینک اتار کر دیکھا ہوتا۔ تو پتہ چلتا

پورے قباوی رشیدیہ میں بکثرت قباوی بغیر کسی حوالے کے مذکور ہیں۔ پھر مجمل حوالے تو ایک طرف رہے۔ آپ کے سلف تو بے بنیاد اور خلاف واقع حوالے پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ کے اکابر نے سیف النقی میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے والد صاحب کے نام سے ایک کتاب تحفۃ المقلدین اختراع کی۔ ایک کتاب ہدایۃ البرنیہ کے نام سے ایجاد کی۔ پھر مزید ترقی کی اور مرآۃ الحقیقۃ کے نام سے ایک کتاب غوث اعظم کی طرف منسوب کر کے وضع کی۔ کاش صدر الافاضل پر مجمل حوالہ کے طعن کرنے سے پہلے آپ نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی ہوتی۔ آپ کے معنوی والد اشرف علی صاحب قباوی نے تفسیرات احمدیہ کے منہیات کا حوالہ پیش کیا۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں۔ باقی یہ کہہ دینا کہ ضرور ان کے پاس کوئی منہیات والا نسخہ ہو گا دل کے بہلانے کے لئے کافی ہے۔ دلائل و براہین کی دنیا میں اس سے کام نہیں چلتا۔ ایسی بے سرو پاتیاں کہہ کر آپ صرف شاگردوں اور معتقدین کے زمرہ میں بیٹھ کر داد و تحسین حاصل کر سکتے ہیں۔ استدلال کے میدان میں ان احتمالات کی لیکھ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

صدر الافاضل کا حوالہ مجمل ہے۔ پھر کیا ہوا۔ بات تو تب تھی کہ آپ کہتے کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ اور اسے ثابت کرتے۔ شکر کیجئے۔ صدر الافاضل نے تفصیل نہیں کی۔ ورنہ آپ کو مہنگی پڑتی۔ اگر نہیں مانتے تو لیجئے تفصیل حاضر ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

وفي المحيط سئل الامام الفاضل
عن يقرأ الظاء المعجمة مكان
الضاد المعجمة او يقرأ اصحاب
الجنة مكان اصحاب النار او عبي
اور محیط میں ہے کہ امام فضلی سے سوال کیا گیا
کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظا
یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے
فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں (اور

العكس فقال لا تجوز امامته و
لو تعدد يكفر۔
اور اگر تصدأ ایسا کرے تو کافر ہے۔
(شرح نقۃ اکبر ص ۱۶۷)

صدر الافاضل نے تو فقط یہ فرمایا تھا کہ ضاد کو ظا سے بدلنے والے کی امامت جائز نہیں۔ اور صاحب محیط نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے کہ ایسا عمداً کرنے والا کافر ہے۔ آخر کار آپ نے اپنے آپ کو کافر منوا کے چھوڑا۔ یہی وہ عبارت ہے۔ جس کو سرفراز صاحب بھی مدہوشی میں بطور ان کی اپنی کتاب میں نقل کر چکے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے جو کچھ نقل کیا۔ وہ ملا علی قاری کا کلام ہے۔ اور ہماری گفتگو اس وقت محیط کی اصل عبارت میں ہے۔

منیۃ المصلیٰ کی عبارت میں خیانت
اس بحث میں سرفراز صاحب نے کامل بددیانتی سے کام لیتے ہوئے منیۃ المصلیٰ کی اس عبارت کا ذکر تو کر دیا۔ جس کو صاحب منیۃ نے بعض مشائخ سے نقل کیا ہے۔ اور اس سے چند سطر اوپر والی عبارت چونکہ ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھی۔ اس لئے اس کو کلیۃً ترک کر دیا جب کہ اس عبارت کو صاحب منیۃ نے اکثر ائمہ کا معتد علیہ قرار دیا ہے۔ دیکھئے یہ وہ عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب نے نقل کیا:

وذكر في الذخيرة اذ لم يحسن
بين الحرفين اتحاد في المخرج
ولا قرب الا الله فيه بلوى
عامۃ نحو ان ياتي بالذال مكان
الضاد او ياتي بالزاي المحض مكان
الزال او الظاء مكان الضاد لا يفسد
عند بعض المشائخ۔
ذخیرہ میں مذکور ہے جب کہ دو حرفوں میں نہ
تو اتحاد فی المخرج ہو۔ نہ قرب ہو مگر اس میں
بلوی عامہ ہو۔ مثلاً ضاد کی جگہ ذال یا ذال
کی جگہ زائے محض کو یا ضاد کی جگہ ظا
کے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد
نہ ہوگی۔ وہ یہ ہے۔
(منیۃ المصلیٰ ص ۱۱۸)

اما اذا تراءى مكان الذال ظاء او مكان
الصناد ظاء او على القلب تفسد
الضملة وعليه اكثر الائمة -
بہر حال جب ذال کی ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء
پڑھا۔ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اس پر
اکثر ائمہ کا مسلک ہے۔

(منیۃ المصلی ص ۱۱۸)

عبارات فقہاء کی توضیح | سرفراز صاحب کی اس خیانت کو ظاہر کرنے کے
بعد اب ہم ضاد کی جگہ ضار پڑھنے پر تفصیلی
گفتگو کریں گے۔ جس سے انشاء اللہ ظاہر ہو جائے گا کہ فقہاء کرام کی عبارتوں
میں جو بظاہر اختلاف پایا جاتا ہے۔ جسے سرفراز صاحب غوغا سے تعبیر کرتے
ہیں۔ حقیقت میں یہ سب ایک ہی بات پر متفق ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم ان
مختلف اقوال میں تطبیق کے لئے تمہید شروع کریں۔ ان اختلافات کی نشاندہی
کئے دیتے ہیں۔

۱۔ امام فضلی نے جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا۔

۲۔ اکثر ائمہ نے فساد نماز کا سبب قرار دیا۔

۳۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے جیسا
کہ کتب اصول میں تحریر ہے :

دھوا سم للنظم المعنی جمیعاً۔

(تورالانوار ص ۹، حسامی ص ۶)

قرآن۔ لفظ اور معنی دونوں کے مجموعہ کا
نام ہے۔

پس جس شخص نے قرآن کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تو اس
صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اس تبدیلی شدہ لفظ کی نظیر قرآن میں موجود ہوگی۔ اور معنی
بھی مناسب ہوگا۔ اور یا اس کی نظیر قرآن میں نہ ہوگی۔

پہلی صورت میں لفظ نہ بدلا۔ اور نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ
کی ظاء کو ضاد سے بدل کر لیغیض پڑھے۔ کیونکہ لیغیض کی نظیر لیغیض الماء قرآن

میں موجود ہے۔ اور معنی بھی مناسب ہے۔ کیونکہ لیغیض کا معنی ہے ”کم ہونا“ پس
لیغیظ بہم الکفار کا معنی ہے ”تاکہ کفار کو جلا دے“ اور لیغیض بہم
الکفار کا معنی ہے ”تاکہ کفار کو کم کر دے“ اور ان کی مناسبت ظاہر ہے۔

اور دوسری صورت میں یعنی حرف بدل گیا ہو۔ اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود
نہ ہو۔ پس لفظ تو بہر حال مغیر ہو گیا۔ اور معنی کے اعتبار سے تین احتمال ہیں۔ یا تو
لفظ بدل دینے کے بعد بھی اصل معنی برقرار رہا۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ میں ظاء کی
جگہ ذال پڑھے۔ کیونکہ دونوں کا ایک معنی ہے۔ قاموس میں ہے المغتاذ المغتاض
پس اس صورت میں صرف لفظ بدلا ہے۔ معنی نہیں بدلا۔ لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور
اگر اصل معنی باقی نہ رہا تو یا تو تبدیلی کے لفظ مہمل رہ جائے گا یعنی اس کا کوئی معنی نہ
ہو جیسے مغضوب میں کوئی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے۔ کیونکہ اس لفظ کا کوئی معنی نہیں۔
غنیۃ المستمل میں ہے۔ غظب بالظاء لیس لہ معنی اور یا اس لفظ کا معنی تو ہوگا۔
مگر یہ معنی لفظ قرآن کے خلاف اور اس کا مغیر ہوگا۔ جیسے کوئی شخص تملذ کی ذال
کو ظاء سے بدل کر تملظ پڑھے کیونکہ تملذ لذت سے ماخوذ ہے۔ اور تملظ کا معنی

لذوم ہے۔ (شرح المنیۃ ص ۲۲۹)

پس آخری دو صورتوں میں بھی جس نے مغضوب کی جگہ مغلوب پڑھا یا تملذ کی
جگہ تملظ پڑھا۔ قرآن کا لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے۔ پس یہ وہ الفاظ نہیں۔
جنہیں اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا۔ اور جنہیں جبرائیل
امین نے حضور پر اور حضور نے صحابہ پر پڑھا۔ اور ان پر غیر قرآنی الفاظ کو پڑھنے
والا تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ عداً غیر قرآن کو قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے۔ اور
یہ کفر خالص ہے۔ اور من اتروی علی اللہ کن یا (اللہ تعالیٰ پر جہان بوجھ کر)
جھوٹ بولنا کے تحت داخل ہے۔ پس جن فقہاء نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو
کفر قرار دیا۔ وہ اسی صورت پر محمول ہے۔ اور یا وہ غیر قرآن کو غیر قرآن سمجھتا ہے۔
لیکن عداً نماز میں قرآنی کلمات (یعنی انسانی کلام) کو داخل کرتا ہے۔ پس اس

کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ انسانی کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان صلاتنا هذه لا یصلح فیہا تحقیق ہماری ان نمازوں دنیاوی باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔

اور اکثر ائمہ کرام جنہوں نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو فساد نماز کا سبب قرار دیا۔ اسی صورت پر محمول ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے۔ لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ پس اس صورت میں عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ کیونکہ لا یصلح اللہ نفساً الا وسعہا۔ (اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی قیادت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ اور بعض مشائخ جنہوں نے کہا ہے نماز فاسد نہ ہوگی۔ ان کا قول اسی صورت پر محمول ہے۔

فقہاء کرام کی عبارتوں کو سوجھے بغیر سرفراز صاحب کا انہیں غوغا سے تعبیر کرنا۔ چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور ان کا تفصیل تفصیل کی رط لگانا حقیقت میں ان عبارات کو سمجھنے کے لئے تھا۔ جو بہر حال ہم نے انہیں سمجھا دی ہیں۔ لیکن استفادہ کا یہ انتہائی غیر عمود طریقہ ہے۔ جسے دیوبند کے اس فاضل نے ایجاد کیا ہے۔

دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف صدر الافاضل کی تفسیر نقل کرنے کے بعد

سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والوں کی امامت جائز نہیں۔ تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی“ (تنقید متین ص ۴۰)

سوال یہ ہے کہ یہ اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہی کیوں ہیں۔ کیا انہیں قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہوئے کوئی خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں کہتے کہ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں کوئی حیا نہیں آتی۔ اور کذب باری کا عقیدہ (دیوبندیوں کے خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے) کیا۔ اسی عذر کے لئے تو ایجاد نہیں کیا تھا۔

عموم بلوی کا جواب نام نہاد اہل حق کی اسی تحریف پر عذر لنگ پیش کرتے ہوئے سرفراز صاحب قاضی خان کی عبارت بے سمجھے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوا کہ ضاد۔ ظاء اور ذال کو عموم بلوی اور تمیز میں مشقت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مقام پر پڑھنے میں وسعت دی گئی ہے۔ کہ اگر الضالین کو الظالین پڑھا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی“ (تنقید متین ص ۴۳)

اولاً تو یہ فقہاء کرام پر محض بہتان ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق ضاد کو ظاء پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ سرفراز صاحب نے قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کے لئے یہ من گھڑت بات لکھی ہے۔ ورنہ فقہاء کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ کہ وہ تحریف خالص اور کفر صریح کی اجازت دیں۔

ثانیاً یہ کہ الضالین کو الظالین پڑھنے کا سبب تو آپ نے مخارج میں عدم تمیز قرار دیا ہے۔ تو کیا پورے دیوبند کے قرأت خانہ میں ایک بھی قاری ایسا نہیں جو الضالین کو الظالین پڑھے۔ اور دیوبند کے اکابر و اصاغریں کوئی بھی ایسا نہیں جو ضاد اور ظاء کے مخارج اور صفات میں تمیز کر سکے۔ قرآن میں تحریف کی بنیاد آپ نے رکھی بھی تو ایسی رکھی جس نے پوری امت دیوبند کی بے علمی کا لاز فاش کر دیا۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوا کہ حرف ضاد اور ظا کی تمیز خاصی مشکل ہے

اور ان کی ادائیگی میں خاصی مشقت ہوتی ہے“ (تنقید متین ص ۴۲)

اور یہی بات ہم آئندہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اہل دیوبند کو ضاد اور ظا کے محارج میں تمیز نہیں ہے۔ عوام تو غیر عوام ہیں۔ ان کے علماء کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ نہیں۔ کہ ضاد کس طرح پڑھا جاتا ہے۔ نیز دیوبند کے علماء کی غلطی پر عموم بلوی سے استدلال کرنا بھی عجیب بھونڈی منطقی ہے۔ اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عموم بلوی سے عوام کے لئے حکم ثابت ہوتا ہے خواص کے لئے نہیں۔ کیا دیوبند کے تمام علماء اور قاری حضرات عوام میں داخل ہیں کہ ان کی بے تمیزی اور غلط پڑھنے کو عموم بلوی کی وجہ سے معاف کر دیا جائے۔

مثلاً یہ کہ فقہاء کرام نے خطا اور سیانہ ضاد کی جگہ ظا پڑھنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ نہ کہ عمداً ظا پڑھنے والے کو اور ذریت دیوبند نہ صرف یہ کہ عمداً ظا پڑھتی ہے۔ بلکہ وہ ظا پڑھنے پر اصرار کرتی ہے۔ اور اس نے اس تحریف کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ جیسا کہ سرفراز صاحب کو بھی اقرار ہے۔

”کہ اہل حق ضاد کی جگہ ظا پڑھتے ہیں“

اور جو عمداً ضاد کی جگہ ظا پڑھے اس کی نماز بہر حال فاسد ہے۔ بلاخلف فرمائیے۔

اسی بحث میں ہے فقہاء فرماتے ہیں:

غیر المغضوب بالظا والظالمین
بالذال اربا الضاد قال بعضهم
لا تفسد هم اربا القاسم الضغار
ومحمد بن سلمة وكثير من
المشاخ اختوا به لعموم

غیر المغضوب کو ظا سے پڑھنا یا ظالمین کو
ضاد سے پڑھنا۔ بعض نے کہا کہ اس سے
نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور وہ ابو القاسم الضغار
اور محمد بن سلمہ ہیں اور بہت سے مشائخ نے
اس پر عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ کیونکہ

البلوی فان العوام لا يعرفون
مخارج الحدود وقال امام ابو
الحسن والقاضی الامام ابو العاصم
ان تعد ذلك تفسد ان جوی علی
لسانہ اولم یکن ممن یميز بین الحرفین
(خزانة المفتی)

خزانة الاكمل کی اسی بحث میں ہے:

اذا قرء مکان الظا ضاد او مکان الضا
ظاء فقال القاضی المحسن الاحسن
ان يقال ان تعد ذلك تبطل
صلاته عالمًا كان او جاهلاً اما
لو كان مخطئاً اراد الصواب فجری
هلکذا علی لسانہ اولم یکن مہتم
بميز بین الحرفین فظن انه ادى
الکلمة کما هی فعی غلط جائت به

الصلوة۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۴۱، رد المحتار ج ۱ ص ۴۴۴)

ان عبارات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا ہے کہ ضاد کی جگہ ظا پڑھنا بہر کیف
غلط ہے۔ اگر یہ غلطی دیدہ دانستہ کی گئی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر بے علمی
اور عدم تمیز کی بناء پر یہ غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور جن عبارتوں کو سرفراز
صاحب ضاد کی جگہ ظا پڑھنے کے جواز پر لائے ہیں۔ ان کا اس کے سوا اور
کوئی عمل نہیں ہے۔ اور سرفراز صاحب نے جس طرح ضاد کی جگہ ظا پڑھنے کی
ترغیب دی ہے۔ وہ قرآن میں تحریف کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت ہے
اور اسرائیلی کو شش ہے۔ یہ قرآن کو قرآن قرار دینے کا ایک کلیسیائی حربہ

ہے۔ اور ہم سطور سابقہ میں محیط برہانی کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس طرح ضاد کی جگہ ظا پڑھنا کفر خالص ہے۔ اور دمن اظلم من اختری علی اللہ کہ با کا مصداق ہے۔

ضاد کو عمداً ظا پڑھنا کفر ہے محیط برہانی کا حوالہ شرح فقہ اکبر سے نقل کرنے کے بعد اب ہم اس موضوع پر

صاحب جامع الفصولین کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

يقراء الظاء مكان الصاد ديقراء
كيف شاء واصحاب اللجنة مكان
اصحاب النار لم تجز امامته و
لو تعمد كفر۔
جو آدمی ضاد کی جگہ ظا پڑھے اور اصحاب الجہنم کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ اس کی امامت تو بہر حال جائز نہیں (خواہ عمداً پڑھے یا سہواً) اگر عمداً پڑھتا ہے تو کافر ہو گیا۔

(جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۶)

اب ذرا سرفراز صاحب منظر قیامت کو سامنے رکھ کے اور خوف آخرت کو دل میں جگہ دے کر غور کریں کہ مسئلہ تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے پھر صاحب جامع الفصولین نے امام کا مسئلہ بالخصوص کیوں ذکر کیا۔ صدر الافاضل پیر سرفراز صاحب نے اس اعتراض کی بناء قائم کر کے جو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی ہے۔ اور منہ پھٹ ہونے کی وجہ سے جو منہ میں آیا کتنے چلے گئے ہیں۔ کیا اس تمام یا وہ گوئی کا رجوع صاحب جامع الفصولین کی طرف نہیں ہوتا۔ یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اگر صاحب جامع الفصولین صرف امام کا مسئلہ بیان کریں۔ تو آپ کے صبر و اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہی بات صدر الافاضل نے فرمائی تو آپ اس طرح چیخ اٹھتے۔ جیسے قصردیو بند میں زلزلہ آگیا ہو۔

حرف ضاد کی تخصیص کا جواب رہا نگہبندی صاحب کا یہ اعتراض کہ فقہاء کرام کا یہ ضابطہ تو تمام حروف

کو شامل ہے۔ پھر ضاد اور ظا کا مسئلہ ہی کیوں بیان کیا۔ جواب یہ ہے کہ

اول تو خصوصیت مقام قرینہ ہے۔ کیونکہ ولا الضالین میں ضاد کا ذکر ہے۔ اور ضاد کے ظا سے ملتیں ہونے کا ثابہ تھا۔ اس لئے اس کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ ثانیاً یہ کہ چونکہ دیوبند کے اہل حق نے قرآن میں تحریف کرنے کے لئے حرف ضاد کو خاص کر لیا ہے۔ اس لئے صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بھی بالخصوص ضاد کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ امام نے جواز مسح خفین کے اعتقاد کو اہل سنت کی علامت قرار دیا ہے۔ حالانکہ دوسری سنتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن چونکہ متبیین شدت کے ساتھ موزوں پر مسح کا انکار کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے جواز مسح کو اہل سنت کی علامت قرار دیا۔ نہ کہ باقی سنتوں کے بل پر جواز کو حالانکہ ان کا بھی یہی حکم ہے۔

ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۲ھ فرماتے ہیں:

سئل ابو حنیفۃ رحمہ اللہ علیہ
عن مذهب اهل السنۃ الجماعۃ
فقال ان تفضل الشیخین ای ابابکر
وعمر رضی اللہ عنہما وتحب الختین
ای عثمان وعلی رضی اللہ عنہما
نوی المسح علی الخفین وتصلی
خلف کل برزق لجر۔
امام ابو حنیفہ سے مذہب اہل سنت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ شیخین یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو فضیلت دو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو دادوں یعنی عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے محبت کرو۔ اور موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد رکھو اور ہر نمیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

(شرح فقہ اکبر ص ۷۹)

اگر آپ کو ضاد کی خصوصیت سے شکوہ ہے۔ تو قرآن کریم کے اس خاص حرف میں تحریف کرنا چھوڑ دیجئے۔ ہم بھی آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔

امامت کی تخصیص کا جواب باقی رہا یہ کہ مسئلہ امام و مقتدی سب کے لئے یکساں ہے۔ تو امام کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ جب یکساں ہے۔ تو خواہ امام کے بارے

میں بتایا جائے یا مقتدی کے بارے میں کیا فرق پڑتا ہے۔ بلکہ مقتدی کی نسبت
امام کے لئے مسئلہ بیان کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ مقتدی کی نماز فاسد
ہونے سے ایک کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز کے فساد سے تمام مقتدیوں کی
نماز فاسد ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں امام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام کو عالم اور فاضل
ہونا چاہیئے۔ بخلاف عوام کے کیونکہ اقتداء کے لئے تجوید و قرأت کا جاننا
ضروری نہیں ہے۔ بات تو بالکل سیدھی اور صاف تھی۔ ناراضگی کی وجہ نہ تھی۔ مگر
شاید آپ کو اپنی امامت کا خطرہ پڑ گیا تھا۔ کہ اگر لوگ اس حقیقت پر مطلع ہو گئے
کہ مناد کو غلا پڑھنے والے کی امامت صحیح نہیں۔ تو پھر آپ کی امامت جاتی رہے
گی۔ اور روٹیوں کے لالے پڑ جائیں گے۔ کاش آپ نے دنیاوی چند روز روزگار
کے بجائے متاع آخرت کو ترجیح دی ہوتی۔ خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر
ضاد کو ضاد ہی پڑھا ہوتا۔ انالہ لحاظون کی لاج رکھی ہوتی۔ چند سنہری سکوتوں کے
عوض قرآن کو نہ بدلا ہوتا۔



مروجہ ایصالِ ثواب

دمتار ذقنہم ینفقون تحت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے فرمایا۔ راو خدا
میں خرچ کرنے سے یا زکوٰۃ مراد ہے، جیسے دوسری جگہ فرمایا یقیمون الصلوة
دیوتون الذکوٰۃ یا مطلق النفاق خواہ فرض و واجب ہو۔ جیسے زکوٰۃ و نذر اپنا اور
اپنے اہل کافقہ وغیرہ خواہ مستحب جیسے صدقات نافلہ۔ اموات کا ایصالِ ثواب
مسئلہ گیارہویں۔ فاتحہ۔ تسبیح۔ چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ کہ وہ سب
صدقات نافلہ ہیں اور قرآن پاک و کلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا
کر اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے۔

سرفراز صاحب نے صدر الافاضل رحمہ اللہ کی اس محققانہ تفسیر پر تنقید کرنے
کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ صبیونی چابکدستی سے اس عبارت میں قطع برید کی
جائے۔ چنانچہ مسئلہ گیارہویں سے پہلے مذکور تمام عبارت مقررہ گھر کی نذر
ہو گئی۔ اور اس مذموم عبارت سے سرفراز صاحب کا مدعا یہ ہے کہ عوام کو یہ سمجھایا
جاسکے کہ اہل سنت کے نزدیک دم تار ذقنہم ینفقون کی تفسیر مسئلہ گیارہویں
اور اس کے لواحقات کے سوا کچھ نہیں۔

تقرب لغير اللہ کی بحث | سرفراز صاحب رقمطراز ہیں:

”گیارہویں کے بارے میں عوام الناس کے مختلف نظریات ہیں
بعض جملہء کاتو یہاں تک خیال ہے کہ اگر بڑے پیر صاحب کے
نام پر مقررہ تاریخ پر گیارہویں نہ دی گئی تو جانی اور مالی طور پر ناقابل
برداشت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ گھر میں بیماری پڑ جائے گی۔

کھیتی، تجارت اور کاروبار میں خسارہ ہوگا۔ اگر گیارہویں کا دودھ نہ دیا گیا تو دودھ دینے والے جانوروں کے نھنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر بروقت گیارہویں ادا کر دی گئی تو سب کام ٹھیک ٹھاک رہیں گے۔ اور جان و مال اور کاروبار میں گونانی گوں برکت ہو جائے گی۔ ظاہر امر ہے کہ غیر اللہ سے خوف ورہا اور امید و بیم کے اسی نظریہ کو تقرب لغیر اللہ کہا جاتا ہے۔ جس کے حرام اور شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (تفہیم ص ۴۷)

ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے پاس کوئی تحریری یا تقریری شہادت موجود ہے۔ جس کی بناء پر آپ نے بعض جملہ کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے اور اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اب تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو آپ نے غلط واقعہ ایک عقیدہ وضع کر کے اسے جعلی طور پر جملہ کی طرف منسوب کیا۔ یا آپ نے خلاف نصوص شرعیہ سادہ لوح عوام کے حق میں یہ بدگمانی کی ہے یا پھر آپ خود کو عظیم بذات الصدور سمجھتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ فاسدہ رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے عقائد معلوم کر لیتے ہیں۔ آخر ہمیں بھی تو سمجھائیں کہ بغیر کسی سند اور دلیل کے اور بغیر کسی شہادت کے آپ نے کیسے بعض لوگوں کے عقیدہ پر اطلاع حاصل کر لی۔

ثانیاً ہم پوچھتے ہیں کہ مطلقاً کسی سے نفع و ضرر پہنچنے کا عقیدہ رکھنا اور اس سے تقرب حاصل کرنا شرک ہے۔ یا اس عقیدہ کو بطور عبادت رکھنا شرک ہے۔

پہلی صورت میں لازم آئے گا کہ زہر میں ضرر اور تریاق میں نفع سمجھنا اور آپ کا اصنام دیوبند سے تقرب حاصل کرنا یہ سب شرک ہو۔ اور دوسری صورت میں یعنی اگر کسی کو بحیثیت عبادت نفع اور نقصان پہنچانے والا اعتقاد کرنا اور تقرب بطور عبادت شرک ہو تو پھر آپ کا مدعا باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس کا تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ جملہ بڑے پیر صاحب کی عبادت نہیں کرتے نہ انہیں معبود

سمجھتے ہیں زور خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ علانی لکھتے ہیں:

اتلانسئی الظن بالمسلمۃ استأ
یتقرب الی الادھی بہذا النحر۔
(در المختار ص ۲۳۰)
ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعہ کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

اس کے تحت علامہ شامی فرماتے ہیں:

ای علی وجه العبادت لا استأ
المکفر و هذا یعیبد من حال
المسلم۔
یعنی شارح کی مراد تقرب سے۔ تقرب بطور عبادت ہے اس لئے کہ تقرب بطور عبادت ہی موجب شرک ہے اور ایسا تقرب المسلم۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳) مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔

دیدہ عبرت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ شرک کا مدار کسی کو معبود سمجھنے پر ہے آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تے ہوئے ہیں تو پھر یہ ثابت کیجئے کہ جملہ بڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں۔

آئیے اب ہم آپ کو بتائیں کہ اپنے پیروں بلکہ مولویوں کو بھی معبود سمجھ کر کون پوجتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے محمود حسن صاحب رشید احمد گنگوہی کی موت پر مرثیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمہاری تربت انور کو دیکھو طور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار رانی میری دیکھی بھی نادانی

(مرثیہ گنگوہی ص ۱۲)

اب آپ خود خیال کیجئے کہ طور پر کس ذات نے تجلی فرمائی تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے کس ذات کے دیکھنے کے لئے بار بار رانی فرمایا تھا۔ اور محمود حسن صاحب کسی کی قبر کو طور اور کس کے دیکھنے کو رانی کہہ رہے ہیں اور یہ آپ کی طرح یوں ہم بے سند بات نہیں ہے۔ دیوبند بھارت اور پاکستان کے بے شمار

دیوبندی پریسوں کے مطبوعہ مرتبہ میں یہ شعر موجود ہے۔

نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کے ترتب کا عقیدہ آپ نے عوام اہل سنت یا جہلا کی طرف بلا شہادت منسوب کر دیا۔ اس پر کوئی حوالہ یا سند لانا سے آپ عاجز رہے۔ لیکن ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ عقیدہ خود آپ کے سلوک میں موجود ہے۔ اور اس پر شہادت پیش کریں گے۔ وہ شاہ ولی اللہ جتہیں امت دیوبند اپنا واحد سہارا سمجھتی ہے۔ اپنے والد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کی کرامات کے باب میں ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت ایٹان میغمود نذر فراد
بیگ را مشکے پیش آمد نذر کرد بار خدایا
اگر ای مشکل برآمد ای قدر مبلغ حضرت
ایشان ہدیہ برم آن مشکل متدفع
شود۔ واک تدر از خاطر اورفت
بعد چندے اسپ او بیمار شد و
نزدیک ہلاک رسید بر سبب این امر
مشرق شدم بدست یکے از خدایان
گفتہ فرستادم کہ این بیماری بسبب
عدم وفاء نذر است اگر اسپ خود
مے خواہی نذر۔ سے را کہ در فلان محل
الترام نمودہ بفرست مے تادم شد
واک نذر فرستاد ہاں ساعت اسپ
اوشفا یافت۔

(انفاس العارفين ص ۵۳)

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ
فرماتے ہیں کہ فراد بیگ کو کوئی مشکل آ
پڑی۔ اس نے نذر مانی کہ اے خدا اگر یہ
مشکل حل ہو گئی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ
صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش
کروں گا۔ چنانچہ وہ مشکل حل ہو گئی اور وہ
نذر پوری کرنا بھول گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا
گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کی دہلیز تک
آ پہنچا۔ میں اس بیماری اور ہلاکت کے
سبب پر مطلع ہوا اور ایک خادم کے ذریعہ
پیغام بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے
کے سبب سے ہے۔ اگر گھوڑے کی
خیریت چاہتا ہے تو فلان نذر جسے فلان
جگہ مانا تھا پوری کر۔ وہ اپنے فعل پر تادم
ہوا اور نذر اسال کی اور اسی وقت اس کا
گھوڑا اشفا یاب ہو گیا۔

اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع و ضرر سمجھنا بھی شرک ہے۔ تقرب لیا اللہ
بھی شرک ہے۔ اور شاہ صاحب فراد بیگ کو اپنے تقرب اور اپنے نفع
ضرر کی تلقین کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کے نزدیک فراد بیگ تو خیر مشرک ہوا
ہی لیکن شاہ صاحب کا مقام آپ کے ہاں ابلیس سے کیا کم ہو گا۔ کیونکہ اہل فہم
پر مغنی نہیں کہ لوگوں کو اپنی عبادت پر راضی کرنا شیطان لعین ہی کا کام ہے۔
عقائد جہلا پر غیر مسلح حملہ کرنے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی تو خیر لی ہوئی۔ اگر آپ
کے دل میں انصاف کا کوئی شمع بھی موجود ہے تو شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ
ولی اللہ صاحب سے ان سب سے بیزاری کا اظہار کریں۔ حیرت ہے کہ جو
لوگ آپ کے فتویٰ کی زد میں آکر مشرک قرار پاتے ہوں۔ آپ انہیں کے اقوال
سے استدلال کرتے ہیں۔ اور انہی کی عبارتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ صرف
یہی ایک مقام نہیں دیوبند کے تمام عقائد و اعمال کا یہی حال ہے۔ جن امور کو وہ
بیانگ دہل کفر و شرک حرام و بدعت کہتے ہیں۔ ان تمام امور میں ان کے اکابر
اصاغر سر سے پاؤں تک غرق ہیں۔ اور وہ بھی پھر اہل حق ہیں۔ آخر کب تک
دیوبند کے ان بتوں کی پوجا ہوگی۔

بارہ سال کا بیڑا

”سرفراز صاحب نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر
جیلانی رحمہ اللہ کی مشہور کرامت (بارہ سال کے غرق شدہ بیڑا
کو بار لگانا) کو افسانہ اور مفتی احمد یار خان صاحب رحمہ اللہ کی
کٹ گپ قرار دیا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض قائم کیا کہ دلی کال کے
بارے میں یہ کیوں کہ باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ مثلاً ایک سیر و دوہ
یا سیر چاول کے نہ ملنے کی وجہ سے جوش انتقام سے لبریز
ہو کر عین شادی کے موقع پر فوجوان کا بیڑا غرق کر

کردے“ (تنقید متین ص ۲۸)

جواباً گزارش ہے کہ اولاً تو آپ نے غوث اعظم شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ پر خالص افتخار باندھا ہے۔ کہ انہوں نے گیارہویں وصول نہ ہونے کی بنا پر نو جوان کا مع براتیوں کے بیزار غرق کر دیا۔ اور بارہ سال بعد گیارہویں وصول کر کے بیڑا ترا دیا۔ ہماری تحقیق کے مطابق اصل واقعہ یوں ہے کہ:

”ایک مرتبہ حضرت غوث اعظم کو دریا کے کنارے ایک مغموم بڑھیا نظر آئی۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ بارہ سال ہوئے اس کا جوان سال بیٹا مع براتیوں کے غرق ہو چکا ہے۔ دینی اور اسلامی محبت سے آپ کا دل بھرا آیا۔ اور آپ نے سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگی کہ اے اللہ اس بڑھیا کے بیٹے اور براتیوں کے غرق شدہ بیڑے کو نکال دے۔ کار ساز حقیقی اور قادر مطلق نے اپنے بندہ کامل کی دعا منظور فرمائی اور غرق شدہ بیڑے کو نکال دیا“

(بحوالہ سلطان الاذکار فی مناقب الابرار)

ثانیاً اس واقعہ کے محال ہونے کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ غرق شدہ بیڑے کو پار لگانا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو۔ اور یہ قطعاً باطل ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کیسی افسوسناک بات ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے کذب اور زنا جیسی قباحت کو جو اللہ کے لئے محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں۔ تو قدرت الہیہ کا وظیفہ رٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا اور بارہ سال کے ڈوبے ہوئے جہاز کو ترانا جو امر ممکن اور جائز الوقوع ہے۔ اسے قدرت الہیہ سے اس قدر بعید سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی بے سرو پائا ویلیں شروع کر دیتے ہیں۔ جب کہ مردوں کو زندہ کرنا قدرت الہیہ میں صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع ہے جیسے حضرت عزیر کے واقعہ میں سو سال بعد دراز گوش کو زندہ کرنا اور حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے متعدد واقعات میں جدید و قدیم مردوں کو زندہ کرنا ہے۔ ثانیاً اگر آپ اس واقعہ کو قدرت الہیہ میں جائز الوقوع مانتے ہیں۔ تو پھر اس کے محال ہونے کی ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کی دعا سے کوئی خلافِ عادت کام نہ ظاہر فرماتا ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل آتے تھے۔ اور آصف بن برخیا کو اللہ تعالیٰ نے مسافت کثیرہ سے پلک بھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لانے پر قادر کر دیا جیسا کہ آپ کے حکیم الامت نے بھی اپنے ترجمہ میں اس واقعہ کا اسناد آصف بن برخیا کی طرف کر کے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور یہ وہ امور خلافِ عادت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے سابقہ ادیان کے اولیاء پر ظاہر فرمایا۔ پھر امت محمدیہ کے اولیاء پر اور خصوصاً اس عظیم الشان ولی پر جو قدسی ہڈی رقبۃ کل ولی کی شان رکھتا ہو۔ کرامت کا دروازہ کس طرح بند ہو جائے گا۔

حدیث قدسی میں ہے:

دلن سالتی لاعطینہ۔ اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور

(مشکوٰۃ ص ۹۷)

عطا فرماؤں گا۔

تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غوث اعظم کی دعا قبول نہ کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ یا تو آپ رافضیوں کی طرح حضرت غوث اعظم کو ولی نہیں سمجھتے (العیاذ باللہ) یا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ

رابعاً ابھی انفاس العارین سے گزر چکا ہے۔ کہ آپ کے مسلم پیر شاہ عبدالرحیم نے نذر وصول نہ ہونے پر ایک گھوٹے کا بیڑا غرق کر دیا اور نذر لے کر چھوڑی۔ گستاخی معاف یہ انتقام کس شریعت سے جائز ہو گا۔

خامساً اگر آپ ڈوبے ہوئے جہاز کے ترانے کے انکار پر اصرار ترک نہیں کرتے تو کہ امتداد ادب کا مطالعہ کیجئے۔

اشرف علی تھانوی کے پیر کی ایسی کئی کرامتیں مل جائیں گی۔ اور اگر مردہ زندہ

کرنے کو آپ محال سمجھتے ہوں تو مرثیہ لکھو ہی ملاحظہ کریں۔ یہ ایک اجمالی گفتگو ہے۔ تفصیل انشاء اللہ العزیز ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ نیز بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی ترا دینے والا واقعہ بہر حال نص قطعی سے تو ثابت ہے نہیں۔ کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول دین سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے۔ سرفراز صاحب کی اصل چونکہ اعتزال پر مبنی ہے۔ اس لئے انہوں نے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس کرامت کو روایت تو طوعاً و کرہاً تسلیم کیا۔ لیکن درایت تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی یہ تائید کی ہے کہ:

”کسی بڑھیا کا کوئی بیٹا دس بارہ سال آوارگی کے دریا میں غوطے کھاتا رہا ہو گا اور شیخ کی دعا سے ہدایت پا گیا ہو گا“
(تمقید متین ص ۴۴ مختصاً)

جواب یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کو اس کے ظاہر سے بھٹانے کی ضرورت اُس وقت پیش آتی ہے۔ جب اس کے ظاہری عمل پر کوئی استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہو۔ اور بارہ سال بعد ڈوبے ہوئے سفینہ کو ترا دینا ایک امر خلاف عادت ہے۔ اور اس کا صدور اولیاء اللہ سے جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سطور گذشتہ میں ثابت کر چکے ہیں۔

علامہ تفسارانی فرماتے ہیں:

و کرامتہ ظہورا مرخارقا للعادة
ولیٰ کرامت اس کا کسی امر خلاف عادت
کو ظاہر کرتا ہے جو دعویٰ نبوت کے ساتھ متفق
غیر مقارن لدعویٰ النبوة۔

(شرح عقاید ص ۱۰۱)

اور اگر اب بھی آپ کو پس و پیش ہے تو اراواح ثلاثہ کا مطالعہ کیجئے۔ جو الف سے لے کر یار تک سلوف دیو بند کی من گھڑت کرامات سے بھری پڑی

ہے۔

اشرف علی تھانوی کی گپ | اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

”میرے ایک دوست جو جناب بقیۃ السلف حجتہ الخلف
قدوة السالکین زبدۃ العارین شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا حاجی
شاہ امداد اللہ شاہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالیٰ
سے بیعت تھے۔ حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے۔ بمبئی
سے آگبورٹ میں سوار ہوئے۔ آگبورٹ نے چلتے چلتے ٹکڑ کھاٹی۔
اور قریب تھا کہ پھر کھار غرق ہو جائے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ
اب مرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی مالوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے
پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ
اور کون سا وقت امداد کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز
مطلق ہے۔ اسی وقت ان کا آگبورٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں
کو نجات ملی۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا۔ ادھر اگلے روز غمزدہ جہاں اپنے
خادم سے بولے ذرا میری کمرباڈ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے
کمرباڈتے دباتے پیرا بن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمربچھلی ہوئی ہے
اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا ہے۔ کمربچھلی
چھلی۔ فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ
پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کمربچھلی لگتی ہے۔ اور آپ تو کہیں
تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگبورٹ ڈوبا جاتا تھا۔ اس
میں تمہارا دینی اور سلسلہ کا بھائی تھا۔ اس کی گمیر و نزاری نے مجھے
بے چین کر دیا۔ آگبورٹ کو کمرب کا سہارا دے کر اوپر اٹھالیا۔ جب
آگے چلا اور بند گان خدا کو نجات ملی۔ اسی لئے چھلی گئی ہوگی اور

اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔

(کرامت امدادیہ ص ۳۵)

سرفراز صاحب چونکہ کرامات اولیاء کو میزان اعتدال سے تولتے ہیں۔ لہذا ان کی خدمت میں ہم بھی اس واقعہ پر کچھ گزارشات پیش کرتے ہیں۔
اولاً یہ کہ آپ کے نزدیک مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کو ناشرک ہے۔ اور اشرف علی تھانوی کے اس دوست نے امور مافوق الاسباب میں ہی استعانت کی ہے۔ اب آپ اس کو مشرک قرار دیں گے۔ یا شرک کی خود ساختہ تعریف سے رجوع کریں گے۔

ثانیاً یہ کہ حاجی امداد اللہ نے جو مافوق الاسباب امور میں امداد کی ہے تو اب انہیں خدا کا شریک قرار دیں گے یا اپنی گمراہی سے تائب ہوں گے۔
ثالثاً یہ کہ اشرف علی تھانوی نے اس روایت پر اعتقاد رکھا اور اس کا بیان کیا۔ اب انہیں مبلغ شرک اور ابلیس قرار دیں گے۔ یا اپنے بیان کو ابلیسی منطق ٹھہرائیں گے۔

رابعاً یہ کہ امید و خوف میں آپ کے پیر بھائی نے حاجی صاحب کی طرف توجہ کی۔ تو اس نے حاجی صاحب کو قادر مطلق مانا یا نہیں۔ اگر نہیں تو غوث اعظم کی طرف اس حال میں توجہ کرنے سے ان کا قادر مطلق ماننا کس طرح لازم آئیگا۔
خامساً یہ کہ حاجی صاحب باوجود شہر سے کہیں نہ جانے کہ سمندر میں جہاز بھی کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ سمندر میں حاجی صاحب بعینہ موجود تھے یا جسم مثالی کے ساتھ بر تقدیر اول تکثر جزئی لازم آئے گا۔ بر تقدیر ثانی مثل شئی ہوتی ہے۔ پس لازم آیا کہ کندھا دینے والا حاجی صاحب کا غیر ہو نہ کہ خود حاجی صاحب۔

سادماً یہ کہ جو آدمی ایسا قادر ہو کہ کوسوں میں مسافت آن واحد میں طے کر کے بحری جہاز سیدھا کرتا ہو۔ وہ اپنی کمر سے درد کو کیوں نہیں دور

کر سکتا۔

سابغاً جو شخص کمزور ہونے میں اپنے مرید کا محتاج ہے۔ وہ جہاز میں بیٹھ ہوئے سینکڑوں آدمیوں کی حاجت روائی کیونکر کر سکتا ہے۔

ثامناً یہ کہ اشرف علی تھانوی کے دوست نے اپنے پیروشن ضمیمہ کی طرف خیال کیا اور ان کی بارگاہ میں عرض کی اور وہ اس کی امداد کو آپہنچے۔ سوال یہ ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب ہر وقت ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع اور ان کا کلام سنتے رہتے ہیں یا نہیں۔ بر تقدیر ثانی یعنی جب انہیں ہر وقت ہر جگہ کے حال کا علم نہیں تو اس وقت اس جگہ کے حال کا کیسے علم ہو گیا۔ نیز اس پر کونسی عقلی اور شرعی دلیل قائم ہے۔ اور بر تقدیر اول یعنی جب حاجی صاحب کو ہر وقت ہر جگہ کا علم حاصل ہے تو بتلایئے کہ وہ اس صفت سے خدا کے شریک ہوئے یا نہیں۔ اگر نہیں تو حضور علیہ السلام کے لئے علم کلی ماننے سے کوئی شخص کیسے مشرک ہو جاتا ہے۔

تاسعاً یہ کہ خادم نے کمزور ہونے دباتے دباتے پیراہن اٹھایا تو کمر پھلی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے کھال اتر گئی تھی۔ اس میں یہ گزارش ہے کہ جب کسی جگہ سے کھال پھل جائے تو اس جگہ کو دبوایا نہیں جاتا۔ بلکہ دبوانے سے تو زخم میں ٹیس اٹھنے لگتی ہے۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اشرف علی تھانوی نے انتہائی بھونڈے طریقے سے اپنے پیر کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حیلہ گھڑا ہے۔

عاشراً یہ کہ حاجی صاحب کو اپنے مرید کی بیسکی اور آہ وزاری نے بیڑا پار لگانے کی طرف متوجہ کیا۔ اور سینکڑوں بندگان خدا کی بیسکی پر کوئی رحم نہیں آیا۔ ورنہ یہ کہنے کی کیا وجہ تھی۔ کہ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ صرف سرفراز صاحب ہی نہیں بلکہ ان کے تمام حواریوں کو دعوت ہے کہ وہ ان کے قائم کردہ اصول اور مبنی شرک کے تحت ان سوالوں کا جواب دیں۔ اس میں بہتوں کا بھلا ہوگا ورنہ منصف مزاج

سرفراز صاحب کے اصولوں کی روشنی میں اشرف علی تھانوی کی اس بیان کردہ گپ کو کوئی وقعت نہیں دیں گے۔

محمود الحسن کی گپ محمود الحسن نے اپنے پیر مولوی رشید احمد گنگوہی کی شان میں یہ شعر کہا ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا

اس میسائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم

(مرثیہ گنگوہی ص ۲۲)

بہت سے چالاک دیوبندی عام ذہنوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس شعر کی یہ باطل توجیہ کرتے ہیں کہ اس شعر میں مردہ سے مراد جاہل اور زندہ سے مراد عالم ہے۔ یعنی جاہلوں کو عالم بنایا۔ اور عالموں کو جاہل نہ بننے دیا۔ یہ توجیہ قطعاً باطل و مردود ہے۔ اس لئے کہ اگر یہی معنی مقصود تھا۔ تو پھر خاص طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ ہر نبی میں تعلیم کا وصف موجود ہوتا ہے۔ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقابل کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ زندہ کرنے سے مراد حسی زندہ کرنا ہے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشہور وصف تھا۔

اشرف علی کی بیان کردہ کرامت سے معلوم ہوا کہ حاجی امجد اللہ صاحب نے ڈوبنے ہوئے جہاز کو تورا دیا۔ اور محمود الحسن صاحب کے مرثیہ سے پتہ چلا کہ رشید احمد گنگوہی مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اب میں انصاف پسند حضرات سے گزارش کروں گا۔ کہ وہ سوچیں کہ اگر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی مسلم صاحب کرامت شخصیت کے بارے میں کوئی یہ واقعہ بیان کرے کہ آپ نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیڑے کو تورا دیا۔ تو سرفراز صاحب اس کو گپ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اشرف علی تھانوی نے اپنے پیر کے بارے میں بے سرو پا دعویٰ کر کے انگوٹ کی رام کہانی سنائی۔ محمود حسن صاحب

نے رشید احمد گنگوہی کے مردے جلانے کا باطل دعویٰ کیا تو کیا یہ سب جبریل امین علیہ السلام کی لائی ہوئی وحی ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جس وصف کو انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے لئے ثابت کرنا آپ کے نزدیک شرک اور ناجائز ہے۔ وہ اپنے پیروں اور مولیوں کے لئے عین توحید اور خالص ایمان کیسے ہو گیا۔ آخر کب تک آپ اپنی اس دھوپ چھاؤں کی پالیسی سے لوگوں کو فریب دیتے رہیں گے۔ آپ آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ لوگوں کی آنکھیں ہیں۔ دل و دماغ ہے۔ وہ جب آپ کے اقوال و اعمال کا موازنہ کریں گے۔ تو آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ جن گیسوؤں کے دام تزدیر میں آپ نے عوام کو پھانس رکھا ہے۔ جب وہ پیچ و خم کھل جائیں گے۔ تو پھر آپ کی کیا حالت ہوگی۔

گیارہویں حرام ہونے کے دلائل کا تجزیہ گیارہویں شریف کو حرام کے لئے سرفراز صاحب نے شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک فتویٰ پیش کیا ہے کہ:

سا کولات و مشروبات و دیگر اعمال را نیز از راه تقرب دادن

حرام و شرک است۔ (تنقید متین ص ۲۹)

ہم گزشتہ سطور میں بیان کر چکے کہ مطلقاً تقرب و قرب شرک و حرمت نہیں ہے۔ بلکہ تقرب بطور عبادت موجب شرک و حرمت ہے۔ جس کی علامہ شامی نے تحقیق کی ہے۔ اس لئے اس فتویٰ کے پیش کرنے سے سرفراز صاحب کو کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوا۔

ثانیاً یہ کہ اسی فتادی عزیز یہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں: تمتی کان اراقة الدم للتقرب اور جب خون بہانا غیر اللہ سے قرب کے الی غیر اللہ حرمت الذی بیحۃ و متی لئے ہو تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور جب

كان اراقة الدم لله والتقرب الى
الغير بالاكل والانتفاع حلت
الذبيحة -
عمن بهانا الله تعالى له لئله هو اقرب
الى الغير كحانته كساته ياس من نفع
حاصل كنه كنه لئله هو تو ذبيحة حلال
هو جائز (فتاوى عزيزي ج ۱ ص ۴۷)

ديكهنه اس بارت مي شاه صاحب نه حرمت كا مدار مطلقا تقرب الى الغير
پر نهيس ركها۔ در نفع حاصل كنه كنه لئله بهي تقرب الى الغير حرام هو تا۔ حالانكه
اس كو شاه صاحب نه حلال قرار ديا تھا۔ پس معلوم هو اك شاه صاحب كنه
تزديك بو تقرب للغير حرام هه۔ وه تقرب بطور عبادت كنه سوا اور كچه نهيس۔
مذكوره بالا قواعد بر تقرب بظاهنه هو نه اسي صفحه پر شاه صاحب فرماتنه
هيس :

دعلى هذا قلنا واشترى لحما من
التسوق او ذبح بقرة او شاة لاجل
ان يطبخ مرقا وطعاما ليطعم
المفقر او يجعل ثوابها لروح فلان
كمن شخص نه بازار سه گوشت خرديا كا
ذبح كي ياكري تاكه اس كا كھانا تيار كر سه
اور فقرا كو كھلا كر اس كا ثواب كي روح
كو پھنكا ديه تو به بلا شبهه جائز هه۔
(فتاوى عزيزي ج ۱ ص ۴۷)

علاوه ازيه اس باب مي شاه صاحب كي جملہ عبارات كي مزيد توضيح هم
اس كتاب كنه چھٹے باب مي پيش كر ره هيس۔ جس كنه سامنه آجلاننه
كنه بعد انشاء الله العزيز مخالفين پر ظا هر هو جائز كا كه شاه صاحب كي
عبارتوں مي دي بنديوں كنه مذموم مسلك كنه ثبوت كي قطعاً كجائش
نهيس هه۔

گيار هويں كنه ايصال ثواب پر سرفراز صاحب كا دوسرا سوال يه هه كنه:
بلا شبهه نفس ايصال ثواب صحيح هه۔ اس مي كمن كو كوئي اختلاف
نهيس۔ مالم كنه صدق مي جملہ ائمہ فتوى متفق هيس۔ ليكن يه

بات سمجھ سه بالاتر هه۔ كه ايصال ثواب كنه لئله پوري امت مي
سه صرف حضرت عبدالقادر جيلاني رحمة الله كا انتخاب كيوں كيا
گيا هه۔ كيا يه ايصال ثواب كي اور كور اس نهيس آتا۔
(تنقيذ متين ص ۴۹)

اس كنه بعد لکھا هه:
”عوام الناس اپنے ماں باپ اور ديگر لواحقين كو گيار هويں
..... كي شكل مي ايصال ثواب كيوں نهيس كرتنه۔ جن مي سه
كمن كي نمازيں كمن كنه روز سه اور كمن كي ديگر نيكيان چھوٹ گئي
هويں كي۔ اور اغلب هه كه بهت سه گناه كنه هويں كنه۔ عيب
بات هه كه عتاجوں كو تو ايصال ثواب نه كيا جائز كا اور جو دريا
ميں ڈوبه هويں شخص كي طرح اپنے وارثوں كنه صدقات و خيرات
اور دعاؤں كنه منتظر هتنه هيس۔ اور اس بزرگ كو ايصال ثواب كيا
جائز هو بفضلہ تعالى نيكيوں سه مالا مال هو۔“

اس عبارت سه معلوم هو ا هه كه سرفراز صاحب كو امت مسلمہ كا بڑا
در وهه۔ اور وهه اس بات كنه بے حد آرزو مند هيس كه لوگ اپنے ماں
باپ كنه لئله ايصال ثواب كيا كريں۔ ليكن حقيقت يه هه كه يه بنا وئي رونا
دھونا اور مگر چھپ كنه آنسو هيس۔ كيونكه اهل سنت كا يه مسلك نهيس هه كه ايصال
ثواب صرف گيار هويں كي شكل مي هو اور غوث اعظم رضي الله عنه كنه ساتھ مختص
هو۔ اس پر دليل يه هه كه حضرت صدر الافاضل عليه الرحمة نه اپني تفسير ميں
فرمايا مسلك گيار هويں۔ تيجہ۔ چاليسواں وغيره بهي سب مدارق قه بنفقون
ميں داخل هيس۔ اور ظا هر هه كه فاتحہ۔ تيجہ اور چاليسواں يه سب عام لوگوں كنه
ماں باپ اور رشتہ داروں كنه ايصال ثواب كنه ذرائع هيس۔ فاتحہ سه
على الاطلاق ثواب پھنكا يا جاتا هه۔ تيجہ كنه ذريعه ميتت كو تيسرے دن

ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور چہلم کے ذریعہ چالیسویں دن میت کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ: ”اہل سنت و جماعت نے ایصالِ ثواب کو گیارہویں میں بند کر دیا ہے“

باطل اور بے بنیاد ہے۔ اور اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ سرفراز صاحب کا یہ ہرگز منشا نہیں ہے کہ ایصالِ ثواب گیارہویں کے ساتھ خاص کرنے کی بجائے عام اموات کو بھی کیا جائے کیونکہ انہوں نے جس طرح گیارہویں پر بدعت کا فتویٰ لگایا ہے۔ اسی طرح سے فاتحہ نتیجہ اور چہلم ان میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”نتیجہ اور چالیسواں وغیرہ بدعت مکروہ اور مذموم حرکیتیں ہیں“ (تنقید تین ص ۵۸)

پس ظاہر ہو گیا کہ غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بھی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے۔ اور عام اموات کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مکروہ و بدعت سے خالی نہیں۔ تو پھر بتلائیے۔ وہ کونسا ایصالِ ثواب ہے جسے آپ بلاشبہ جائز اور صحیح قرار دیتے ہیں اور جس پر تمام ائمہ فتوے متفق ہیں۔ ممکن ہے اس کے جواب میں سرفراز صاحب یہ کہیں کہ بغیر تعیینِ یوم کے ایصالِ ثواب کیا جائے تو جائز ہے۔ جواباً عرض ہے کہ ذرا ہمیں بھی اس طریقہ سے مطلع کر دیں۔ کہ بغیر تعیین کے کسی شے کا کس طرح تحقق ہو جاتا ہے۔

سرفراز صاحب کا یہ کہنا بھی قطعاً باطل و مردود ہے۔ کہ ایسے بزرگ کے ایصالِ ثواب سے کیا حاصل جو نیکیوں سے مالا مال ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر تو کجا نیکیوں میں آپ کے برابر بھی کسی شخص کا ہونا محال ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

عن حنظل قال سمعت
علیاً یبضحی بکعبشین فقلت
لہ ما ہذا فقال ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اوصانی ان احنی عنہ فانا
احنی عنہ۔
(مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸)

حضرت حنظل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کو دو مینڈھ صول کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا میں نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے۔ تو حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں۔ پس میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کرتا ہوں۔

اب بتلائیے سرفراز صاحب کیا نبی علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ وہ نیکیوں سے مالا مال ہیں۔ پھر آپ نے جن کراپنے آپ کو قربانی کے ایصالِ ثواب کے ساتھ کیوں خاص کر لیا۔ امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت فرمائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

مے فرمودند در ایام وفات حضرت
رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم چیزے
فتوح نہ شد کہ نیاز آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم طعام پختہ شود قدرے بخود
بریاں و تندسیاہ نیاز کردم شب در
واقعہ دیدم کہ انواع طعام بحضور آنحضرت
علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض سے دارند و
در میان آن خود و تند نیز معروض داشتہ۔
بر نہایت ابتنہاج و بشاشت اقبال
فرمودند و اس را طلبیدند و چیزے
ازاں تناول کردند باقی در اصحاب تحمت
فرمودند۔ (انفاس العارنین ص ۴۱)

شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام وصال میں ان کے پاس آپ کی نیاز دینے کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی۔ آخر کار کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ پر نیاز دی۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس انواع و اقسام کے طعام حاضر ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چنے بھی رکھے ہیں۔ آپ نے کمال سرت و التفات فرمایا۔ اور انہیں طلب فرمایا اور کچھ آپ نے تناول فرمایا۔ اور کچھ آپ نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔

دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحب کے والد نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اب آپ یہ سوال اُن سے کیجئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ثواب سے مالا مال ہیں۔ شاہ صاحب دوسروں کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے۔ کاش ان نادانوں کی عقل میں یہ بات آسکتی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر مقررین حق کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب اس لئے نہیں کیا جاتا کہ انہیں ہمارے ثواب کی احتیاج ہے اور انہیں ہم سے کسی فائدہ کی خواہش ہے۔ بلکہ انہیں ایصالِ ثواب کرنے کی خود یہی حاجت ہے تاکہ ان کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم ہو جائے۔ اور ممکن ہے میدانِ محشر میں یہی تعلق اور نسبت کام آجائے۔ اور ہم مقررین حق کی شفاعت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ مقررین حق سے عناد رکھنے والے اور ان کی تنقیص کی فکر میں رہنے والے اللہ تعالیٰ کی یہ وعید کیوں بھول جاتے ہیں۔

من عادلی ولیاً فقد اذنتہ
بالحرب (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷)
جو میرے ولی سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہے
میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔
سوئم کو بدعت قرار دینے کے لئے سرفراز صاحب نے فتاویٰ رضویہ
سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی عبارت پیش کی ہے۔ ہم وہ عبارت
قارئین کی عدالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”شریعت میں تو ثواب پہنچانا ہے۔ دوسرے دن ہو خواہ
تیسرے دن باقی یہ تعین عرفی ہے۔ جب چاہیں کر لیں۔ انہیں دنوں
کی گنتی ضروری جانتا جہالت ہے۔ و بدعت ہے“
اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”حیرت اور تاسف کی بات ہے کہ جس چیز کو فریقِ مخالف
کے اعلیٰ حضرت بھی بدعت کہتے ہیں۔ وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن
سکتی ہے۔“ (تنقید متین ص ۵۹)

سرفراز صاحب کو یا تو پتہ نہیں چلا۔ یا جان بوجھ کر جاہل بنے ہیں اعلیٰ حضرت
تو تعین ضروری جانتے کو بدعت قرار ہے یا نہیں۔ جو کہ تعین شرعی ہے۔ اور تعین عرفی
کو جائز قرار ہے یا نہیں۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ وجوب
تعین کے اعتقاد کے بغیر سوئم جائز ہے یا نہیں۔ اور محمد سرفراز صاحب اس
کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں لاسکے۔ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا اس موضوع
پر ایک مستقل رسالہ ”الحجۃ الفاعلۃ“ چھپ چکا ہے۔ جس میں اکابر وہابیہ اور دیابنہ
کی عبارتوں سے چلم۔ سوئم اور عرس کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ سرفراز
صاحب میں اگر جرأت اور ہمت تھی تو ان عبارتوں کا جواب دیتے۔ اسی طرح
سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت
کے تیسرے دن ضیافت کرنا مکروہ ہے بیشک ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ
ضیافت خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے اور یہ تو نعم اور سوگ کا موقع ہے۔ لیکن
یہ اُن کو کون سمجھائے کہ سوئم میں قل فاتحہ اور طعام کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔
اور ایصالِ ثواب کو اصولی طور پر آپ بھی مانتے ہیں۔ کہ بلاشبہ نفس ایصالِ ثواب
جائز اور صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اور مالی قسم کے صدقہ
میں جملہ ائمہ فتوے متفق ہیں۔ لیکن یہ نفس ایصالِ ثواب اسی وقت پایا جائے گا
جب کسی دن کے اندر ہوگا۔ یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے روز
اب ہم مسئلہ ایصالِ ثواب پر ایک مختصر سی گفتگو کرتے ہیں۔

ایصالِ ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں اہل سنت کے نزدیک
ایصالِ ثواب جائز ہے۔

اور معتزلہ چونکہ حیات الاموات کے منکر ہیں۔ اس لئے وہ ایصالِ ثواب کا
انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کو متکلمین نے کتب عقائد میں ذکر
کیا ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

و فی دعاء الاحیاء للاموات و
صدقة ہمدانی صدقة الاحیاء
عنہم۔ نفع لہم ای للاموات
خلافا للمعتزلیتہ۔
(شرح عقائد نسفی ص ۲۵۲)

اور حدیث شریف میں ہے:
عن سعد بن عبادۃ یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امر
سعد ماتت فای الصدقتہ
افضل قال الماء فحفہ بیدہ و قال
ہذہ لامر سعد۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹)
شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسئلہ ایصالِ ثواب کی تحقیق
میں فرماتے ہیں:

و مذہب اہل حق کہ اہل سنت و
جماعت اتدایں ست و در عبادات
بدنیہ اختلاف دارند مثل نماز و تلاوت
قرآن و مختار وصولِ ثواب است و
امام عبد اللہ شافعی در روضۃ الریاحین
مے گوید کہ شیخ اہل اکرم عز الدین
عبد السلام را بعد از وفات اور در خواب
دیدند کہ گفت ما در دنیا حکیم میکردیم
بعدم وصولِ ثواب تلاوت قرآن و

مذہب حق جو کہ اہل سنت و جماعت ہے
یہی ہے کہ مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے
اور عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے مثل
نماز اور تلاوت قرآن کے اور مختار یہ
ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور
امام عبد اللہ شافعی روضۃ الریاحین میں فرما
ہیں کہ شیخ عز الدین کو کسی نے خواب
میں دیکھا وہ فرماتے تھے کہ میں دنیا
میں کہتا تھا کہ تلاوت قرآن کا

دریں عالم بر خلاف آن یا نقیم۔
(اشعۃ المعات ج ۲ ص ۶۹)

شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

نزد علماء حنفیہ ثواب عبادت
بدنی و مالی بہ میت مے رسد۔ چنانچہ
در ہدایہ مرقوم است۔

ان الانسان لما ان يجعل ثواب
عملہ لغيرہ صلوة او صوما او
صدقة او غیرہا عند اهل السنۃ
والجماعت و فی شرح الصدوق
للسیوطی۔

اخرج الطبرانی فی الاوسط
عن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
يقول ما من اهل میت بموت
منہم میت یتصدقون عنہ بعد
موتہ الا اھا لہا جبرائیل علی
طبق من نور ثم یحقیق علی سفر القبر
فیقول یا صاحب القبر العمیق
ہذہ ہدیۃ اھداھا
ایک فاقبلھا فتدخل
علیہ فیفرح بھا ویستبشر
ویحزن جیرانہ الدین

علماء حنفیہ کے نزدیک عبادت مالی
اور بدنی دونوں کا ثواب میت کو پہنچتا
ہے جیسا کہ ہدایہ میں مرقوم ہے۔

بے شک اہل سنت کے نزدیک انسان
کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب
غیر کو پہنچا دے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ
یا صدقہ یا اس کے سوا۔ علامہ سیوطی فرماتے
ہیں کہ:

طبرانی نے اوسط میں اپنی سند کے ساتھ
حدیث ذکر کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے
بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کسی گھر کا
کوئی شخص نہیں مرنے کا پھر اس کے گھر والے اس
کی طرف سے صدقہ کریں۔ مگر اس صدقہ کو جبریل
ایک نورانی طبق میں رکھتا ہے پھر پر لیب قبر
کھڑا ہو کر کہتا ہے اے صاحب قبر عمیق یہ
ہے ہدیہ۔ جسے تیرے اہل خانہ نے پیش
کیا ہے اس کو قبول کر لے۔ پس وہ ہدیہ اس
میت پر پیش ہوتا۔ پس وہ متوفی اس سے
مسرور ہوتا ہے اور اس کے وہ ہمسائے

لا يهدى اليه و ايضا فيه
عن ابى هريرة رضى الله عنه
قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم ان الله تعالى يرفع الدرجات
للعبد الصالح في الجنة فيقول يا رب
انى لى هذه فيقول باستغفار
ولدك -

(مسائل اربعين ص ۳۲)

نمکین ہوتے ہیں جن کی طرف کسی نے ہدیہ نہیں
بھیجا اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
عنه سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ
عبد صالح کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے پس
وہ بندہ کہتا ہے کہ اے رب یہ مرتبہ کہاں سے
ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیری اولاد
کی دعاؤں کی وجہ سے۔

ایصالِ ثواب میں تعیین کی توضیح گذشتہ سطور میں ہم نفس ایصالِ ثواب کا
شرعی ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ جس کا
اقرار بظاہر سرفراز صاحب نے بھی کیا ہے۔ اب اختلاف اس بات میں رہ گیا کہ سوئم
گیارہویں اور عرس وغیرہ کی معین تاریخوں میں بھی ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں۔
پس ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ کیونکہ دلائل شرعیہ سے ایصالِ ثواب
کے حکم کلی کا جواز ثابت ہے۔ اور ایسا خو جی کے طالب علم سے بھی یہ امر مخفی
نہیں ہے۔ کہ کلی اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی پس سوئم۔ چلم۔ عرس اور گیارہویں
وغیرہ ایصالِ ثواب کے افراد ہیں۔ اور جس طرح کلی بغیر افراد کے پایا جاتا باطل ہے
اسی طرح نفس ایصالِ ثواب کا بغیر کسی معین دن کے پایا جانا باطل ہے۔

سرفراز صاحب نے اعلیٰ حضرت اور دوسرے فقہائے کرام کے حوالہ
سے بیان کیا ہے کہ تعیین بدعت ہے۔ گناہش ہے کہ مطلق تعیین بدعت نہیں
ہے بلکہ تعیین شرعی بدعت ہے۔ یعنی کوئی شخص یوں اعتقاد کرے کہ اگر گیارہ تاریخ
کو ایصالِ ثواب کیا گیا تو صحیح ہے۔ اور اگر بارہ تاریخ کو کیا گیا تو حرام ہے۔ اور ان
تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو فرض یا واجب سمجھے تو یقیناً تعیین بدعت سیئہ اور
باطل محض ہے۔

اور اگر آپ کو ہماری اس تحقیق کے ماننے میں تاثر ہو لیجئے ہم آپ کے پیر
روشن ضمیر کی زبان سے کہلاوٹے دیتے ہیں۔ دیکھئے حاجی املاؤ اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ
فرماتے ہیں و۔

”نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں
بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھنا یا فرض و واجب اعتقاد
کرنے تو ممنوع ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث
تقلید ہیئت گذائیہ ہے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ جیسا کہ بصلحت نماز میں
سورہ خاص معین کرنے کو فقہار و محققین نے جائز رکھا ہے“
(فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸)

اہل سنت ان عرفی تاریخوں کو فرض یا واجب اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں
کو حرام نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی ایصالِ ثواب کو نہ صرف
جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ سرفراز صاحب کو بھی طوعاً و کرہاً
اس کا اقرار کرنا پڑا۔ لکھتے ہیں:

”اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروردوں نے یہ حیلہ شروع
کر دیا۔ کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن مناسبت ہے۔ اور کسی دوسری
جگہ بارہویں تیرہویں کو۔“ (تنقید متین ص ۵۰)

اس عبارت سے بہر حال یہ
ثابت ہو گیا کہ ہمارے نزدیک

عرفی تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنا واجب اور ان کے تعین میں ایصالِ ثواب حرام
نہیں ہے اور ہم اطلاق شرعی کو اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں۔ آپ اور آپ کی
پوری جماعت خدا و رسول کے سامنے یقیناً جواب دہ ہوگی کہ آپ نے ان معین
تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دیا شرعی اطلاق کو باطل کر دیا۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ہر دن ایصالِ ثواب جائز ہے۔ لیکن آپ اور

آپ کی جماعت نے سوئم۔ ہفتیم۔ چہلم۔ گیارہویں اور عرس کے ایام میں ایصالِ ثواب کو حرام کر کے رسول اللہ کی تغلیط کی ہے عافانا اللہ تعالیٰ من ذالک۔

نیز جب آپ نے تیما۔ ساتواں۔ دسواں۔ گیارہویں۔ بارہویں۔ چہلم۔ عرس کی معین تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دیا۔ اور باقی ایام میں ایصالِ ثواب جائز رکھا۔ تو پھر باقی ایام ایصالِ ثواب کے لئے آپ نے معین کر دیئے۔ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے اگر ہم پر سات دنوں کی تعیین کا اعتراض تھا تو آپ پر تو تین سو اٹھاون دنوں کی تعیین کا سوال ہے۔ اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان سات دنوں کو آپ نے ایصالِ ثواب کی تحریم کے لئے معین کر لیا اور یہ کوئی تعیین عرفی نہیں۔ جس سے آپ کی جان پھوٹ جائے۔ بلکہ تعیین شرعی ہے۔ کیونکہ آپ کہتے ہیں کہ ان معین دنوں میں ایصالِ ثواب کرنا شرعاً حرام ہے۔ بتلایئے اس شرعی حرمت اور تعیین شرعی پر آپ کے پاس کون سی صحیح اور صریح دلیل ہے۔ بیشک تعیین بدعت ہے۔ آپ نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے تین سو اٹھاون دنوں کو ایصالِ ثواب کے جواز کے لئے معین کر لیا۔ اور سات دنوں کو حرمت کے لئے معین کر لیا۔ اور یہ تعیین بہر حال تعیین شرعی ہے۔ اور تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ مہر فراز صاحب ذرا ہوش میں اگر جواب دیجئے کہ تعیین شرعی اہلسنت بریلویوں کی بدعت ہے یا وہابی دیوبندیوں کی۔

تعیین عرفی گذشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سوئم۔ چہلم اور عرس وغیرہ ایصالِ ثواب کے حکم کلی کے افراد ہیں اور ان تاریخوں کی تعیین شرعی نہیں عرفی ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم مطلق ہے۔ ظہر کی نماز اپنے پورے وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے ادا ہو جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود مساجد میں ادائیگی کا وقت معین کر دیا جاتا ہے۔ کہیں ظہر ٹوڑے بجے ہوتی ہے اور کہیں دو بجے اور کہیں ڈھاتی بجے لیکن یہ تعیین عرفی ہوتی ہے اور

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان معین اوقات کے علاوہ اگر پہلے یا بعد نماز ادا کی گئی تو نماز ناجائز ہوگی۔ اسی طرح سوئم۔ چہلم وغیرہ کا معاملہ ہے ان ایام کی تعیین عرفی ہے۔ اور ان ایام کے پہلے یا بعد بھی ایصالِ ثواب جائز ہے۔

تعیین عرفی کی ترجیح اگرچہ ایصالِ ثواب کرنا ہر دن جائز ہے لیکن چونکہ لوگوں میں تیسرے چالیسویں اور سالانہ عرس کی رسم پڑھ چکی ہے اس لئے اموات کو ان ایام میں اپنے اقرباء کے ایصالِ ثواب کا انتظار رہتا ہے اس لئے ان ایام میں ایصالِ ثواب کرنا باقی ایام کی نسبت راجح قرار پائے گا دیکھئے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں:

عالم برزخ میں زندوں کی مدد اموات	و مدد زندگان بمرگوان دریں حالت
کو بہت جلد پہنچتی ہے اور اموات کو	زود تر میرسد و مرگوان منتظر حقوق مدد
زندوں کی مدد کا انتظار رہتا ہے اور	ازیں طرف مے باشند چنان گماں
و دیوں سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور	مے برند کہ ہنوز زندہ ایم الی ان قال و
صدقات فاتحہ دعائیں اس وقت بہت	صدقات و ادعیہ فاتحہ دریں وقت
کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے لوگ ایک	بسیار کار آدمی آید و ازیں جا است
سال تک اور بالخصوص چالیس دن	کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص
تک اسی قسم کی مدد کرتے رہتے ہیں۔	تا یک چمد بعد موت دریں نوع امداد

کو شش تمام مے نمایند۔

شاہ عبدالعزیز کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تعیین عرفی کی ترجیح پر مبتدعین دیوبند کے مسلم شیخ حاجی امداد اللہ کا کلام بھی ہدیہ ناظرین کیا جائے تاکہ شریعت و طریقت ہر دو طریق سے عرفی تعیین کا رجحان واضح ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیے حاجی امداد اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”رہا تعیین تاریخ! یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہوا یعنی کسی معین وقت میں اس کام کو کرنا

معمول ابن چکا ہو۔ سعیدی غفرلہ، اس وقت وہ یاد آجاتا ہے۔ اور ضرور آثار تہنا ہے اور نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہین آدمی غور کر کے سمجھ

سکتا ہے۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۹)

کاش سرفراز صاحب بھی غور کر کے سمجھ جائیں۔ ورنہ ہم تو ان کی ذہانت سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ نیز شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ازینجا است حفظ اعراس مشائخ اور اسی ضمن میں بزرگوں کی عرسوں کی حفاظت مواظبت قبور ایشال والترام فاتحہ کرنا ہے اور ان کی قبروں پر ہمیشہ جاتے رہنا اور ان کے لئے فاتحہ پڑھنے کو لازم کرنا

(ہمعات ص ۵۸)

اب دیکھئے ذہین آدمی سمجھ جائے گا کہ شاہ ولی اللہ جو مشائخ کے عرسوں کی حفاظت کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ یہ حفاظت اسی صورت میں ہو سکے گی۔ جب عرس کے لئے ایک تاریخ معین ہو جائے۔ لوگ اس میں شریک ہوں۔ فاتحہ پڑھیں اور صدقہ کا ایصال ثواب کریں۔ اور اگر تاریخ معین نہ ہوئی تو کسی کو کیا معلوم کہ عرس کب ہوا۔ کب نہ ہوا۔ پس لوگ نہ وہاں جائیں گے نہ عرس ہوگا۔

معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی عرفی تاریخوں کی تعیین رائج ہے۔ مگر یہ باریک بینی سرفراز صاحب کے بس کا روگ نہیں۔ اس لئے ہم ان کی خدمت میں شاہ رفیع الدین صاحب کا ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں۔ جس میں صاف الفاظ میں اس تزییح کو بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے شاہ رفیع الدین لکھتے ہیں:

در حدیث است کہ یہود عرصی حدیث میں ہے کہ یہود نے جناب نبوت کردند در حضور جناب نبوت کہ حق تعالیٰ نصرت حضرت موسیٰ و عرق فرعون علیہ السلام کی مدد اور عرق فرعون

دیں روز کردہ است برائے شکرانہ اور روزہ میکیریم۔ جناب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودند۔ انا حق من وفا بذمتہ الی موسیٰ۔ فصام یوم عاشورا و امر الناس بصیامہ و نیز حضرت بلال را وصیت فرمودند بصوم روز دوشنبہ و فرمودند فیہ ولدت و فیہ انزل علی و فیہ ہجرت و فیہ اموت بنا بریں یاد کردن تاریخ و آل ماہ رسم مردم افتاد و اگر چہ فی الحقیقت یاد داشتن آن روز فائدہ ندانست نہ برہ کہ وقت تصدق و دعا ہمیشہ است لیکن چوں مردمان ازین چنان محافظت ایں رسم گذشتہ اندیشال را انتظار بر بسوسے والدین یا اقارب مے باشد رفع انتظار ایشال فائدہ است معتد بہ معاملات مکاشفہ دریافت شد کہ در چنین روز اجتماع اردا ہے دوستال در بر رخ مے شود پس انداد دعا و ختم و اطعام بدعت مباح است و جہ فبیج ندارد۔

یوم عاشورہ میں کیا۔ اس لئے ہم اس روزہ رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے حقدا میں پس اپنے عاشورہ کا خود روزہ کھا اور لوگوں کو بھی حکم فرمایا اور نیز حضرت بلال کو پیر کا روزہ رکھنے کی نصیحت کی۔ اور فرمایا کہ میں ان پیدا ہوا اور اس دن میں مجھ پر قرآن نازل ہوا اور اسی دن میں نے ہجرت کی اور اسی دن مجھے وفات ہوگی بنا بریں تاریخ و ماہ و سال کو یاد رکھنے کی لوگوں میں رسم پڑ گئی ہے اگرچہ حقیقت میں اس دن کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ صدقہ کا وقت اور دعا ہمیشہ ہے۔ لیکن جب لوگ ان خاص دنوں میں ایصال ثواب کرتے ہیں تو ان کے قوت شدہ اقارب کو ان خاص دنوں میں وصول ثواب کا انتظار رہتا ہے اور کشف سے ثابت ہوا ہے کہ اس قسم کے ایم میں روح جح ہوتی ہیں پس ختم دعا اور کھانا کھلانے کے ثواب کے انکی امداد کرنا بدعت مبصر ہے اور اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں ہے۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین ص ۱۴)

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور حاجی

امداد اللہ کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ عرفی تعیین راجح ہے اور اول الذکر تین حضرات ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عبارات سے سرفراز صاحب نے تنقید تین میں استدلال اور استشہاد کیا ہے اور مؤخر الذکر تمام مبتدعین و یوں بد کے متفق علیہ پیر اور مسلم شیخ ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو تعیین یوم کو مباح مان کر عرس سوم اور چہلم کو جائز مان لیجئے یا پھر ان تمام حضرات کو بدعتی اور مشرک قرار دے کر جہنم میں پہنچا دیجئے۔

شاہ عبد العزیز صاحب کی تعیین یوم پر تصریح | اس مسئلہ کی توضیح مزید کے لئے شاہ عبد العزیز کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

سوال۔ تعیین و تقریر یک روز عید سالے بنا بر زیارت قبور بزرگان جائز است یا نہ

جواب۔ رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سے صورت است اول۔ آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت و استغفار و رونا و زاری قدر از روئے وایات ثابت است و در تفسیر دستور نقل نمودہ کہ ہر سال آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابر میرفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور سے نمودند۔ اس قدر ثابت و مستحب است۔

سوال :- سال کے بعد ایک دن کو زیارت قبور کے لئے معین کر لینا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ سال کے بعد ایک دن معین کر کے قبر پر جانے کی کئی صورتیں ہیں۔ اول۔ ایک یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماع کے قبر پر جائیں اور زیارت اور دعا وغیرہ کریں۔ اور یہ از روئے روایات ثابت ہے تفسیر دستور میں نقل ہے کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقابر میں اہل قبور کی دعا کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔

(امام رازی کی تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۰ پر بھی اس قسم کی روایات موجود ہیں۔ سجدی)

دوم۔ آنکہ ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شریعتی یا طعام نمودہ تقسیم در میان حاضران نمایند اس قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین بود اگر کے اس طور بکنند پاک نیست۔ زیر کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ اعیار و اموات را حاصل مے شود سوم۔ طور جمع شدن بر قبور نیست کہ مردمان یکروز معین نمودہ و لباس پاکہ فاخرہ و نفیس پوشیدہ نش روز عید شادمان شدہ بر قبر ہا جمع میشوند رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجدہ برائے قبور و طواف کردن قبور سے نمایند اس قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے سجدہ کفر میرسند و میں است محل اس دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیدا۔ چنانچہ در مشکوٰۃ شریف موجود است۔ و اللہ لا تجعل قبری و شایعہ اس ہم در مشکوٰۃ است۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۸)

شاہ صاحب کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس کے لئے دن معین کے

دوم۔ ہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں۔ اور شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں حاضرین کے درمیان تقسیم کریں یہ قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس اور بعد خلفاء راشدین میں معمول نہ تھی لیکن اگر کوئی اس طرح کرے تو حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے سوم۔ لباس فاخرہ پہن کر عید کی طرح شادمان و فرحان قبر پر ایک معین دن جمع ہوں۔ اور قبر پر رقص و سرود کی محفل سجائیں اور قبر پر سجدہ و طواف کریں۔ یہ قسم حرام و ممنوع ہے۔ بلکہ حد کفر تک پہنچتی ہے۔ اور یہی ان دو حدیثوں کا مطلب ہے۔ جن میں ہے میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ اے اللہ میری قبر کو پوجا کے جانے والا بت نہ بنانا۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں بھی مذکور ہیں۔

ایصال ثواب کرنا۔ طعام و شیرینی پر فاتحہ پڑھنا ختم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں۔ اور مدارِ حرمتِ قبر کے لئے سجدہ و طواف کرنا اور رقص و سرود کا ارتکاب ہے۔ نہ کہ تعینِ یوم ممکن ہے سرفراز صاحب کی آنکھیں کھل گئی ہوں۔ اور اب بھی اگر ان کے سر سے بدعت کا بھوت نہ اترتا ہوتا تو ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے ایک محاصر نے ان پر ہر سال شاہ ولی اللہ کا عرس منانے پر اعتراض کیا۔

و عرس بزرگال خود بر خود مثل
فرض دانستہ۔ سال بسال بقیہ اجتماع
کردہ طعام و شیرینی در آنجا بردہ تقسیم
نمود و مقابر را و نشانے عبدے کند

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۵)

اب آپ اس سوال کا جواب شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

ایں طعن مبنی است بر چہل احوال
مطعون علیہ زیرا کہ غیر فرائض شرعیہ
را بیچ کس فرض نمی داند آئے زیارت
و تبرک بقبور صالحین و ابدال ایشان
باید ثواب و تلاوت قرآن و دعائے
خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و
خوب است باجماع علماء و تعین روز
عرس برائے آنست کہ آن روز مذکر
انتقال ایشان ہے باشد از دار العمل
بدار الثواب (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۹)

یہ اعتراض ہمارے حال سے ناواقفیت
پر مبنی ہے۔ کیونکہ غیر فرائض شرعیہ کو
کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا۔ ہاں قبور
صالحین کی زیارت اور ان سے برکت
حاصل کرنا اور ثواب سے ان کی امداد کرنا
اور تلاوت قرآن و دعائے خیر کرنا اور
کھانا اور شرینی تقسیم کرنا باجماع علماء امر
مستحسن و خوب ہے اور روز عرس کی تعین
اس لئے ہے کہ اسی دن ان کا وصال ہوا اور
یہ دن ان کے وصال کی یاد دلاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی اس عبارت سے کئی فوائد حاصل ہوئے۔

اولاً شاہ عبدالعزیز ہر سال تاریخِ معینہ پر اپنے والد کا عرس کیا کرتے تھے۔ علماء
اہل سنت کو تو آپ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں کہ یہ معین تاریخ پر سو کم پہلیم عرس کیا دیں
وغیرہ کرتے ہیں۔ اور تعین بدعت ہے اور کل بدعتہ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ اب
اپنے مسلم شیخ و مرشد کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ کیا انہیں بھی بدعتی قرار دے کر جہنم میں
پہنچائے گا۔ اور اگر آپ کے مروجہ شیخ عرس کی تاریخ معین کرنے سے بدعتی نہیں ہوئے
تو آپ اہل سنت کو کیوں تعینِ یوم کی وجہ سے اہل بدعت کہتے ہیں۔ وجہ فرقی بیان ہو۔
در نہ لوگوں کو آپ کی اصل میں شبہ پڑ جائے گا۔ کیونکہ اسرائیلی نسل ہی کی یہ خصوصیت تھی
کہ وہ ایک کو اپنے احباب و رہبان (علماء اور پیر) کے لئے جائز قرار دیتے۔ اور اسی
کام کو جب مسلمان کرتے تو اسے غلط کہا کرتے تھے۔ پھر آپ ہی بتلائے کہ ہم آپ کو
کیا سمجھیں۔

ثانیاً اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب صالحین کے لئے ایصالِ ثواب
کیا کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز کی عبارتوں پر تکیہ کرنے والے گھڑوی کے لئے مقامِ عبرت
ہے کہ وہ کیا رہیں کہ اس لئے حرام وغیرہ قرار دیتے ہیں کہ بڑے پیر تو ویسے ہی
نیکیوں سے مالا مال ہیں۔ انہیں ایصالِ ثواب کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح صالحین
بھی نیکیوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اب شاہ صاحب سے پوچھئے۔ کہ وہ
صالحین کے لئے ایصالِ ثواب کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں۔

ثالثاً۔ اس ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ عرس کیا۔ غیر القرون میں موجود تھا۔
اگر نہیں تھا تو پھر شاہ صاحب کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آپ کے مسلمہ حرام
کو حلال کئے جا رہے ہیں۔

رابعاً۔ علماء اہل سنت کو تو آپ اپنی روایتی بدگمانی کی وجہ سے کہہ دیتے
ہیں کہ۔

آؤ تو بظاہر مسئلہ کی ہے۔ مگر انتظام سب پیٹ کا ہے۔ اور عوام

انسان کو وہ آئے دن بجائے دلائل و براہین کے چادلوں و مٹھالیوں
مطین کرتے رہتے ہیں۔ (متفقین ص ۵۱)

اب شاہ صاحب کے بارے میں کیا کہنے گا۔ جو فرماتے ہیں۔
”نفس طعام و شیرینی امر متحسن و خوب است“۔ (کھانے اور مٹھائی کا
تقسیم کرنا بہت اچھا کام ہے)

اگر یہ مسئلہ واقعی پیٹ کے انتظام کے لئے ہے۔ تو گستاخی معاف اس
کی بنیاد تو آپ کے حکمی باپ دادا نے رکھی ہے اور من سن فی الاسلام سنہ
ستینۃ فعیہ و ذہا و ذر من عمل بہا (جو شخص کسی برے کام کی بنیاد
رکھے اس پر اپنا اور آئندہ نسلوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا) کے فارمولے کے تحت
ان امور کا وبال آپ کے معنوی آباء کے قسط اس عمل کی رسوائی قرار پائے گا۔ اہل
سنت پر تبر کرنے سے پہلے کاش آپ نے ایک نگاہ اپنے اسلاف پر
کی ہوتی۔

پیٹ کا منتظم کون ہے
حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کھانے والے
منہ نہیں دیکھے۔ یا پھر مسئلہ کی آڑ میں پیٹ
کا انتظام کرنے والے کاریگروں سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں۔ بہر
حال اب وقت آگیا ہے کہ اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:-

سوال۔ ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں
یا پوری یا کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور کھانا
استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ درست ہے۔ رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدہ ص ۲۸۸)

ہولی اور دیوالی معین نارینجوں میں منائی جاتی ہیں۔ اور ہندوؤں کے مذہب
میں ان کا تازنخ معینہ سے پہلے یا بعد منانا جائز نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ

جب آپ کے نزدیک گیارھویں کا کھانا تعین کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ تو
ہولی اور دیوالی کی پوریاں تعین کی وجہ سے کس طرح جائز ہو جاتی ہیں نیز آپ کے
قطب عالم نے سہیل حسین کے شربت کو شیعہ حضرات سے مشابہت کی وجہ سے
حرام قرار دیا ہے۔ تو گزارش ہے کہ جب کوئی حلال کھانا مسلمانوں کے ایک گمراہ
فرقہ کے شعار سے محض مشابہت کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے تو جو طعام بجائے
مشابہت کے خود کفار کا شعار ہو۔ اس کا کھانا کس طرح جائز ہو جائے گا علاوہ
انہی آپ کے مفتی علی الاطلاق نے بغیر کسی دلیل اور شرعی شہادت کے ہندوؤں
کے ہاتھ کا پکا ہوا کسی قیدی یا استثنائے کے بغیر حلال کر دیا۔ گھٹروہی صاحب نے
حق فرزند ادا کرتے ہوئے گنگوہی صاحب کی وکالت میں لکھا کہ:-

”فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ جو رقم کافر کے پاس ہو خواہ اس
نے شراب فروخت کی ہو یا سود لیا ہو۔ اور عام اس سے کہ اس نے
خنسیر فروخت کر کے رقم حاصل کی۔ یا عصمت فروشی کے بعد رقم
حاصل کی۔ جب وہ رقم مسلمان کے ہاتھ میں آجائے گی اور تبدیل ملک
ہو جائے گا۔ تو وہ حلال و طیب ہو جائے گی“

سبحان اللہ کیا کہتے ہیں اس استدلال کے، اگر آپ کو کافرکتا اور خنسیر بھی
پکا کر پیش کرے۔ تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کے لئے حلال اور طیب ہو
جائے گا۔ بریں عقل و دانش بیاید گر نیست

پتہ نہیں سرفراز صاحب نے خود مغالطہ کھایا ہے یا لوگوں کو بیوقوف بنانے
کی کوشش کی ہے۔ کفار کی رقم حرام کی کمانی ہی سہی لیکن بنفسہا رقم کو تو نہیں چھایا
جاتا۔ بلکہ اس سے خرید کر کوئی چیز کھانی جائے گی۔ بخلاف کافر کے ہاتھ سے
ہوئی چیز کے کہ اس کو خود کھایا جائے گا۔ پس ان دونوں کا حکم ایک کس طرح ہو
سکتا ہے۔ اور ہندو لوگ جن کا عام حال یہ ہے کہ وہ گائے کے پیشاب کو پاک
سمجھتے ہیں۔ اس کے پینے کو سعادت جانتے ہیں۔ کتنا ان کے برتنوں کو چاٹتا

رہتا ہے۔ خود دن رات انواع و اقسام کی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے معین دن میں پکے ہوئے کھانے کو بلا کسی قید و استثناء کے جائز قرار دینا رشید احمد گنگوہی جیسے فقیہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

اس کا راز تو آید و مرداں چنین کنند

اب پتہ چلا کہ مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کون لوگ ہیں اور اگر اب بھی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو تو ایک اور حوالہ بھی پیش خدمت ہے۔ شبیر احمد صاحب عثمانی حفظ الرحمن صاحب کے جواب میں لکھتے ہیں۔

”دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً اس میں مانع نہیں ہو سکتا۔“

مکاتلہ الصدرین ص ۱۶

دیکھا آپ نے یہ ہے مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام۔ تھانوی اور عثمانی اپنے پیٹ کا انتظام بھی کرتے رہے اور شرعاً مانع بھی نہ ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ عثمانی صاحب اپنی اور تھانوی صاحب کی برأت میں خواہ کچھ کہتے رہیں۔ لیکن سوچنے والے ضرور سوچیں گے کہ حکومت برطانیہ آخر ان مولویوں کو اس قدر رقوم کیوں مہیا کرتی تھی اور دیوبند کی چار دیواری میں ان سے وہ کونسا کام لیا جاتا تھا۔ جس کے لئے حکومت کو اتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ امید ہے کہ اُنہیں میں اس قدر واضح خدو خال دیکھنے کے بعد سرفراز صاحب

کے لئے اب یہ حقیقت راز نہ رہی ہو گی۔ کہ کھانے پینے کا رسیا کون ہے اور فقہی رعاتوں سے کس نے فائدہ اٹھایا ہے۔

ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فائش غلطی | گیارہویں شریف

کو خلاف سنت اور بدعت قرار دینے کے لئے کھڑی صاحب نے ایک درندہ دم کوشش کی ہے۔ پنا پنچ لکھتے ہیں۔

”کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہویں دینے کا حکم فرمایا

ہے۔“ (تفتیقین ص ۵۲)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کسی جزئیہ کے سنت ہونے کا مدار اس امر پر ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص اس جزئیہ کا حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار جزئیات سنت ہونے سے رہ جائیں گے۔ مثلاً وعظ و تبلیغ کرنا سنت ہے۔ پس اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص سرفراز صاحب کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہے۔ تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ ورنہ ثابت ہوا کہ کھڑی کا وعظ کرنا بدعت ہے، اس کے بعد سرفراز صاحب نے دوسرا سوال یہ قائم کیا ہے کہ

”ایصالِ ثواب کے لئے کیا کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد

فرمایا ہے۔“ (تفتیقین ص ۵۲)

جواباً التماس ہے کہ:-

”دروغ گور ا حافظہ نباشد“

ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت سوئم و چلم وغیرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عام افراد امت کے لئے ہوتے ہیں چھریہ بھی کہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے لئے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کر لیا ہے۔ ارے صاحب۔ اگر آپ کے خیال میں اہل سنت صرف گیارہویں دیتے ہیں۔ تو نتیجہ چالیسواں اور عرس کا نام نہ

فالتقييد في المطلقات التي
لعمري ثبت بدليل الشرع تقييداً
مباركاً في التشريع فكيف اذا
عارضه الدليل الخ -

ان مطلق احكام من قيد كانه تنكي
قيد كس شرعي دليل سے ثابت نہیں اپنی
سائے سے شریعت بنا ہے خصوصاً
جبکہ اس کے معارض کوئی دلیل موجود نہ

(الاغتصام ج ۱ ص ۲۸۴)

علامہ شاطبی کے قول میں تقييد سے مراد وجوبی قيد ہے۔ مثلاً ایصال ثواب کے لئے کوئی شخص سوئم کو اس طرح مقرر کرے کہ اگر اس دن ایصال ثواب ہوا تو جائز ہوگا اور اگر اس سے پہلے یا بعد ہوا تو ناجائز۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شرع میں زیادتی ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔ علامہ شاطبی کے کلام کا اس کے سوا اور کوئی صحیح محمل نہیں ہے، کیونکہ اطلاقی شرعی کا تحقق ظاہر ہے۔ بغیر کسی فرد کے منظور ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ گھڑوی ہی ہم کو کسی اطلاقی شرعی پر بغیر اسے کسی فرد کے ضمن میں مقید کئے عمل کر کے دکھا دیں۔ نیز اس کی مزید وضاحت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس کلام سے ہوتی ہے جسے ہم تعین عرس کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں۔

گھڑوی صاحب
کیا غنیۃ الطالبین غوث اعظم کی تصنیف ہے | کے ناقص مطالعہ

اور انتہائی بے باکی کی ایک اور تین مثال یہ ہے کہ انہوں نے غنیۃ الطالبین کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی تصنیف قرار دیا۔ حالانکہ شیخ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں علامہ عبدالعزیز نے ہر اس میں علامہ ملتانی نے حاشیہ ہر اس میں اور شیخ عبداللہ محبت دہلوی نے ترجمہ غنیۃ الطالبین میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ کتاب آنجناب کی تصنیف نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم نے اصل عبارات پیش نہیں کیں۔ علاوہ ازیں غنیۃ الطالبین میں بعض حنفیہ کو فرقہ مرجیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جو جمہور اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کو محال قرار دیا گیا ہے حالانکہ

لیجئے۔ اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل سنت سوئم وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ تو یہ نہ کہیے کہ سنیوں نے ایصال ثواب کو صرف بڑے پیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ آپ ہی غور کریں کہ آپ کے کلام میں کس قدر تقاد پایا جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت پر تبرک کرنے وقت آپ کی عقل، ہوش و حواس سب ماؤف ہو گئے تھے۔ اور ندیان کی شکل میں آپ الٹا سیدھا لکھتے چلے گئے پھر لکھتے ہیں۔

”کسی کے ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا گیا ہے۔ تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے اور پھر کیا رہیں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں“ (تقید تین ص ۵۲)

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ آپ جو مجمع میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعیین کا حکم دیا ہے۔ اگر دیا گیا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے تب یہ سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔ چلئے آپ کے مجمع کا وعظ بھی بدعت ہو کر جہنم کی نذر ہو گیا۔ بلکہ سنیت کا جو قاعدہ آپ نے باندھا ہے۔ اس سے تو خدا کے فضل سے آپ کا ہر وہ کام جسے آپ سنت سمجھ کر کرتے ہیں۔ بدعت قرار پائے گا۔ کیونکہ ہم کہیں گے کہ آپ کے اصول سے سنت تب ہوگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص اس کی تعیین کا حکم دیا ہو۔ ورنہ بدعت ہوگا۔ اور تعیین پر صحیح سند باحوالہ آپ لائیں سکتے۔ لہذا سر سے پاؤں تک بدعت آپ کا احاطہ کرے گی، اور ابتداء سے انتہا تک آپ کا ہر عمل بدعت کی زد میں آجائے گا۔ اور پھر آپ کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ یہ آپ سوچیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

سرفراز صاحب نے اپنی نا سمجھی اور نادانی سے تعیین کو بدعت قرار

دینے پر علامہ شاطبی کی ایک عبارت پیش کی ہے ہم اسے نقل کر کے ان کی غلط فہمی دور کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

شاطبی کی عبارت کی وضاحت

یہ معتزلہ کا مسلک ہے۔ اور اس نظریہ کا اہل سنت دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اور جناب غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات ستودہ صفات اس بدعتیہ کی سے بہت بلند و بالا ہے۔

طعام پر فاتحہ پڑھنا | گھڑوی صاحب نے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کو ہندوانی رسم قرار دیتے ہوئے ذکر کیا۔

”لیکن جس تاریخ کو کوئی مرا۔ اس تاریخ میں انہیں ثواب پہنچانا ضرور مانتے ہیں۔ اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے۔ اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے۔ تو اوّل اس پر پڑت کو بلوا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں۔ جو پڑت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے۔ ان کی زبان میں ابھشتر من کہلاتا ہے۔ اور اسی طرح اور بھی دن مقرر ہیں“

(تمقید مین ص ۹۱)

اس بیان میں انتہائی بے باکی اور دروغ گوئی سے کام لیا گیا ہے اور ادنیٰ سوچ بوجھ رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے کہ ہندوؤں میں نہ قیامت کا تصور ہے۔ اور نہ ثواب و عذاب کا۔ پس یہ کہتا کہ ہندو ثواب پہنچانے کے لئے طعام پر بید پڑھواتے ہیں۔ ایسی یا وہ کوئی ہے جسے ماننے کے لئے کوئی ہوشمند تیار نہیں ہوگا۔ نیز ہم بحث استعانت میں تفسیر عزیزی سے نقل کر چکے ہیں کہ جو لوگ مردوں کو جلا دیتے ہیں۔ ان کے مذہب میں مرنے والوں کو زندوں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا دیکھئے تفسیر عزیزی پ ۳ ص ۵۰

پھر بتلائیے آپ کے حکمی دادا کی اس تحقیق کے مقابلہ میں آپ کے ہدیان پر کون کان دھرے گا۔ آپ کہتے ہیں ہندو اپنے مردوں کو ثواب پہنچاتے ہیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ این چیز با اصلا نسبت با نہاد در اصل مذہب آئنا نیز واقع نیست۔ (۱) یہ چیزیں اصلاً ان کے مذہب میں نہیں ہیں) اب بتلائیے کہ آپ جھوٹے ہیں یا آپ کے حکمی دادا (ثانیاً) چلیئے۔ اس جھوٹ کو مان بھی لیں۔ تو بھی آپ کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ آپ کھانے پر قرآن پڑھنے کو کھانے پر بید پڑھنے کی مشابہت کی وجہ سے حرام کہتے

ہیں اور آپ کے مرکزی پیر حاجی املا اللہ مہاجر مکیؒ باوجود اس مشابہت کے اسے جائز فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائے۔

لکھتے ہیں

”رہا تشبہ تشبیہ کا اس میں بحث از بس طویل ہے مختصر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ تشبہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ عادات اس قوم کے ساتھ ایسی مخصوص ہوں کہ جو شخص وہ فعل کرے۔ اسی قوم سے سمجھا جاوے یا اس پر حیرت ہو۔ اور جب دوسرے قوموں پر پھیل کر عام ہو جائے تو وہ تشبہ جاتا رہتا ہے۔ ورنہ اکثر امور متعلق عادات اور ریاضات جو غیر قوموں سے ماخوذ ہیں مسلمانوں میں اس کثرت سے پھیل گئے ہیں کہ کسی عالم درویش کا گھر بھی اس سے خالی نہیں۔ یہ امور مذہب میں ہو سکتے قصہ نظہیر اہل قبا اس میں کافی حجت ہے۔ البتہ جو بیعت عام نہیں وہ موجب تشبہ ہے اور ممنوع پس یہ بیعت مروجہ ایصال کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں اور گیارہویں حضرت غوث پاک قدس سرہ کی۔ دسویں۔ بیسویں چہلم شہابی سالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردو لوی رحمۃ اللہ علیہ اور رسم منجا حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وصلو اے شب برات اور دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدہ پر مبنی ہیں۔“ (فیصلہ بفت مسئلہ ص ۹)

ثالثاً مشابہت مذکورہ کا یہ جواب متبیین دیوبند کے مسلم پیر کے کلام سے پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ اس امر میں تحقیق یہ ہے کہ ایصال ثواب کرنے کے لئے طعام پر قرآن پڑھنے میں برفقہ تسلیم ہندوؤں کی بالکل مشابہت نہیں بلکہ سر اسر مخالف ہے کیونکہ وہ طعام پر وید کا کلام پڑھتے ہیں اور ہم طعام پر اللہ کا کلام پڑھتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ مشرکین وقت و زح جانور پر تہوں کا نام لیتے تھے۔ تو مسلمانوں کو ان کی مخالفت میں جانور پر اللہ کا نام لینے کا حکم ہوا۔ پس جس طرح جانور پر تہوں کی جگہ اللہ کا نام لینا کفار کی مشابہت نہیں۔ مخالفت ہے۔ اسی طرح کھانے پر وید کی جگہ اللہ

کا کلام پڑھنا ان کی مشابہت نہیں۔ مخالفت ہے۔ ورنہ آپ کے قاعدے سے تو ذبح پر اللہ کا نام لینا طواف میں اللہ لبیڈ لا شریک لک کہنا یہ سب کفار کی مشابہت قرار پائے گا۔ ممکن ہے سرفراز صاحب اپنی روایتی کجروی سے یہ عذر پیش کریں کہ ذبح پر اللہ کا نام لینا اور طواف میں تلبیہ کے احکام تو مخصوص ہیں۔ طعام پر کلام پڑھنے کی کوئی نص موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مخصوص طریقہ پر نص نہ سہی۔ مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے اس قسم کی مخالفت کی نظیر بھی پیش کی جا چکی ہے اور فاتحہ و طعام دونوں کے ثواب پہنچانے کے دلائل بھی ہم حدیث شریف سے پیش کر چکے ہیں۔ باقی رہا یہ عذر کہ دونوں کا ثواب اکٹھا کیوں پہنچایا جاتا ہے۔ الگ الگ فاتحہ اور طعام کا ثواب کیوں نہیں پہنچایا جاتا جواب یہ ہے کہ الگ الگ ثواب پہنچانا بھی جائز ہے اور لوگ پہنچاتے ہیں آپ اپنی کوریجینی اور بدگمانی کا علاج کیجئے اور دونوں کو جمع کر کے طعام پر فاتحہ پڑھ کر ثواب پہنچانا بھی جائز ہے، الگ الگ پہنچانا تو آپ بھی مانتے ہیں۔ دونوں کو جمع کر کے ثواب پہنچانے کے بارے میں گزارش ہے کہ جمع بین العبادات بھی ثابت ہے۔ جیسے قرآن میں حج اور عمرہ کو جمع کرنا حالت جہاد میں جنگ اور ذکر کرنا عید گاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنا حضرت علی کا حالت نماز میں زکوٰۃ ادا کرنا۔ اہل مکہ کا تراویح اور طواف کو جمع کرنا۔ اہل مدینہ اور امام مالک کا تراویح کی بیس رکعات کے ساتھ طواف کے قائم مقام سولہ رکعتوں کو جمع کرنا نیز شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں۔

”ایک عمل خیر میں ثواباں متحدہ کی نیت کو جمع کیا جاسکتا ہے چنانچہ مسجد میں جانا ایک فعل ہے۔ اور اس میں بارہ نیت جمع کی جاسکتی ہیں۔
(۱) زیارت حق (۲) انتظار نماز (۳) اعضا کو گناہوں سے پاک رکھنا (۴) استکاث (۵) قصد درود (۶) ذکر کے لئے تنہائی (۷) حج اور عمرہ کے ثواب پانے کا ارادہ (۸) افادہ و استفادہ (۹) دینی بھائی کی زیارت (۱۰) سلام (۱۱) تفکر و مراقبہ (۱۲) قصد مشاہدہ حق۔ (الشعۃ المعات ج ۱ ص ۳۴)

اور نیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
نیت المؤمن خیر من عملہ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے پس نیت بھی عبادت ہے اور مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر عبادت ہے۔ اور جب ایک وقت میں بارہ عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ تو طعام اور تلاوت کے ایصال ثواب کی دو عبادتیں جمع ہونے میں کوئی چیز مانع ہے۔
دابعاً۔ انصاف پسند حضرات کے لئے تو سطور بالا میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے کافی ہے۔ لیکن مبتدعین دیوبند چونکہ دلائل سے زیادہ اپنے آباء کے اقوال کو سند سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے اطمینان کے لئے ان کے مرکزی پیر حاجی امداد اللہ شاہ جرمی کا کلام پیش کرتے ہیں۔ جس کے ضمن میں طعام پر فاتحہ پڑھنے کی مکمل وضاحت ہو جائے گی۔
انشاء اللہ العزیز۔ ملاحظہ فرمائیے۔
حاجی صاحب سمجھتے ہیں۔

”سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب و لسان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے۔ تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر رو برو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا رو برو دلانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا کہ جمع بین العبادتین ہے۔
چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دوکار

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا کہ دعا کے لئے رفع یدین

سنت ہے ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مسکین کو دیا جاوے گا۔ اس کے ساتھ پانی دینا بھی تحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائمہ حاصل ہوگئی۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸)

خامسا حاجی صاحب آپ کے ہاں طریقت کے شہنشاہ کہلاتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز شریعت کے بادشاہ۔ اس لئے آئیے اب آپ کو بادشاہ شریعت کی زبان سے بھی طعام پر فاتحہ پڑھنے کے حواز کا حکم سنو ادیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کے نصیب سے مگر ابھی نہ مر سکتے تو ہمارا کیا چارہ ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

ختم کلام اللہ کند و فاتحہ بر شریعت
یا طعام نمود تقسیم در میان حاضران
نمائند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا
و خلفاء راشدین بود اگر کسی اس طور
بکند پاک نیست زیرا کہ درین قسم قیج
نیست بلکہ فائدہ اجبار و اموات
حاصل مے شد۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۸)
مزید لکھتے ہیں۔

طعامیکہ ثواب آل نبی از حضرت
امین نمایند و بران فاتحہ و قل و درود
خواندن تبرک مے شود و خوردن بسیار
خوب است۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۱)

سادسا۔ ہم طعام پر فاتحہ پڑھنے کے حواز اور اباحت کے قائل ہیں، اس کو فرض یا واجب نہیں سمجھتے۔ اور آپ اسے حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم تعیین عرفی کو

جائز کہتے ہیں۔ اسے فرض یا واجب نہیں سمجھتے۔ اور آپ اس تعیین کو حرام کہتے، اب گزارش یہ ہے کہ ہم سے تو ایک اثر کی اباحت پر اس قدر رشد و مد سے نص صریح اور حدیث صحیح کا مطالبہ ہے۔ لیکن آپ جو حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ آپ کے پاس اس مخصوص حکم کی حرمت پر کوئی نص صریح اور متواتر حدیث یا قرآن کریم کی نص قطعی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو بیک جنبش قدم حرام کر دیا۔ اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم، چہلم عرس، گیارہویں اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کا حرام ہونا ثابت ہے۔ ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لاسکتے۔ میں قیامت تک کی مہلت مے کر مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنی حرمت کے دعویٰ پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں۔ فان لم یفعلوا ولن تفعلوا قاتقوا النار الاتی وقودھا الناس والحجارۃ۔

بغیر کسی دلیل کے اپنی خواہش نفسانی سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا۔ اللہ اور رسول کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ مشرکین کا شعار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے وہ کھانے پر فاتحہ یا سوئم یا چہلم کی حرمت ثابت کر سکیں۔ کہیں کل بدعت ضلالہ (ہر بدعت گمراہی ہے) کے عموم سے استدلال ہوگا۔ کہیں محض بدعت کہہ کر رو کیا جائے گا۔

۱۷ ملاحظہ فرمائیے۔ سرخزاد صاحب لکھتے ہیں: کیا جناب رسول اللہ نے گیارہویں دینے کا حکم اجرا فرمایا ہے؟ یا ایصال ثواب کے لئے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے؟ یا کسی کے لئے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ پھر گیارہویں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں، (تقیدین ص ۵۲)

پس ہم بھی کہتے ہیں کہ آپ جو گیارہویں کو حرام کہتے ہیں۔ اور حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے تو بتلائے قرآن کریم کی کوئی نص قطعی یا خبر متواتر میں گیارہویں کو حرام کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی خبر متواتر ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر گیارہویں حرام ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں

کہیں من احدث فی امرنا هذا ایس منہ فہود سے استدلال ہوگا۔ کہیں بدگمانی سے عقائد گھڑے جائیں گے۔ غرضیکہ دعویٰ کسی خاص چیز کی حرمت کا کریں گے اور دلیل میں ایسے عموماً اور اطلاقات شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا بھی تعلق نہ ہوگا۔

گکھڑوی صاحب نے اگرچہ ایصالِ ثواب کا اقرار کیا ہے لیکن ایصالِ ثواب کی جس قدر ممکنہ صورتیں تھیں۔ ان سب کا انکار کر کے حقیقت میں انہوں نے نفس ایصالِ ثواب کا ہی انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی تعین و قید کو ماننے پر تیار نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر قید اور تعین کے نفس ایصالِ ثواب کا تحقق ممکن نہیں۔ پس قید اور تعین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصالِ ثواب کا انکار کرنا ہے۔ اور اب ہم ناظرین پر یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب نہ کرنے والے معتزلہ تھے دیکھئے طحاوی۔

علامہ طحاوی لکھتے ہیں۔

وقالت المعتزلة ليس للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره
ان يحل ثواب عمله لغيره
اور معتزلہ نے کہا کہ کسی انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچائے۔

(حاشیہ طحاوی علی مرقا الفلاح ص ۲۶۶)

ملاحظہ فرمائیے کہ ایصالِ ثواب کا انکار کر کے گکھڑوی نے اپنا قادرہ کن لوگوں سے جا ملایا ہے۔ نحوذبا اللہ من تلک المخدرات الباطلة۔

عہد رسالت میں ایصالِ ثواب
سر فراز صاحب لکھتے ہیں۔

”آپ کی دوا و اوج مطہرات حضرت خدیجہ اور حضرت زینب ام المساکین اور آپ کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ اور آپ کی صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب اور جلیلہ صاحبزادے آپ کی زندگی میں دنیا ئے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ مگر نہ تو

آپ نے ان کا تیجا کیا نہ ساتواں نہ دسواں نہ چالیسواں الخ۔

(راہ سنت ص ۶۴)

اسی صفحہ پر سر فراز صاحب لکھتے ہیں۔

”ایصالِ ثواب ہوتا تھا۔ مگر نہ تو دونوں کی تعین ہوتی تھی الخ

شکر ہے کہ آپ نے ایصالِ ثواب کا اقرار کر لیا ورنہ اگر آپ اس کا بھی انکار کر دیتے۔ تو ہم آپ کا کیا بگاڑ لیتے۔ رہی دنوں کی تعین تو اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں جن دنوں میں ایصالِ ثواب ہوتا تھا وہ دن واقعہ میں معین نہ تھے۔ تو پاگل خانے جا کر اپنی عقل کا علاج کریں۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ شریعت میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ تھا تو بسرو چشم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شریعت میں ایصالِ ثواب کے لئے کوئی دن معین نہیں ہے کہ سوئم چہدم اور گیارہویں کو ایصالِ ثواب ان خاص روز میں کیا جائے۔ تو جائز ہو اور اس کے سوا کسی اور دن میں کیا جائے تو ناجائز ہو۔ ہم ان دنوں اور تاریخوں کو ضروری نہیں سمجھتے اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں بھی ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اس کی تعبیر ایسے ہی مکروہ انداز میں کرتے ہیں۔ جیسا کہ مکروہ آپ کا مذہب ہے۔

چنانچہ آپ نے کھا ہے۔

”اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ جلیلہ شروع کر دیا۔ کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منایا جیتے ہیں۔ اور کسی دوسری جگہ بارہویں تاریخ کو۔ وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیجئے ہم گیارہویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے۔

لیکن اصل بات وہ عوام الناس سے بالکل اوجھل رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ اس طریقے سے ان کے بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آتی ہیں۔ اور کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی“ (منتقد متین ص ۵۰)

نبوت کا حال تو بہر حال خدا کو معلوم ہے لیکن سر فراز صاحب کی بدگمانی سے یہ بات بہر کیف معلوم ہو گئی کہ انہیں ایصالِ ثواب سے ہی مندر ہے اور زبان سے اگرچہ ایصالِ ثواب کا

اقرار کرتے ہیں۔ لیکن اپنے طرز عمل اور انداز تبلیغ سے وہ سنت ایصالِ ثواب ہی کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ جب کیا رہیں شریف کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ تو انہوں نے اولاً مچایا۔ کہ تعیین بدعت ہے۔ اس کا عہد رسالت میں کوئی ثبوت نہیں۔ داعیہ وفات تو زمانہ نبوی میں بھی تھا۔ لیکن ان تاریخوں میں ثواب نہیں پہنچایا جاتا تھا۔ اور جب انہیں بتایا گیا کہ کیا رہیں تاریخ ضروری نہیں دوسری تاریخوں میں بھی ہم ایصالِ ثواب جائز سمجھتے ہیں تو کہنے لگے کہ بطن پروری کے لئے متعدد مواقع فراہم کر لئے۔ سرفراز صاحب آپ ہی بتلائیے کہ جب ایصالِ ثواب سنت ہے اور ثابت ہے تو وہ کس طریقے سے کیا جائے معروف تاریخوں میں کیا جائے تو بدعت اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں کیا جائے تو بطن پروری اب ذرا ہوش میں آکر یہ بتلائیں کہ حضور نے یہ حکم بدعت کے لئے دیا ہے یا بطن پروری کے لئے۔

بدعت سینہ کا غلط ضابطہ | سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

در ایسے امور میں جن کے تمام اسباب و دواعی و محرکات اس وقت موجود تھے نہ قیاس ہو سکتا ہے اور نہ بدعت حسنہ کا درجہ پا سکتے ہیں یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سینہ کی مدین داخل ہیں اس میں ایک رتی برابر شک نہیں ہے چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی تحریر فرماتے ہیں۔ اور اگر آپ کے زمانہ میں سبب موجود ہو۔ لیکن کسی مارضی وجہ سے متروک ہو اور حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو۔ تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے۔ جیسے قرآن کا جمع کرنا۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ مانع تھا۔ وہی برابر آتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا تھا بدل دیتا تھا۔ حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا۔ اور جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو۔ باوجود اس کے حضور نے نہ کیا ہو۔ تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے۔ کیونکہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرور کائنات اس فعل کو خود ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے۔ اور جب

آپ نے خود نہ کیا۔ اور نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ بدعت سینہ قبیحہ ہے۔ (راہ سنت ص ۶۵)
سرفراز صاحب نے جو بدعت سینہ کا یہ ضابطہ وضع کیا ہے۔ چند وجہ سے مردود اور باطل محض ہے۔

اولاً اس لئے کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وذكر السيوطي في رسالته انه يستحب لاهل المدينة سنة ثلاثين ركعة تشبیها باهل مكة حيث كانوا يطوفون بين كل تدويجتين طوافا ويصلون ركعتين ولا يطوفون بعد الخامسة فاراد اهل المدينة مسوا واهم فجمعوا مكان كل طواف اربع ركعات ولو ثبت عدد هاب بالنص لحد يحد الزيادة عليه۔ (مراجعة ج ۳ ص ۱۹۳)
علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کے لئے اہل مکہ کی مشابہت کی وجہ سے چھتیس ۳ رکعات تراویح پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اہل مکہ ہر ترویجہ کے بعد طواف کرتے ہیں۔ اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور پانچویں ترویجہ کے بعد طواف نہیں کرتے پس اہل مدینہ نے طواف کے قائم مقام دو رکعات کو کر لیا (اور اس طرح ہر ترویجہ کے بعد چار رکعات پڑھیں پس سو رکعات زیادہ کیں) اور اگر تراویح کے عدد کی تعیین نص سے ثابت ہوتی تو یہ لوگ زیادتی نہ کرتے۔

سوال یہ ہے کہ طواف کا باعث کعبہ معظمہ ہے۔ اور وہ عہد رسالت میں بھی موجود تھا اور تراویح کا باعث رمضان ہے۔ اور وہ بھی دور نبوی میں کئی بار آیا اور پھر باوجود سبب اور عارض مانع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تراویح چھتیس رکعت پڑھیں۔ نہ تراویحوں کے درمیان طواف کیا۔ پھر اہل مکہ کے لئے مع طواف کے اٹھائیس رکعات اور اہل مدینہ کے لئے بغیر طواف کے چھتیس ۳ رکعات کس طرح مستحب ہو گئیں۔ غور کیجئے۔ جس امر کو آپ بدعت سینہ اور قبیحہ قرار دیتے ہیں۔ اسی کو علامہ سیوطی مستحب فرما رہے ہیں اور یہی امام مالک کا مذہب ہے۔

ثانیاً۔ چلئے ہم آپ کو ڈھیل دینے کے لئے خیر القرون کے احداث فی الاسلام

سے صرف نظر کئے جیتے ہیں تب بھی گزارش ہے کہ قرآن پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے اور وہ آپ کی تحقیق کے مطابق خیر القرون میں سے نہیں ہے کیونکہ آپ نے قرن کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”اس سے انسانوں کا بہترین طبقہ مراد ہے“ (راہ سنت ص ۲۷)

حجاج بن یوسف کے بارے میں علامہ بدر الدین حنفی متوفی ۵۸۵ھ نے لکھا ہے کہ کہ وہ اپنے زمانہ کا بدترین انسان تھا۔

وکان افسق اهل زمانه حجاج بن یوسف۔ زیادہ فاسق شخص تھا۔

پس ثابت ہوا کہ وہ خیر القرون سے خارج ہے۔ اب فرمائیے کہ اس بدترین فاسق کا احداث فی الاسلام کس طرح جائز ہو گیا۔ اعراب لگانے کا باعث اور سبب عہد رسالت میں بھی موجود تھا کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں بھی بے شمار عجبی اسلام لا چکے تھے اور عہد فاروقی اور عثمانی میں تو اسلام کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا پس ثابت ہوا کہ اعراب لگانے کا سبب اور داعیہ عہد نبوی اور دو خلافت راشدہ دونوں میں موجود تھا۔ اور مانع کوئی نہیں تھا اس کے باوجود قرآن پر اعراب نہ لگائے گئے پس حجاج بن یوسف کا یہ احداث فی الاسلام بدعت سیئہ قبیہ قرار پایا۔ حجاج کا تو جو شتر ہو گا سو ہو گا۔ اس بدعت قبیہ کی جن صحابہ و ائمہ دین نے تائید کی انہیں آپ کس کھاتے میں رکھیے گا۔ نبیر آپ کے حکمی دادا شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۸ پر عرس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بہیئت اجتماعیہ مردان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند فاتحہ بر شیرینی یا طعام نموده تقسیم در میان حاضران نمایند اس قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود

بہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں ختم قرآن کریں اور کھانے اور شیرینی پڑاتے پڑھیں اور اسے حاضرین میں تقسیم کریں یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین کے زمانہ میں رواج نہ تھی۔

اگر اس طور کہ نہ باک نیست۔ زیرا کہ لیکن اسکے کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دریں قسم قبیح نیست۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۸)

بقول آپ کے عرس کا باعث عہد رسالت میں موجود تھا۔ اور مانع کوئی نہیں تھا لیکن پھر بھی اس بہیئت کذا ئیہ سے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرس نہ کیا نہ خلفائے راشدین نے اور شاہ عبدالعزیز کو بھی یہ تسلیم ہے کہ یہ صورت خیر القرون میں معمول نہ تھی۔ اس کے باوجود آپ اس صورت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ اور آپ کے شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں اب بتلائیے کہ آپ سچے ہیں یا شاہ عبدالعزیز صاحب۔

پس اب اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ آپ نے جو بدعت سیئہ قبیہ کا معیار مقرر کیا ہے۔ وہ باطل اور مردود ہے۔ اصل میں بدعت سیئہ ہر وہ نیا امر ہے جو مزاج اسلام کے خلاف اور اس کا منہر ہو جس کا منشا کتاب سنت میں موجود نہ ہو۔ اور اس کو دین میں داخل کر لیا جائے۔

(محصلہ شامی ج ۱ ص ۳۹۳)

اور جو شخص بھی کسی ایسی بدعت سیئہ کا ارتکاب کرے۔ وہ بدعتی اور گمراہ ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ دین نے جن امور کا احداث کیا۔ ان سب کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ منشا اسلام کے مطابق ہیں۔ ان پر بدعت سیئہ قبیہ کی تعریف کسی طرح سچی نہیں آتی۔ بدعت سیئہ کیا ہے۔ سیئہ جہات انبیاء کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ امکان کذب کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ عطائی علم غیب کے انکار کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ علم الہی کو حادث ماننا۔ جیسا کہ بلخہ الحیران میں حسین علی (۱) دیوبندی نے لکھا ہے۔

”بدعت سیئہ ہے انبیاء کی شان میں تنقیضی اور توہینی کلمات کو صحیح کہنا بدعت سیئہ ہے۔ الغرض مجموعی طور پر اس قسم کی تمام تعلیمات دیوبند بدعت سیئہ ہیں۔ کا تن پنے

بریلی کے کسی طالب علم ہی سے پڑھ لیا ہوتا تو یہ رسوائیاں آپ کا مقدر نہ بنتیں۔ اور براہیم خفی کی عبارت ہمارے نزدیک ان امور پر محمول ہے جن کا منشاء شریعت میں ثابت نہ ہو۔ اور بیشک جس کا منشاء شریعت میں موجود نہ ہو وہ مردود ہے۔ اور جن کا باعث زمانہ رسالت میں موجود ہو اور مانع کوئی نہ ہو اور پھر بھی حضور اس کو نہ کہیں۔ یہ اسی وقت مردود ہوگا۔ جب اس کا منشاء اسلام میں موجود نہ ہو اور وہ مزاج اسلام کے خلاف ہو۔ اور یہی بدعت سیئہ ہے۔ بخلاف اہل سنت کے معمولات کے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا منشاء اسلام میں موجود اور ثابت ہے۔

بدعت حسنہ کا استنباط

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز کسی بدعت کو حسنہ

قرار نہیں دینا“ (راہ سنت ص ۹۷)

الجواب۔ مجتہد سے کیا مراد ہے مجتہد فی الشرع جس کا کام اصول کلیہ وضع کرنا ہے یا مطلقاً خواہ کسی درجہ کا مجتہد ہو۔ اگر پہلی صورت مراد ہے کہ مجتہد فی الشرع کا غیر کوئی بھی کسی ضرورت کے پیش نظر کسی اصل سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ تو یہ بلا ہتہ باطل ہے۔ کیونکہ ہر نماز میں تشریب کو متاخرین فقہاء نے مستحسن قرار دیا اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد فی الشرع نہیں ہے۔

نیز ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے مثلاً ریل اور ہوائی جہازیں پڑھنا۔ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا۔ ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند کی خبر۔ اعضاء بیوند کاری۔ بینک انشورنس اور پروانٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے مسائل اور ایسے صدھا مسائل جن کے بارے میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں اور سب کو چھوڑیئے۔ آپ کے قطب عالم نے جو کواکھانے کو کارِ ثواب اور ہولی دیوالی کی پوریوں کو جائز قرار دیا ہے۔

اس پر کونسی صحیح اور صریح نص موجود ہے۔ اور بغیر کسی نص صریح کے آپ کے پیشوا نے جو یہ اجتہاد کیا ہے اس کو کس کھاتے میں رکھئے گا۔

نیز آپ جو اپنے فاسد اجتہاد سے خدا رسول کے بے شمار حلال کردہ امور کو دن رات حرام کرتے ہیں۔ وہ کونسے شرعی اجتہاد سے انجام دیتے ہیں۔

سرفراز صاحب نے ”راہ سنت“ میں بدعت کی بحث میں دیوبندی نظریئے کو جو سہارا دینے کی کوشش تھی۔ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اسے بیوند زمین کر دیا ہے۔

نور بشر

ومن الناس من يقول کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل تحریر فرماتے ہیں کہ "من الناس" فرماتے ہیں لطیف رمزیہ ہے کہ یہ گروہ بہتر صفات و کمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر وصف و خوبی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا یوں کہا جاتا ہے کہ یہ بھی آدمی ہیں۔

مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نہ نکلتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ اور درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔

سرفراز صاحب اس پر تنقید کرتے ہیں !

تنقید۔ نہ تو یہاں لفظ بشر ہے۔ اور نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے ہے بلکہ اس مقام پر (من الناس) کا لفظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کی تردید کی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مولوی نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے بزور اپنا کندہ عقیدہ یہاں ٹھونسے کی لا حاصل کوشش کی ہے اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے قرآن و سنت، اجماع امت کے مسلمہ اصول اور

عقائد اسلام کے سراسر خلاف کہا ہے (اولاً) اس لئے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ ابلیس لعین کا کام ہے نہ کہ مسلمان کا۔ معصوم فرشتوں نے بھی حکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس کی خدا داد برتری۔ فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں بجنے والی مٹی

اور مٹے ہوئے گائے سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو بنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ فرشتوں نے بلا قیل و قال تعیل حکم میں سجدہ کیا۔ مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، (تفتیح متین ص ۶۵)

عقیدہ بشریت | علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے مبعوث ہونے کا بھی انکار نہیں کیا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے شمار فضائل و کمالات کی حامل ہوتی ہے اور چونکہ کتاب و سنت سے نبی علیہ السلام کی نورانیت بھی ثابت ہے اس لئے ہمارے نزدیک نبی علیہ السلام بشریت اور نورانیت دونوں کے جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں البتہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہی صدر الافاضل کا مطلب ہے۔ جس کی انہوں نے خود اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تصریح فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورہ کف کے اخیر میں قل انما بشر مثکم کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار اور تواضع کے لئے حکم فرمایا گیا۔ یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (غازن)

مسئلہ۔ کسی کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے کیونکہ جو کمالات اصحاب عزت و عظمت بر طریق تواضع فرماتے ہیں انکا کنا دوسروں کے لئے روا نہیں ہوتا۔

دوئم یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں۔ اس کے ان فضائل و مراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام میں ذکر کرنا

جو ہر کہہ و مہر میں پایا جائے۔ ان کمالات کے نہ ماننے کا مشعر ہے۔
سوئم یہ کہ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنی مثل
بشر کہتے تھے۔ اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔
سورہ حم سجدہ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

”فَاِنَّهُمْ سِید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر انا بشر مملک فرما حکمت
ہدایت و ارشاد کے لئے بطریق تواضع ہے۔ اور جو کلمات تواضع کیلئے
کہیں جائیں۔ وہ تواضع کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتی ہے
چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈنا
ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روا نہیں۔ کہ وہ حضور
علیہ السلام سے مثال ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کہ
آپ کی بشریت سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ
بھی نسبت نہیں۔“

صدر الافاضل رحمہ اللہ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے (۱)
بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت ہے (۲) کمالات کے اعتبار سے آپ کی
بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں ہے (۳) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کو
اپنی مثل بشر کہے (۴) انبیاء کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے۔ پس
یہ ثابت ہوا کہ ومن الناس من یقول کے تحت جو صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ
”اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بشر کہنے
والوں کو کافر فرمایا گیا۔ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ
ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔“

اس عبارت میں بھی بشر کہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو انبیاء کو ام کو اپنی مثل
لے ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ صدر الافاضل نے یہاں صراحت بیان کیوں نہیں کیا کہ اپنی مثل بشر کہنا کفار کا
دستور ہے جواب یہ ہے کہ یہاں طوالت کے پیش نظر جمالی کلام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے
وہاں اس تفصیل کو پیش کر دیا ہے۔

بشر کہتے تھے۔ جیسا کہ خود صدر الافاضل نے دو جگہ تصریح فرمائی ہے جس کو ہم نقل
کر چکے ہیں۔ تیسری جگہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:-
”اس امت میں بہت سے بد نصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر
کہتے ہیں اور ہمہ سہری کا خیال فاسد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے
بچائے۔“ (خزانۃ العرفان ص ۳۲۴)

اس حوالہ سے بھی یہ ثابت ہو گئی کہ صدر الافاضل نفس بشر کے ثبوت کو جائز سمجھتے
ہیں۔ البتہ ہم مثلی کے عقیدہ کو فاسد قرار دیتے ہیں۔ اصل تفسیر میں یونہی مرقوم تھا۔ ہمارے
پاس مراد آباد کا قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ہے جس میں یہ عبارت اسی طرح ہے بعد میں
جب تاج کپنتی سے یہ شائع ہوا۔ تو بعض بد دیانت سرفراز یوں نے اس میں اس طرح
تحریف کر دی ہے۔

”اس امت میں بھی بہت سے بد نصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم
کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں۔“
یہود کے جان نشینوں نے تاج کپنتی کے عمل میں شامل ہو کر جس طرح صدر الافاضل
کی تفسیر میں تحریف کی۔ اس کی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں۔ تاج کپنتی کا معذرت
نام بھی چھپ چکا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی حقیقت نہ جانی جاسکے ہمارے
پاس قدیم نسخہ موجود ہے جس سے مقابلہ کر کے اصل حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔
مرحال صدر الافاضل رحمہ اللہ کی یہ عبارت اس مقصد پر صریح دلیل ہے کہ بد نصیبی
اور گمراہی۔ بشر کہنا اور ہمہ سہری کا خیال فاسد رکھنا ہے لیکن سرفراز صاحب کی دیانتداری
ملاحظہ فرمائیے۔ کہ وہ اس عبارت پر تبصرہ کرتے وقت لفظ ہم مثلی کے خیال کو شیر مادر
سمجھ کر ہضم کر گئے۔ حالانکہ مرکزی نقطہ یہی ہے۔ جیسا کہ ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں سرفراز
صاحب کی دیانتداری اور دین و ایمان کی روشن ضمیری دیکھئے جس نے ان کو اس غاصب
تبصرہ پر آمادہ کیا۔
لکھتے ہیں۔

”کرم فرما صحیح کی عبارت کے پیش نظر حضرات صحابہ سے لے کر بشمولیت
فقہاء عظام و صوفیاء کرام اور خود فنا صائب ہر بلوی اور ان کے ہم مشرب
لوگ بھی بذہیب قرار پاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت
کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں۔“ (تنقید متین ص ۹۲)

سرفراز صاحب! تحریف کے میدان میں آپ یہود کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں صدر
الافاضل رحمہ اللہ نبی علیہ السلام کی بشریت کی ہمسری کے خیال کو بد نصیبی اور گمراہی قرار
رہے ہیں اور آپ نے لفظ ہم سری کے خیال کو چھوڑ کر نفس بشریت کے اعتقاد کو بد نصیبی
بنا ڈالا۔ اور یہ دیوبند کی بازیگری کا ایک دنی کڑی ہے۔ جس سے کام لے کر وہ ہمیشہ
اہل حق پر تیسرا کرتے رہے ہیں۔ مولوی سرفراز صاحب کی عیاری دیکھئے۔
جب بشریت کو ثابت کرنا چاہا تو انہوں نے اپنی کتاب میں اعلیٰ حضرت اور صدر
الافاضل کی کتابوں سے حوالے دے کر یہ بھی ثابت کر لیا ہے کہ اعلیٰ حضرت اور صدر
الافاضل بنی کی بشریت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جب صدر الافاضل پر سبب و شتم کا
شوق چرایا تو یہ بات گھڑی کہ مولوی نعیم الدین بنی کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا آپ
نے اپنے قارئین کو بالکل ہی بیوقوف سمجھ لیا ہے کہ آپ انہیں فریب پر فریب دیتے رہیں
گے اور انہیں حقیقت سے آشنائی نہ ہو سکے گی۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کی عبارتیں نقل کر کے ہم نے بجملاً یہ ثابت کر دیا ہے
کہ ان کے نزدیک نبی علیہ السلام میں بشریت ثابت ہے اور آپ کا ہمسر اور ہم مثل
کوئی نہیں ہے۔ اور بنی کو اپنے جیسا بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا دستور رہا ہے اور گھڑ
کے محرف نے اپنی کتاب میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مولوی نعیم الدین بنی علیہ السلام کی بشریت
کا انکار کرتے ہیں اور بشر کہنا کفار کا دستور بتاتے ہیں۔ اور بھیر علماء اسلاف کی عبارتیں
یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیں کہ آپ میں بشریت متحقق ہے۔ گذارش یہ ہے کہ اگر اس
تصنیف سے آپ کا مقصد محض بھرتی کرنا تھا تو وہ تو ماشاء اللہ چشم بد دور خوب پورا ہو
گیا۔ اور اگر مقصد صدر الافاضل کا رد کرنا تھا تو وہ معاف کیجئے۔ آپ کو حاصل نہ ہو

سکا۔ کیونکہ صدر الافاضل نے نفس بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ وہ آپ کی ہمسری کا
انکار کرتے ہیں اور محض بشر کہنے کو نہیں۔ بلکہ اپنا ہم مثل بشر کہنے کو کفار کا دستور قرار
دیتے ہیں۔ اگر آپ میں جرأت تھی تو اس امر کے رد کے لئے قلم اٹھاتے مگر یہ آپ سے نہ
ہو سکا۔ آئیے اب ہم اس امر پر قرآن کریم کے حوالے پیش کرتے ہیں کہ اپنے جیسا بشر
کہنا۔ یہ واقعی کفار ہی کا دستور تھا۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورہ ہود میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم
کو دعوت دی۔

فقال الملا الذین کفروا ہمن قومہ
ما ندائک الا بشرا مثلاًنا۔

سورۃ مؤمنون میں دوسرے رکوع کی دوسری آیت میں ارشاد ہے۔
فقال الملا الذین کفروا امن
قومہ ما ہذا الا بشر مثلاًکم۔

اسی سورت کے تیسرے رکوع میں ہو دیا صالح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب انہوں
نے اپنی قوم کو دعوت و جید دی۔

وقال السلاء من قومہ الذین
کفروا و کذبوا بقاء الاخرۃ و
واتدفتا ہم فی الحیوۃ الدنیا
ما ہذا الا بشر مثلاًکم یا کل ممہا
تا کلون منه و یشریب ہما تشربون
ولئن اطعمتم بشر مثلاًکم انکوا اذا
لخاسرون۔

اس رکوع کے اخیر میں ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔

الی فرعون وملأه فاستكبروا
وكانوا قومًا عَالِينَ فقالوا انؤمِّن
لبشرين مثلنا۔

سورہ یس میں ہے۔

اِذَا رَسَلْنَا اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُو
هُمَا فَكَذَّبْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا اِنَّا اِلَيْكُمْ
مُرْسَلُونَ قَالُوا مِمَّا انتحالا
بشرا مثلدنا۔

لگے نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے۔

طرف فرعون اور اس سرداروں کے پس
انہوں نے تکبر کیا اور وہ قوم تھی ہی متکبر پس کہنے
لگے کیا ہم اپنے جیسے و بشروں پر ایمان لے آئیں

اور جب ہم نے اصحاب قریہ کی طرف دو رسولوں
کو بھیجا پس انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ پھر
تیسرے رسول نے تائید کی پس تینوں نے کہا کہ
ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔ پس کفار کہنے

قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہم نے بحمد اللہ یہ امر واضح کر دیا ہے کہ انبیاء کو اپنے
جیسا بشر کہنا یہ کفار ہی کا دستور ہے۔ مولیٰ سرفراز صاحب میں اگر مہمت ہے تو وہ قرآن کریم
کی کسی ایک ہی آیت سے ثابت کر دیں کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا مومنوں کا دستور ہے
مگر شرط یہ ہے کہ آیت بالکل صفات اور صریح ہو۔ کوئی ہیر پھیر اور مصیغہ چکر نہ ہو۔ سرفراز صاحب
نے صدر الافاضل کی تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ:-

”اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے۔ قرآن و حدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول

اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف ہے۔“

ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ صدر الافاضل کا نبی علیہ السلام میں بشریت کو ثابت
اور جمیع عوارض میں اسے غیر مماثل ماننا قرآن و حدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول اور
عقائد اسلام کے عین مطابق ہے۔ بلکہ خود اکابر دین پروردگار کو بھی اس حقیقت کا اقرار ہے۔
خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں۔

”پس کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف
کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ بشریت میں مماثل آپ کے
جملہ نبی آدم ہیں“ (بہارین ہاطحہ ص ۷)

بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کا فرق
اس کے بعد
سرفراز صاحب
لکھتے ہیں۔

”اولاً۔ اس لئے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا ابلیس لعین کا کام ہے۔

نہ کہ کسی مسلمان کا۔ محض فرشتوں نے بھی بحکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس
کی خداداد برتری فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا۔“ (تفتیشین ص ۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ دروغ گوئی ابلیس لعین کا کام ہے۔ صدر الافاضل نے اپنی
پوری تفسیر میں کہیں بشر و انسان کو حقیر اور ذلیل نہیں کہا۔ پس ہم سوائے لغتہ اللہ علی
الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ رہا سرفراز صاحب کا یہ مغالطہ دینا کہ فرشتوں نے سجدہ
کر کے اس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ دلائل کی روشنی میں کوئی دقت نہیں رکھتا۔ فرشتوں
نے بشر کو سجدہ کیا تھا۔ لیکن بشر کو بحیثیت بشر کے سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ بشر کو بحیثیت نبی و
خلیفۃ اللہ سجدہ کیا تھا۔ غور کیجئے کہ اگر نفس بشریت میں کوئی ایسی اہم فضیلت ہوتی تو
آدم علیہ السلام کو صورت بشری میں پیدا کرتے ہی سجدہ کا حکم دے دیا جاتا۔ لیکن ایسا
نہیں ہوا بلکہ پہلے آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور برتری منوائی گئی اس کے بعد فرشتوں
کو سجدہ کا حکم دیا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ آدم کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت
نہ تھی۔ بلکہ وہ ان کی جلالت علمی اور خلافت الہیہ اور نبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں
کو سجدہ ریز کر دیا۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ نفس بشریت ہی ملائکہ پر برتری
کا سبب ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ نفس بشریت تو ابھل اور ابولاب میں بھی متحقق ہے۔
پھر کیا آپ کے عقیدہ میں وہ بھی جبرائیل حملہ عرش اور دیگر ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اگر
الوجہ اور دوسرے کفار فرشتوں سے افضل اور برتر نہیں اور یقیناً نہیں ہیں۔ تو پھر
آپ کو مانتا پڑے گا۔ کہ فضیلت اور برتری کا منشاء محض بشریت نہیں۔ بلکہ صفات
نبویہ فاضلہ کاملہ ہیں۔ آدم علیہ السلام میں دو چہتیں تھیں۔ ایک نبوت اور خلافت کی
اور ایک بشریت کی۔ فرشتوں کی نظر صفت نبوت پر پڑی۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ ابلیس

کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کر دیا۔

قال لہ اکن لا سجد لبشر خلقتہ
من صلصال من حماء مسنون
کہنے لگا میں اس بشر کو سجدہ کرنا نہیں ہوں جس کو
تو نے مجھتی ہوئی مٹی اور گائے سے پیدا کیا۔

مبتدعین دیوبند دیدہ عبرت سے دیکھیں اور غور کریں کہ ابلیس کے سفر کی بنیاد یہ
تھی کہ اس نے نبی کی بشریت کو ملحوظ رکھا۔ اور کمالات نبوت کو نہ دیکھا آج بھی ابلیس لعین
کے طریقہ کو اپنانے والے ہر جگہ ہر موقع پر نبی کی بشریت پیش کرتے ہیں۔ اور نبی کی باقی
خصوصیات و کمالات کے لئے اپنی نگاہوں کے در پیچے بند کر لیتے ہیں۔

آئیے اب امام لازمی کی نگاہ سے دیکھیں کہ فرشتوں نے کس کو سجدہ کیا تھا۔
الدالاج ان الملائکۃ امروا بالسجود
لا دمر لاجل ان نور محمد علیہ السلام
فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا
تھا کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدم کی
پیشانی میں تھا۔
فی جہنۃ آدم (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۰۲)

اور اب یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو کر سامنے آگئی کہ جن کی نظر نبی کے نور پر تھی وہ
سجدہ میں گر گئے۔ اور قرب خداوندی حاصل کر لیا۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی۔
وہ تکبر کر کے ابلیس لعین ہوا۔ اور ابدی لعنت کا طوق پہن لیا۔ سابقہ حوالوں کے نظریں
پر یہ امر واضح ہو چکا ہوگا کہ نبی علیہ السلام کی بشریت کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔
بلکہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا نبی علیہ السلام کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کر
کے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ہم جیسے بشر تھے۔ پس علماء اہل سنت کا مسلک یہ ہے
کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

مبتدعین دیوبند کے روح رواں اسماعیل دہلوی نے نبی علیہ السلام کی بشریت
کو عام بشریت پر قیاس کر کے پیغمبر اسلام کی شان میں انتہائی ناشائستہ کلمات استعمال
کئے اور آپ کی تنقیص کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حقیقت یہ ہے کہ
مبتدعین دیوبند تنقیص رسالت کے لئے آپ کی بشریت کو بنیاد بناتے ہیں۔ اور پھر
اس بنیاد پر وہ تنقیص رسالت کا محل تعمیر کرتے ہیں۔ جہاں تک بشریت کا تعلق ہے۔

ہم اکابر اہل سنت کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور
سرفراز صاحب کا نفس بشریت کو نزاعی مسئلہ بنا کر اس پر حوالے پیش کرنا محض مغالطہ
آفرینی ہے۔ البتہ بشریت کی بنا پر مبتدعین دیوبند اس پر اپنی خواہش نفسانی سے تنقیص
رسالت کا جو قلعہ تعمیر کرتے ہیں۔ اسے ماننے سے ہم کو پہلے بھی انکار تھا آج بھی انکار
ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ انکار رہے گا۔ اب ہم آپ کے سامنے ذریت دیوبند کے
معنوی جد امجد اسماعیل دہلوی کی بدنام زمانہ کتاب ”تقویت الایمان“ سے چند حوالے
پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر واضح ہو جائے کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر نبی علیہ السلام
کی بشریت پیش کرنے سے اہل دیوبند کا اصل مدعا کیا ہے۔

اسماعیل دہلوی مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث نقل کی جس میں نبی علیہ السلام نے
تواضعاً چند کلمات فرمائے ہیں۔ اس کے بعد اس سے فائدہ کا عنوان قائم کر کے
مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

ف ”یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولنا اور جو بشر کی سی
تعریف ہو سو وہی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار ہی کرو“ (تقویت الایمان ص ۴۴)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں تو ان کا یہ فتوہ ہے کہ
بشر کی سی تعریف میں بھی کمی کرو! اور اپنے مولویوں کی شان میں اس طرح رطب
اللسان ہیں۔

تہا ہی تری تربت کو دے کر طور سے تشبیہ

گوں ہوں بار بارانی مری دیکھی بھی نادانی (مرتبہ گنگوہی ص ۱۲)
اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

”جیسا کہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سوان معنوں کو ہر پیغمبر

اپنی امت کا سردار ہے“ (تقویت الایمان ص ۴۴)

نبی علیہ السلام کی تنقیص کی یہ ایک انتہائی خطرناک کوشش ہے ہمیں کوئی
سمجھائے کیا گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی اطاعت گاؤں والوں پر فرض ہوتی

ہے کیا چوہدری کو نہ مانتے سے گاڈل والے کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس لغو تشبیہ سے کیا حاصل؟
نیز اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

”یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں سو بیان کرو۔ وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں“ (تقویت الایمان ص ۲۴)

یہ ٹھیک ہے رسالت سے بڑھ کر بشر کا کوئی مرتبہ نہیں۔ مگر حضور کو صرف رسول کہہ دینے سے آپ کے تمام کمالات کس طرح آجاتے ہیں۔ رسول تو تین سوتیرہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (بعض رسول کو بعض پر فضیلت ہے) پھر بتلائے قرآن کریم میں حضور کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا صرف وصف رسالت بیان کیا ہے اور درجہ بعضہ درجہات علمک مالو تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیمًا ما ذا غ البصر وما طغى انک لعلی خلق عظیم وما ارسلناک الا رحمة للعالمین قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیث کا وافر ذخیرہ کس کی فضیلت میں وارد ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیر حسان کو منبر پر بٹھا کر ان سے صرف لفظ رسول کی گردان سنا کرتے تھے۔ بتلائے بھلا آپ کو حضور کی اس تنقیص اور فضائل کی قطع برید سے کیا حاصل ہوا؟

اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

”یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔ الی ان قال اولیاء انبیاء امام و امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی ہیں مگر ان کو اللہ بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔“ (تقویت الایمان ص ۲۲)

اسماعیل دہلوی حضور علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔
”یعنی میں بھی ایک من کر مٹی میں ملنے والا ہوں“
(تقویت الایمان ص ۲۲)

نیز لکھتے ہیں۔

”اور جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں“ (تقویت الایمان ص ۲۸)
مزید لکھتے ہیں۔

”ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے“
(تقویت الایمان ص ۱)

قارئین کرام آپ ان عبارتوں کو پڑھیئے اور سوچئے کہ نبی علیہ السلام کے فضائل اور کمالات کو مٹانا کن لوگوں کا شعار ہے اور کیا نبی علیہ السلام کی بشریت اسی لئے دن رات پیش کی جاتی ہے کہ آپ کی شان میں اس طرح توہین کی جائے اور آپ کے تمام فضائل کا انکار کر دیا جائے۔

نبی علیہ السلام کی بشریت پر سیر حاصل
نبی علیہ السلام کی نورانیت | بحث کرنے کے بعد اب ہم آپ کی نورانیت کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

قد جاء کون اللہ نور و کتائب
مبین۔
سے نور اور کتاب مبین۔

قرآن کریم کی اس دلیل پر سرفراز صاحب کا ارشاد ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اور چونکہ وادعطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور معطوف و معطوف علیہ مناور ہوتے ہیں۔ لہذا نور الگ شے ہے اور کتاب جدا۔

الجواب۔ اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے۔ اور عطف محض تفسیری ہے۔ (تفہیم ص ۱۰۵)

آئیے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ کہنے والے کون ہیں۔ کہ نور سے مراد نبی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۷۰۶ھ اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

وفيه اقوال (الاول) ان المراد بالنور محمد وبالكتاب القرآن (والثاني) ان المراد بالنور الاسلام وبالكتاب القرآن (الثالث) النور والكتاب هو القرآن وهذا ضعيف لان العطف يوجب المغايرة

اور اس آیت میں کئی اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ بیشک نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے قرآن کریم۔ دوسرا یہ کہ نور سے اسلام مراد ہے اور کتاب سے قرآن تیسرا یہ کہ نور اور کتاب دونوں مراد قرآن کریم ہو اور یہ کمزور بات ہے کیونکہ عطف تغاير کو چاہتا ہے۔

اب غالباً سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہو گا کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدہ کی عمارت قائم کی ہے۔ وہ تیسرے درجہ کا قول ہے جس کو امام رازی نہایت کمزور قرار دیتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قد جاءكم من الله نور) ای ظہور الحق وابطال الباطل واطلاق عليهما الصلوة والسلام لانما يهتدى به من الظلمات الى النور وكتاب مبين بين الامحاز وبين الاحكام وهذا شاهد للمدعى الاول وبانه ان الاصل في العطف المغايرة

(شرح شفاء ج ۱ ص ۴۲)

ظہور اور باطل کو مٹا دینا کہنے کیلئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق اسلئے کیا گیا کہ آپ سے ظلمات میں نور کی طرف ہدایت حاصل کی جاتی ہے (اور کتاب مبین) احکام اور عجز و ظاہر ہے اور احکام بیان کرنے والی ہے اور یہ پہلے مطلوب کی دلیل ہے جس کا بیان یہ ہے کہ اصل عطف میں مغايرہ ہے۔

باقی رہا سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ واوکا عطف تفسیری ہے اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ واوکا عطف میں اصل مغايرت ہے اور عطف تفسیر مجاز ہے اور کاش کہ آپ نے اصول التناهي، پڑھی ہوتی۔ تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اصل الفاظ میں حقیقت ہے۔ تناو فیکہ تعذر

عقلی یا شرعی لازم آئے پس آپ کا بغیر تعذر کے واوکا عطف تفسیری پر محمول کرنا علم سے تہی دستی کے سوا اور کیا ہے اور اسی عطف تفسیری کا جواب ملا علی قاری حنفی سے ملاحظہ فرمائیے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وقد حال بعض المفسرين يانه من باب الجمع بين الوصفين باعتبار تغايرهما اللفظي وان المراد بها القرآن وقد يقال في مقابلهم واي مانع من ان يجعل النحتان للرسول صلى الله عليه وسلم فاتما نور عظيم لكمال ظهوره بين الانواس وكتاب مبين من حيث انها جامع لجميع الاسراس ومظهر للاحكام والاحول والاحياس

(شرح شفاء ج ۱ ص ۴۲)

اور تحقیق بعض مفسرین نے یہ ارادہ کیا کہ نور اور کتاب میں دونوں سے مراد قرآن کریم ہے اور عطف میں تغاير لفظی بلحاظ صفات ہے اور بلا خوف و خطر ان کے مقابلہ میں یہ بات کہی جائے گی کہ جب نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم لیا جا سکتا ہے تو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ نور اور کتاب میں دونوں لفظوں سے رسول اللہ کی ذات کریم مراد لی جائے بایں طور کہ نور اور کتاب میں ہونا دونوں آپ کی صفات ہوں کیونکہ آپ نور اس لحاظ سے ہیں کہ انوار میں کامل ظہور رکھتے ہیں۔ اور کتاب میں اس اعتبار سے ہیں کہ آپ تمام اسرار النہیہ کے جامع احکام شریعیہ کے مبین اور اخبار و حالات کے بتلانے والے ہیں۔

اسی طرح علامہ آلوسی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا يبعد ان يراد بالنور والكتاب المبين النبي صلى الله عليه وسلم والعطف عليه كالعطف على ما قاله الجبائي ولا شك في صحة اطلاق كل عليه عليه الصلوة والسلام

اور بعید نہیں کہ نور اور کتاب میں دونوں سے نبی علیہ السلام کی ذات مقدسہ مراد ہو۔ اگر عطف کو جبائی کی طرح عطف تفسیری پر محمول کیا جائے اور بلا ریب نبی علیہ السلام پر نور اور کتاب میں دونوں کا اطلاق صحیح ہے۔

آپ نے غور فرمایا۔ مداح نبی ملا علی قاری حنفی اور علامہ آلوسی حنفی تو مدحت رسول اور عظمت نبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد حضور کی ذات ہے اور رفعت نبی اور عظمت رسالت کے منکر کہتے ہیں کہ دونوں تو کجا ایک سے بھی مراد آپ کی ذات نہیں ہے سرفراز صاحب نے ذکر رسول کو قطع کرنے کے لئے جس طرح مقراض دیوبند کو استعمال کیا ہے۔ اس نے ان کی فطرت کے نقوش کو خوب اُجھار کر عوام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اب عوام کو غور کرنے کا موقع ملے گا کہ دیوبند کے اسلام اور عشق نبی کے نعروں میں کتنی اصدیت ہے۔ کیا یہ حقیقت اب واضح نہیں ہو گئی ہے کہ دیوبندی نصاب اپنے فضلا کے سینوں میں کوٹ کوٹ کر بغض رسالت کی چنگاریاں بھردیتا ہے جس کا ایک اندازہ دیوبند کے اس فاضل کی تحریر سے کیا جاسکتا ہے۔

ملا علی قاری حنفی کے بعد سید محمود آلوسی حنفی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

(قد جاءكم من الله نور) عظیم
(تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور) عظیم اور وہ
وہو نور الانوار والنبي المختار صلی
تمام نوروں کا نور ہے اور نبی مختار ہیں صلی
اللہ علیہ وسلم والی هذا ذهب قتاده
اللہ علیہ وسلم اسی طرف قتادہ گئے ہیں
واختاره الزجاج (روح المعانی)
اور اسی کو زجاج نے اختیار کیا۔

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور تمام انوار کی اصل ہیں اور بربارت مبتدعین دیوبند کے اس فاسد عقیدہ پر ضرب کاری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط ہدایت کے لحاظ سے نور ہیں۔ اور حسی نورانیت آپ کو نہیں ملی۔ حق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسی اور معنوی ہر قسم کی نورانیت کے جامع اور تمام انوار ہیں۔ اور مختلف اوقات میں آپ سے مختلف انوار کے مقتضیات ظہور میں آئے۔ جب بشریت کا غلبہ ہوا تو بشری عوارض پائے گئے۔ اور جب نور معنوی یا حسی غالب ہوا تو اس کے مظاہر پائے گئے۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے فرمایا۔

(قد جاءكم من الله نور) ہو نور النبی
قد جاءكم من الله نور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر جلالین)
کے نور کا ذکر ہے۔

شیخ احمد صادی مالکی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

وسعی نور الانوار البصائر و
آپ کو نور سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ آپ
یہدیہا للرشاد ولانہ اصل کل
بصائر کو منور کرتے ہیں اور انہیں راہ ہدایت
نور حسی و معنوی۔
عطا فرماتے ہیں اور اس لئے کہ آپ ہر نور کی اصل
ہیں خواہ حسی ہو یا معنوی۔

شیخ ابوسعود اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

قیل المراد بالاول هو رسول الله صلی
کہا گیا ہے کہ اول یعنی نور سے مراد رسول کریم کی ذات
اللہ علیہ وسلم وبالثانی القرآن۔
اور ثانی یعنی کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے۔

(تفسیر ابوسعود)

حضور کی نورانیت پر اعتراض کا جواب
سرفراز صاحب نے نور سے
ذات نبی مراد نہ ہونے پر ایک
دلیل قائم کی ہے۔

لکھتے ہیں۔

”اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ذکر
اسی آیت کے شروع میں مستقل ہو چکا ہے۔ (تنقید متین ص ۱۰۵)

یا اهل الکتاب قد جاءكم رسولنا
اے اہل کتاب تحقیق سے آیا تمہارے پاس ہمارا
رسول ظاہر کرتا ہے تم پر۔ اور آخر میں کتاب
مبین لکم الایمان۔
کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور مبین بھی۔

اس بے سرو پا شبہ کے جواب میں مفسرین کی عبارات لانے کی بجائے بہتر ہو گا۔ کہ
مبتدعین دیوبند کے حکیم علی الاطلاق اشرف علی تھانوی کی عبارت پیش کیا جائے۔
لکھتے ہیں۔

”قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين يهدي به الله أي تفسیر یہ
 ہے کہ نور سے مراد (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور اس تفسیر کی وجہ یہ ہے
 کہ اس سے اوپر بھی قدا جاءکم رسولنا فرمایا ہے۔ تو یہ قرنیہ ہے اس پر کہ دونوں
 جگہ جاءکم کاف اعلیٰ ایک ہو۔ (رسالۃ النور ص ۳۱)

اب آپ غور فرمائیے کہ سرفراز صاحب کے نزدیک عبارت میں قدا جاء صح رسولنا کا ذکر نور سے حضور کی ذات مراد نہ ہونے پر قرینہ ہے اور ان کے حکیم الامت کے نزدیک عبارت میں اسی قدا جاء کم رسولنا کا ذکر نور سے آپ کی ذات مراد ہونے پر قرینہ ہے۔ اب کس کا بتلایا ہوا قرینہ صحیح ہے اور کس کا غلط یہ فیصلہ ہم سرفراز صاحب کے ذوق سلیم پر چھوڑتے ہیں ستراہ خود کو جاہل بنا کر تھانوی صاحب کی تصحیح کریں۔ یا اپنے کلام کو صحیح قرار دے کر امت دیوبند کے حکیم کو جہالت کی جھٹی میں جھونک دیں۔

حضور کی نورانیت پر ایک اور اعتراض

صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ:-
 ”اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب مبین سے الگ چیز مراد ہونی۔

توضیحِ ثنید کی بہا مناسب تھی۔ (تنقیدتین ص)

قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظریں موجود ہیں جن میں امور متعدد کی طرف ضمیر واحد کا بطور بدل لٹایا گیا ہو لیکن بغض رسالت کا کیا علاج مگر فراہ صاحب کو پوسے قرآن میں صرف یہی ایک مقام کھٹکا ہے۔ بہر حال جواب حاضر ہے۔ علامہ السعدی و آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

توحید الضمیر المجبور لا تحاد
المرجع بالذات او لكونها في حكم
الواحد او اريد يهدي بما ذكره الخ

ضمیر مجبور کو واحد بنا سنے لایا گیا ہے کہ انجام حج
متحد بالذات ہے کیونکہ احکام قرآنی کی طبع انسانی
صورت اگر متصور ہو سکتی ہے۔

(تفسير البسعود)

تو وہ آپ کی ذات مقدسہ ہے اور اگر آپ کی ذات وصفات کی اگر کوئی جامع عبارت
حامل ہو سکتی ہے۔ تو وہ قرآن کریم ہے۔ یا اس لئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے کیونکہ
دونوں واجب الطاعت ہیں، اور ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی تاویل میں راجع ہے اور
یہی وہ جواب ہے جو اس قسم کے مواقع پر بالعموم مفسرین اور شارحین دیا کرتے ہیں)
شیخ ابوسعود کی طرح علامہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انوار التنزیل میں علامہ امین حقی
نے روح البیان میں اور دیگر اکابر علماء نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں اسی قسم کے جوابات
دیئے ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے، کہ معاندین رسالت اپنے توہمات کے تیر برسا ہے
ہیں۔ اور نبوت کے پر وائے دلائل وبراہین کی سپرین کمر ان کے مقابل آہے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجع بھی واحد ہونا چاہئے تو چلئے یہی سہی۔ لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اگر مرجع واحد ہو تو نور اور کتاب میں دونوں سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ اور یہی جواب ملا علی قاری نے شرح شفا میں اور علامہ آوسی نے روح المعانی میں دیا ہے جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں منصف مزاج کم لئے یہ جاندار حوالے کافی ہیں اور جن کے دل ظلم سے مردہ ہو چکے ہیں۔ ان کا ہم کوئی ذمہ نہیں لیتے۔ اب اس ضمن میں علامہ بیضاوی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

آیت مبارکہ میں نور سے مراد محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
گرامی ہے۔

(تفسیر بیضاوی)

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں :-

(قد جاءكم من الله نوراً يعنى

نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور آپ کو نور سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے اسی طرح ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسے نور سے

محمد اصرى الله عليه وسلم انما

سماہ اللہ نور الائمہ یحتمدای بہ

کہا یتھدی بالکوس فی الظلام
(تفسیر خازن)

علامہ سفی حنفی زیر نظر آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

اول النور محمد علیہ السلام لانہ
یتھدی بہما کما سہی سراجا۔
(مدارک التنزیل)

ان مختصر اور مضبوط حوالوں کے بعد ہم اس آیت پر علامہ اسماعیل حنفی کا نورانی اور روح
پرور کلام پیش کرتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی ملاحظہ کر کے اپنے قلوب اور روح کو منور
فرمائیے۔

واعلم ان اللہ تعالیٰ بعث النبی صلی
اللہ علیہ وسلم نوراً یبیین حقیقۃ
حظ الانسان من اللہ تعالیٰ وانہ تعالیٰ
سہی نفسہ نوراً بقولہ تعالیٰ اللہ نور
السموات والارض لانہما کانا
مخفیین فی ظلمۃ العدم فاللہ تعالیٰ
اظهرہما بالایجاد وسہی الرسول
نور الان اول شی اظهرہ الحق
بنور قدرتہ من ظلمۃ العدم کان
نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما
قال اول ما خلق اللہ نوری ثم
خلق العالم بہا فیہ من نورہ
بعضہ من بعض فلما ظهرت
الموجودات من وجود خورہ سماہ

اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو
بحیثیت نور مبعوث فرمایا۔ اور آپ نے انسان
کے لئے عطیہ الہی بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ
تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنے قول اللہ نور السموات
والارض میں نور سے موسوم فرمایا کیونکہ ارض
وسماہ ظلمت عدم میں ستور تھے پس اللہ تعالیٰ
نے صفت ایجاد سے انہیں ظاہر فرمایا۔
اور نبی علیہ السلام کو نور فرمایا کیونکہ وہ
پہلی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ نے نور قدرت سے
ظاہر فرمایا۔ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
جس طرح آپ نے خود فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ
نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ
نے عالم کے بعض انوار کو بعض سے پیدا
فرمایا پس جب آپ کے نور سے موجودات ظاہر

نور اوکل ما کان اقرب الی الاختراع
کان اولی باسم النور کما ان عالم
الارواح اقرب الی اختراع من
عالم الاجسام فلذلک سمی عالم الانوار
والعلویات نوراً انیاً بالنسبۃ
الی السفلیات فاقرب الموجودات
الی الاختراع لما کان نوراً فالنبی صلی
اللہ علیہ وسلم کان اولی باسم النور
ولہذا کان یقول انا من اللہ و
المؤمنون منی وقال تعالیٰ قد جاءکم
من اللہ نور ووروی عن النبی علیہ
السلام انہ قال کنت نوراً بین یدی
وہی قبل خلق ادم باربعۃ عشر الف
عام وکان یسمی ذالک النور وتسبیح
الملائکۃ بتسبیحہ فلما خلق ادم
القی ذالک النور فی صلبہ وعن
ابن عباس رضی اللہ عنہما عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال
لما خلق اللہ ادم راہبطانی فی
صلبہ الی الارض وجعلنی فی صلب
نوح فی السفینۃ وقد فتی فی صلب
ابراہیم ثم لم یزل تعالیٰ ینقلنی من
الاصلاب الکریمۃ الی الارحام

ہو گئے تو آپ کا نام نور رکھا اور فرشتے جو
اقرب الی الایجاد ہو وہ اسم نور کے زیادہ
مناسب ہے کیونکہ عالم ارواح جبکہ ایجاد کے
زیادہ قریب تھا تو اسی وجہ سے اسے عالم انوار
کا نام دیا۔ اور عالم علوی نورانی ہے نسبت
عالم سفلی کے پس نور نبی جبکہ تمام موجودات
کی نسبت ایجاد کے سبب زیادہ قریب ہے
لہذا نور کا نام سب سے زیادہ آپ ہی کی فائز
مقدسہ کے مناسب ہے۔ اسی لئے آپ نے
فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور کی (تجلی) پیدا ہوا
اور زمین مجھ سے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے
شک تمہارا پاس اللہ کی جانب سے نور آیا اور
نبی علیہ السلام سے مری ہے کہ میں اپنے بک پاس
بحیثیت نور آدم کی پیدائش سے چوہزار برس پہلے
موجود تھا اور یہ نور اللہ کی حمد و ثنا کرتا تھا اور
فرشتے اس حمد سے تسبیح کیا کرتے تھے پس جب آدم
علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ نور انکی پشت میں
رکھا گیا اور ابن عباس سے مروی ہے۔ وہ کہتے
ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
جب آدم کو پیدا کیا تو مجھے انکی پشت کے ضمن میں
زمین پر آنا پھر نور کی پشت کے ضمن میں کشتی میں اتارا
اور ابراہیم کی پشت میں رکھا پھر اسی طرح مجھے
کریمانہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف نقل

الطاهرة حتى اخذ جني من ابوي لم يمتنعيا على سفاح قط۔
فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے میرے والدین کی طرف بھیجا۔ جو کبھی زنا پر اکٹھے نہیں ہوئے۔
(روح البیان)

حضور کی نورانیت اکابر دیوبند کی نظر میں | مسئلہ نورانیت محمدی میں جہور مفسرین کا کلام سپردِ قلم کرنے کے بعد ہم اس موضوع پر ان ستونوں کی عبارت پیش کرتے ہیں جن کے کاندھوں پر عمارت دیوبند کا بوجھ ہے۔ اور ظاہر ہے ان عمائد کو گمراہی نہ دینا دیوبند کو مسمار کرنے کے مترادف ہے اب سرفراز صاحب بالو علماء دیوبند کی پوجا چھوڑ دیں اور یا تو یہ کمرے کے اہل سنت کے مسلک کو قبول کر لیں۔

رشید احمد صاحب گنگوہی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔
لکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ در شان حبیب خود صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ آمدہ نزد شما از طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراد از نور ذات پاک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم است۔
حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرماتا ہے کہ آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین اور نور سے مراد حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔

(امداد اسلاک ص ۸۶)

مولوی اشرف علی تھانوی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

”اب لیجئے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ مظهر بغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مظهر کے بہت مناسب ہے کہ مراد نور سے آپ ہوں۔“

(رسالہ النور ص ۳۱)

سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں
”شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم

مراد ہے۔“

شاید کی یہ ہڈی ان کے گلے میں جا کر اس طرح پھنسی ہے نہ صاف اقرار کر سکتے ہیں اور نہ واضح انکار کی ہمت ہو سکی عجیب شخصے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مشتاق احمد نے رسالہ التوسل میں لکھا۔ اور اسے محمود الحسن مفتی کفایت اللہ مفتی محمد شفیع جیسے اکابر دیوبند کی تائیدات سے مزین کیا۔ اس میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔
”نور سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔“

(التوسل ص ۲۳)

ہم نے آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح علماء دیوبند کی عبارت کو پیش کر دیا ہے کہ رؤسا دیوبند آیت مذکورہ میں نور سے رسول کریم کی ذات اقدس مراد لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی سرفراز صاحب کا قول بھی نقل کر دیا ہے کہ وہ نور سے رسول اللہ کے مراد ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ دونوں میں کون غلط اور گمراہ ہے۔ اس پر ہم ناظرین کی بصیرت کو منصف بناتے ہیں۔

حضور کی نورانیت پر قرآن سے مزید دلائل | سرفراز صاحب نے اپنے ضعیف مطالعہ اور علمی فقدان سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر یہی ایک دلیل ہے۔ یہ ان کی خوش فہمی بلکہ غلط فہمی ہے۔ دیدہ۔ بینا کے لئے قرآن شریف میں انکنت آیات نبی علیہ السلام کی نورانیت کی حامل ہیں۔ ہم چند آیات مع تفسیری حوالوں کے نذر رقم کرتے ہیں۔

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں۔

وقال الله تعالى الله نور السموات والارض الايتة۔ قال كعب الاحبار وابن جبير المراد بالنور انشا في هنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقوله تعالى مثل نورہ
اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ آسمانوں و زمینوں کا نور ہے۔ کعب احبار اور ابن جبير نے کہا کہ یہاں نور ثانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول مثل نورہ کا معنی ہے

ای نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 وقال سهل بن عبد الله المعنى الله
 هادي اهل السموات والارض
 ثم قال مثل نور محمد اذا كان
 مستودعا في الاصلاب كمشكوة
 صفنها كذا واراها لمصباح قلبه
 والرجاحة صدارة اى كانه
 كوكب درى لما فيه من الايمان
 والحكمة يوقد من شجرة مباركة
 اى من نور ابراهيم عليه الصلوة
 والسلام وضرب المثل بالشجرة
 المباركة وقوله يكا ذريةها يضيئ
 اى تكاد نبوة محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 يتبين للناس قبل كلامه كهذا
 الزيت وقد قيل في هذه الايتا
 غير هذا والله اعلم وقد سماه
 الله في القرآن في غير هذا الموضع
 نور او سراجا منيرا - فقال تعالى
 قد جاءكم من الله نور وكتاب
 مبين وقال تعالى انا ارسلناك
 شاهدا ومبشرا ونذيرا
 داعيا الى الله باذنه و
 سراجا منيرا -
 اور اسی ضمن میں فرمایا۔ الم نشرح

لك صدالك الى اخر السورة شرح
 وسع والمراد بالصدر هنا القلب
 قال ابن عباس رضى الله عنهما
 شرحه بنور الاسلام وقال
 سهل بنور الرسالة الخ -
 (الشفاد ص ۱۰)

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اسی مضمون کی شرح کرتے ہوئے ارقام
 فرماتے ہیں۔

والحاصل ان نور محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم انتقل من ابائه الكرام
 الى ان ظهر ظهورا بينا في ظهر ابراهيم
 عليه الصلوة والسلام اذ صار علما
 في علم التوحيد والاسما في باب التفويض
 والاسلام فهو شجرة كثيرة الخير
 لان من بعد من الانبياء كلهم
 من ذريته وكان اكثرهم من جهة
 الشام من الارض التي بارك الله تعالى
 حولها وكان الذيتونه اشارة
 اليها - (شرح شفا ۱۶ ص ۴۱)

صاحب تفسیر خازن میں سراجا منیرا کے تحت فرماتے ہیں۔

معناه امدا الله بنور نبوته
 نور البصائر كما يمد بنور السراج نور
 الابصار - (تفسير خازن)
 اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور
 نبوت سے بھائر کے نور کی مدد فرمائی جیسے نور سراج
 سے نور ابصار کی مدد کی جاتی ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

قال في حق النبي صلى الله عليه وسلم
سراجا ولو يقبل انما شمس مع ان
النهار اشد اضاءة من السراج
لغوائد منها ان الشمس نورها لا
يؤخذ منها شئ والسراج يؤخذ
منه انوار كثيرة (تفسير كبير)

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں چراغ
فرمایا اور شمس نہ فرمایا۔ حالانکہ سورج کی روشنی
زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک
وجہ یہ ہے کہ شمس سے عموماً استفادہ نہیں کیا
جاتا بخلاف چراغ کے کیونکہ اس سے انوار کثیر
حاصل کئے جاتے ہیں۔

قد جاءكم من الله نور من حضور ﷺ کی نورانیت کی نفی کرنے والے کون تھے

ہم نے گذشتہ سطور میں یہ امر انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ اہل سنت
کے نزدیک نورانیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جو مفسرین کے نزدیک
”قد جاءكم من الله نور“ میں نور سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب یہ بھی دیکھئے
کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن کریم ہے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والے
کون لوگ ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

وقال ابو علي الجبائي عنى بالنور
القرآن لكشفه واطهاره طوق
الهدى واليقين واقتصر على
ذلك الذمخشري - (روح المعاني)

ابو علی جبائی نے کہا نور سے مراد قرآن کریم ہے
کیونکہ وہ حقائق کا کشف و بیان اور ہدایت
کے طریقوں کو ظاہر کرتا ہے اور زمخشری
نے اسی تفسیر پر اکتفا کیا ہے۔

اور زمخشری صاحب کشف کا کیا مذہب ہے۔

علامہ پرچاروی لکھتے ہیں۔

وكان صاحب الكشاف يكتفى بنفسه ابا ملتزلة (نیز اس ص ۲۸)
صاحب کشف نے اپنی کینت ابو معتزلہ رکھی تھی۔

نیز علامہ پرچاروی ابو علی جبائی کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

ابی علی جبائی هو محمد بن عبد الوهاب من معتزلة بصرة -

(نیز اس ص ۲۹)

ابو علی جبائی کا نام محمد بن عبد الوهاب تھا اور وہ معتزلہ بصرہ سے تھا۔
نیز اس کے ان حوالوں سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ابو علی جبائی اور زمخشری دونوں
معتزلہ تھے اور روح المعانی کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہی معتزلہ نورانیت
نبی کا انکار کر کے نور کا قرآن میں انحصار کرتے ہیں۔ پس اب غور فرمائیے۔ کہ
سرفراز صاحب لکھڑی نے نورانیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کن لوگوں
کے برازیں اپنے عقیدہ کو شامل کر لیا ہے۔

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”نورانیت بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری دلیل حدیث جابر
سے دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ امام عبد الرزاق شیعہ
تھے۔ اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے مجروح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔“

(تفتیح ص ۱۰۷)

اس جرح کا جواب دینے سے پیشتر ہم آپ کے سامنے اہل سنت کے
ان اکابر علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو روایت اور
اس سے استدلال کیا ہے۔ امام احمد کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے
استاذ الاستاذ امام عبد الرزاق اپنی تصنیف میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ
عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

قال قلت يا رسول الله باني
انت واهي اخبرني عن اول شئ
خلق الله تعالى قبل الاشياء قال
يا جابر ان الله تعالى قد خلق قبل

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا
رسول اللہ آپ پر میری ماں باپ خدا ہوں مجھے
بتلائیں سب سے پہلے اللہ نے کس کو پیدا کیا۔ فرمایا
جابر بے شک اللہ تم سب سے پہلے تمہارے نبی صلی

الاشیاء نور نبیک من نورہ فجعل
ذلک النورید ورب القدرۃ حیث
شاء اللہ تعالیٰ ولعل ین فی ذالک
الوقت لوح ولا قلم ولا جنة ولا
نار ولا ملک ولا سماء ولا شمس و
لا قمر ولا جنی ولا انسی فلما
اراد اللہ تعالیٰ ان یخلق الخلق قسم
ذلک النور اربعة اجزاء فخلق من
الجزء الاول القلم ومن الثانی اللوح
ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء
الرابع اربعة اجزاء الحدیث بطولہ۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں۔

لہا تعلق ارادة الحق تعالیٰ
بایجاد خلقہ وتقدير رزقہ ابدیہ
الحقیقة المحمدیۃ من الانوار
الصمدیۃ فی الحضرة الصمدیۃ شہ
تسمیٰ منها العوالم کلہا علوہا و
سفلہا علی صورة حکمہ کما سبق
فی سابق ارادة وعلمہ ثم اعلمہ
تعالیٰ نبوتہ وبشرہ وبرسالته
ہکذا و آدم لم یکن الا کما قال صلی
اللہ علیہ وسلم بین الروح والجسد
(مواہب اللدینہ)

اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا۔ پھر
وہ نور خدا کی قدرت سے جہاں چاہا
گھومتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم
جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان
زمین، سورج، چاند، جن و انس کچھ نہیں
تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے
مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ تو اس نور
کے چار حصے کئے۔ پہلے سے قلم
دوسرے سے لوح۔ تیسرے سے
عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار
حصے کئے۔ الحدیث۔

جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے
اور اس کا رزق مقرر کرنے کے ساتھ
متعلق ہوا تو اس نے حقیقت محمدیہ کو محمدی
انوار سے بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا۔ پھر
اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت محمدی سے
تمام عالم علوی اور سفلی کو اپنے ارادہ ازی
کے مطابق ظاہر فرمایا پھر اللہ
تعالیٰ نے حقیقت محمدی کو نبوت کی خبر اور
رسالت کی بشارت دی اور ابھی حضرت
آدم فرمان نبوی کے مطابق روح اور
جسد کے درمیان ہی تھے۔

اس کی شرح میں امام زرقانی ارقام کھتے ہیں۔

وانما كانت الحقيقة المحمدیۃ
ہی صورة الحقيقة الحقائق لاجل
ثبوت الحقيقة المحمدیۃ فی
خلق الوسطیۃ ہی عین النور
الاحمدی المشار الیہ بقولہ علیہ
السلام اول ما خلق اللہ نوری ...
امیر عبدالقادر الجزائری فرماتے ہیں۔

فان حقيقة صلی اللہ علیہ
وسلم ہی الرحمة التي وسعت کل
شیء وعمت هذه الرحمة حتی اسماء
الحق تعالیٰ من حیث ظہور اشارہا
ومقتضیاتہا بوجود هذه الرحمة
وهذه الرحمة ہی اول شیء فتق
ظلمة العدم واول صادر عن الحق
تعالیٰ بلا واسطہ وھی الوجود
المفاض علی اعیان المکنونات
وقد ورد فی الخبر اول ما خلق
اللہ نور۔ نبیک یا جابر۔
(موافق)

سیدی عبدالکیرم فرماتے ہیں۔

ان اللہ تعالیٰ خلق محمد اصیل
اللہ علیہ وسلم کثیر السعادة
بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
سعادت کبریٰ اور تمام لوگوں کے لئے ظاہری

اور حزایں نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام
حقائق کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت
خلق وسطیہ میں ہے، جو کہ عین نور احمدی
ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب
سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ
رحمت عظمیٰ ہے جس نے ہر شے کا احاطہ کر لیا
ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اسماء کو بھی رحمت
شامل ہے، کیونکہ ان اسماء کے مقتضیات اور
آثار کا ظہور اس رحمت محمدی سے وجود
میں آیا۔ اور اسی رحمت نے سب سے پہلے
پردہ عدم کو چاک کیا اور یہ پہلی مخلوق ہے
جو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ صادر ہوئی اور
اس وجود کا فیضان تمام موجودات کو
شامل ہے اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد
ہوا کہ اے جابر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے
نبی کے نور کو پیدا کیا۔

الکبریٰ وانبودجاللطائفۃ صورۃ
ومعنی فجعل مرتبته فی الوجود
المرتبة العلیۃ التی لیس فوقها
مرتبة الوجود (کتاب النور)

شیخ عبداللہ الیوسنوی فرماتے ہیں۔

اعلم ان الحق تعالیٰ لما اراد ان
يعرف من حیث ظہور آثار الاسماء
الالہیہ تخلیا تھا من حضرة
الالوہیۃ خلق اول الروح المحمدي
على الصورة الجمعية ثم منه جميع
العوالم العلویۃ الروحانیۃ
العقلیۃ والعوالم السفلیۃ الخلقیۃ
العنصریۃ الی خاتم الصور والنوعیۃ
الکونیۃ وهو ادم علیہ السلام کما
روی عن جابر بن عبد اللہ الصاری
قال سالت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم عن اول شیء خلقه اللہ
قال هو نور نبیک یا جابر خلقه
من نور ثم خلق منه کل خیر
وخلق بعده کل شیء الحدیث۔

(مطالع النور)

شیخ محقق عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

واما اول وے صلی اللہ علیہ وسلم اولست
بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں

در ایجاد کہ اول ما خلق اللہ نوری و
اولست ورنہوت کہ کنت نبیا و
آدم لم یخلد فی طینتہ۔
(ملارج النبوه)

ابھی زمین پر افتادہ تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکی علامہ فاسی علامہ دیار بکری سیدی عبدالغنی
نابلسی امام ابوالحسن اشعری وغیرہم نے بھی اس مضمون جلیل کو اپنی تصانیف میں ذکر
کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے۔

اولیت اضافی کا جواب

سرفراز صاحب نے حدیث جابر کو رد کرنے کے
لئے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں
حضور کے اول خلق ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ حضور اول خلق نہیں ہیں چنانچہ موصوفاً

بکیر سے قلم کے اول خلق کی روایت کو لے کر سرفراز صاحب کہتے ہیں۔

”اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر۔

کو پیدا کیا ہے جب صحیح روایت سے قلم کی اولیت ثابت ہے تو بلاوجہ

اس کو بجائے اول حقیقی کے اولیت اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں

ہے۔“ (تفتیقین ص ۱۱۰)

چند سطریں آگے چل کر دینی زبان سے سرفراز صاحب اعتراف تو کرتے ہیں کہ:-

”ہاں ملا علی قاری نے مرقات ج ۱ ص ۱۲۹۔ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات

میں آپ کا نور ذکر کیا ہے لیکن خود ان کی کتابوں میں تصریح ہے کہ نور سے

مراد روح ہے۔“ (تفتیقین ص ۱۱۰)

سرفراز صاحب کو چونکہ یقین تھا کہ اگر ملا علی قاری کی عبارت نقل کر دی تو قصہ دیوبند

منہدم ہو جائے گا، اس لئے وہ ملا علی قاری کی اس ایمان افروز عبارت کو دیوالی کی پوریان

سمجھ کر صاف مضمک کر گئے۔ آئیے۔ اب ہم آپ کے سامنے ملا علی قاری کی وہ عبارت

لاتے ہیں۔ جسے پیش کرنے سے سرفراز صاحب خوف کھاتے ہیں۔

قال ابن حجر اختلف الروایات فی اول المخلوقات وحاصلها کابینتها فی شرح شمائل الترمذی ۱۲ اولها النور الذی خلق منه علیه الصلوة والسلام ثم الماء ثم العرش (مرقات ج ۱ ص ۱۲۶)

ابن حجر نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے۔ جیسا کہ میں نے شرح شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے۔ کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نور ہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو پھر عرش کو۔

ملا علی قاری کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ حضور کے نور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ ابن حجر نے بھی حضور کے نور کی اولیت حقیقی پر تصریح کی ہے۔ اور صاحب ازہار نے بھی جیسا کہ ہم ابھی انشاء العزیز نقل کریں گے۔ علاوہ ازیں بشمار جگہ علماء اسلام نے نور محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے آفتاب سے زیادہ روشن حوالے پیش کر چکے ہیں۔ پس ان تمام حوالوں کی موجودگی میں نور رسالت مآب کی اولیت حقیقی کا وہی انکار کر سکتا ہے۔ جو بغض رسالت سے اپنی بیتائی کھو چکا ہو۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ملا علی قاری حنفی **أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ** کے تحت فرماتے ہیں۔

وفي الاذهار اول ما خلق القلم یعنی بعد العرش۔ والاء والدریج لقوله عليه الصلوة والسلام كتب الله مقادير الخلائق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة وعرشه على الماء رواه مسلم وعن ابن عباس سئل عن قوله تعالى وكان عرشه على الماء على اى شئ كان المآل على متن الدرر

ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا اور ابن عباس سے روایت ہے۔ **وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ** کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا

ما والیہ نفی ذکرہ الالبھری
فالاولیة اضافیة والاول الحقیقی
هو النور المحمدی علی ما بینة
المورد للمولد۔

(مرقاۃ النایتج ج ۱ ص ۱۶۶)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں۔

بدانکہ اول مخلوقات و واسطہ صدور کائنات و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ توری و سائر کونات علوی و سفلی ازال نور و ازال جو ہر پاک پیدا شدہ از ارواح و اشباح و عرش و کرسی و لوح و قلم و بہشت و دوزخ و ملک و فلک و انس و جن و آسمان و زمین و بحار و جبال و اشجار و سائر مخلوقات و در کیفیت صدور این کثرت ازال وحدت و بروز و ظهور مخلوقات ازال جوہر عبارت و تعبیرات غریب آوردہ اند و حدیث اول ما خلق اللہ العقل نزد محققین و محدثین بصحت نرسیدہ و حدیث اول ما خلق اللہ القلم نیز گفتہ اند کہ مراد بعد العرش الماء است کہ واقع شدہ

پانی کس چیز پر تھا۔ تو فرمایا ہوا کی پیٹھ پر۔ اسے بیہوشی نے روایت کیا (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا پانی اور عرش کے بعد ہے) اور جو چیز پر ہے پینے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔

جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق کائنات وحدت آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا۔ اور باقی تمام کائنات علوی و سفلی اس نور سے پیدا ہوئی، اسی وحدت سے یہ کثرت صدور میں آئی اور مختلف ناموں سے موسوم ہوئی چنانچہ یہ نور کہیں عرش و کرسی سے موسوم ہوا۔ اور کہیں دریاؤں اور درختوں سے۔ اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اس کی صحت محققین اور محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ پہلے قلم کو پیدا کیا۔ (اس میں اولیت حقیقی نہیں ہے) کیونکہ محققین نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ عرش اور پانی کے بعد قلم کو پیدا کیا۔ کیونکہ اس طرح ثابت ہے۔ کہ

است دکان عرشہ علی الملاء
 ودر بعضہ احادیث تصریح بداں
 واقع شدہ است و آمدہ است کہ خلق مادہ
 پیشتر از عرش است کہ چوں خلق کردہ
 شدہ قلم گفت بوی پروردگار تعالی و
 تقدس بنویس گفت قلم چہ نویسم گفت
 بنویس ماکان و مایکون الی آخرہ
 پس معلوم شد کہ پیش از خلق کائنات بود
 است کہ آن عرش و کرسی ارواح است
 و خلق نور سے صلی اللہ علیہ وسلم ازاں
 سابق است و بریں وجہ تواند کہ مراد
 از ماکان صفات و احوال آن بودہ
 باشد کہ اول در آن عالم ثابت است
 و از مایکون آنچہ در آخر ظاہر گردد در دنیا
 (مدارج النبوت ج ۲ ص ۲)

ملا علی قاری صاحب از ہمارا ور شیخ محقق کے اس محققانہ کلام کو دیکھئے۔ اور سرفراز
 صاحب کے کمزور مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے۔ وہ تو عداوت رسول میں بروایت مسلم
 دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم تو
 جو تھے نمبر پر بھی نہیں ہے۔ جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ
 قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان صریح سے اس کی اولیت۔ افغانی ثابت
 ہوئی تو انجناب کو رسول اللہ کی تردید کرنیکی کیونکر جرأت ہوئی اپنے کما کہ قلم کی اولیت حقیقی ہے
 اور اسے اولیت اصنافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں کیا آپ کے مذہب غیر مذہب میں
 فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں ہوتا؟ ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ ہمارا مخلصانہ

مشورہ ہے کہ آپ تنقیص نبوت اور تردید رسالت سے تائب ہو کر اپنی آخرت کی فکر کریں
 ورنہ سیروں کے حساب سے جو آپ نے منقصت رسول میں کتا ہیں کھیں ہیں۔ ان کا
 وزن آپ کی لٹیا ڈبو دینے کے کئے کافی ہوگا۔ اور ان کی فروخت سے جو آپ نے
 دنیاوی سکے حاصل کئے ہیں۔ وہ اس دن کسی کام نہ آسکیں گے۔ رہا مودی سرفراز صاحب
 کا یہ کہنا کہ نور سے علی قاری کی ملزوم روح ہے۔ ہمیں اصلاً مضرت نہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ
 نور محمدی ہو یا روح محمدی مقصد تو یہ ہے کہ آپ اول خلق ہیں خواہ آپ کو روح سے
 تعبیر کیا جائے۔ یا نور سے۔

ثانیاً یہ کہ آپ کو نفع تب ہوگا۔ اگر نور اور روح میں تباہی ہو تا تب آپ کہہ
 سکتے تھے۔ کہ روح کی اولیت ثابت ہے نور کی نہیں۔ حالانکہ ملا علی قاری تو فرماتے ہیں۔
 قوله اول ما خلق اللہ نوری و فی حضور کا فرمان سب سے پہلے میرے نور کو
 روایۃ روحی و معنا ہما واحد پیدا کیا۔ اور دوسری روایت میں کہ میری
 فان الارواح نورانیۃ روح کو پیدا کیا۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے
 (مرقات ۱۶ ص ۱۶۷) کیونکہ ارواح نورانی ہی ہوتی رہیں۔

اسی بحث میں سرفراز صاحب نے کہا اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ
 محققین شرح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق
 اور بحث کی ہے۔ وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے مگر نور کا ذکر
 وہ نہیں کرتے۔ (تنقیدتین ص ۱۱۰)

جواباً عرض ہے کہ ہم مابقی میں امام عبدالرزاق۔ علامہ قسطلانی۔ علامہ زرقانی علامہ
 عبدالقادر الجرائری۔ ملا علی قاری حنفی۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کی عبارت
 نقل کر چکے ہیں۔ اس میں غور فرمایا لیجئے کہ یہ اکابر ائمہ حدیث مثلاً اولیت خلق میں نور محمدی
 کا ذکر کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جن کی آنکھوں پر ابلیس نے بعض رسالت
 کی پٹی باندھ دی ہو۔ انہیں ان عبارات میں نور محمدی نظر نہیں آئے گا۔
 حدیث جابر پر اعتراض کرتے ہوئے سرفراز صاحب کہتے ہیں۔

”اس کی سند کا علم نہیں۔ کہ کسی ہے۔ اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے۔ غالباً نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور خصوصاً فضائل کے بارے میں تو انہوں نے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا۔ (تنقید میں ص ۱۰۸)

محض شیعہ کی طرف نسبت کی وجہ سے امام عبدالرزاق کی روایت کو قابل اعتبار قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے۔ اہل بدعت کی روایات کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں۔

و محنت را آنست کہ اگر داعی باشد
ببدعت خود و در مقام ترویج و
تزیین آن بود قبول نکنند و اگر نہ این
چنین بود قبول کنند۔ (مقدمہ شرح مشکوٰۃ)

صحیح بات یہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی ترمیم اور ترویج میں ہو تو مقبول نہ ہوگی۔ اور خلاف ہو۔ تو قبول کی جائے گی۔

آگے چل کر فرماتے ہیں۔
در جامع الاصول نے گوید کہ اخذ کردہ
اندائمہ حدیث از فرقہ خوارج و از آنہا
کہ منسوب اند بقدر و تشیع و
رفض و دیگر اصحاب بدع و اہلوا۔

جامع اصول میں ہے کہ ائمہ حدیث نے فرقہ خوارج سے اور ان سے جو قدر یہ شیعہ اور رافضیوں کی طرف منسوب تھے احادیث حاصل کیں و دیگر اہل بدعت سے بھی۔

پس اب سرفراز صاحب کا اس حدیث میں امام عبدالرزاق پر تشیع کی وجہ سے طعن کرنا ارباب علم کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ رہا یہ کہ بعض چیزوں میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں تو صاحب جن چیزوں میں منفرد ہوں پھر وہ ساقط الاعتبار ہوں۔ اس مسئلہ میں تو امام عبدالرزاق منفرد نہیں ہیں۔ ہم گذشتہ صفحات میں ان علماء اعلام کی فہرست مع عبارتوں کے پیش کر چکے ہیں جو نور محمدی کے اول خلق ہونے میں امام کے ساتھ ہیں لہذا آپ کا یہ قول بالکل غیر متعلق ہے۔ کہ:-

فضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ان کا کوئی ساتھ

نہیں دیتا۔

ثالثاً یہ کہ علماء اصول نے تصریح کی ہے۔ کہ قبول علماء سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ اجلہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو اپنی تصانیف میں ذکر کر کے اس سے استدلال کیا۔ تو اس حدیث کو تقویت حاصل ہو گئی۔

نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے سرفراز صاحب نے کہا۔
”ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی۔ کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں۔ اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں۔ اور آتش دوزخ کا ایندھن بنیں۔“ (تنقید میں ص ۱۱۴)

سرفراز صاحب کے اس کلام سے لازم آیا۔ کہ وہ تمام اکابر اسلام اور محدثین عظام جنہوں نے نور محمدی کو اول خلق قرار دیا۔ عذاب خداوندی کا شکار اور آتش دوزخ کا ایندھن ہیں۔ معاذ اللہ۔

آئیے اب ذرا سرفراز کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جہ و دستار جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ یہ ہیں سرخیل دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

”اب سنئے کہ روح پرفتوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت ہے اور ارواح انبیاء باقیہ کے لئے موقوف علیہ ہے اور اسی وجہ سے آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا۔ مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے اور اول ماخلق اللہ توری وغیرہ مضامین کی تخلیظ فرمائیے (الحی ان قال) اور اگر یہ سراسر اس جرم کی کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا۔ اول ماخلق اللہ توری کیوں نہ کہا تو اب سہی۔“ (مخدرات عشرہ ص ۵)

معمار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

۱۱ نور محمدی اول مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السلام تمام انبیاء کے لئے موقوف

علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے (۴) اول ما خلق الله نوری نہ صرف لائق استدلال ہے۔ بلکہ دیوبند کے پیروں نے اس سے استدلال کر کے بقول آپ کے بیشتر نصوص قرآنہ کو رد کر دیا۔ ایک اور جگہ قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

”باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہ السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق محضی خاتمت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کما یبغی اور پر کر چکا ہوں۔ (تذریع الناس ص ۳۹)

اہل علم پر مخفی نہیں جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو۔ اس کے ساتھ اس وصف کا قیام نہیں ہوتا۔ بلکہ وصف کا قیام تو موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور موصوف بالعرض کو مجاز موصوف بالذات کے قرب کی وجہ سے مجاز موصوف کہتے ہیں مثلاً کشتی میں بیٹھے ہوئے شخص کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا۔ لیکن اس کو بھی مجاز متحرک کہتے ہیں کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی کشتی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ جو کہ واسطہ فی العروض ہے۔ پس اس بیان سے لازم آیا کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو۔ اور نبی علیہ السلام سے قرب کی بنا پر انہیں مجاز انہی کہا گیا قاسم صاحب نے اپنی اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کریم کی مد ہا نصوص کو رد کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا خدرقی بین احد من رسلنا اس کے تحت علامہ ابوسعود فرماتے ہیں۔

لان المعتبر عدم التقدرتی اس لئے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے من حیث الرسائل دون سائر درمیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے الخیثیات الخاصة۔ (تفسیر ابوسعود) نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ ہیں۔

اور اب پیغمبر دیوبند کی منطق ملاحظہ فرمائیے۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں کیا فرق کیا ہے۔ اور آپ کے لئے وصف

نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے حقیقت نبوت کی نفی کر دی۔ اور اس کی بنیاد وہی مقلدہ ہے جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں اول ما خلق الله نوری سے۔ اب یہیں سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجئے۔ کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے تو اس کو ماننے والوں میں جو آپ کے پیروں میں شامل ہیں۔ ان کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر بقول آپ کے نصوص قرآنہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے اور بقول آپ کے اس موضوع روایت کے سارے عقیدہ کی بنیاد کس نے رکھی ہے۔

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ قاسم نانوتوی نے اس ابلیسی چکر میں پڑ کر قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواترہ احادیث کی تاویل بیجا کی۔ اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوئے۔ اور اپنے آپ کو آتش دوزخ کا ایندھن بنالیا اور بیچ پوچھئے تو قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں جس فطی اور بروزی کا راستہ دکھایا ہے۔ اسی راہ پر چل کر مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور امت دیوبند آج تک مرزا نے اس استدلال سے جان نہیں چھوڑا اسکی۔ اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو۔ تو لیجئے۔ دیوبند کے حکیم الامت حاضر ہیں۔ اب دیکھئے وہ بقول آپ کے اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پہنچتے ہیں۔ حضرت جابر کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد اشرف علی تھانوی نے فت سے فائدہ کا عنوان قائم کیا۔ کہتے ہیں۔ فت :- اس حدیث سے تو محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا۔ اس حدیث میں منصوص ہے۔ (نشر الطیب ص ۱۰)

لیجئے ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ آپ کی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے تھے اور تھانہ بھون کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو منصوص قرار دیتے ہیں۔ اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے اپنے حکیم الامت کے پیر کو لیجئے یا انہیں جاہل اور غالی قرار دے کر جہنم میں جھونکئے۔ یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا معاملہ ہے

ہم نے تو صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ فہمی کی بات عرض کی ہے۔

نورانیت محمدی کی تابناک شعائیں

ورد فی حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اٹھا کانت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فراشہ فی لیلۃ مظلمة قسقطا من بیداکھا ابرة الى الارض فکشف عن وجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجد تھا بتور جبینہ قد فطعتھا۔

(جوہر البحار ج ۴ ص ۲۲۶)

ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں۔

قال بعض المحققین ان جمال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غایۃ الکمال وان من جملة صفاته وکثرة ضیاءه علی مادی ان صورته کان یقع نورھا علی الجدار بحیث یصیر کالمراة یحکی ما قابله من مرور الماء لکن اللہ ستر عن صحابہ کثیرا من ذالک الجمال لذہم الکمال الباہر اذ نور زالیہم یصعب النظر الیہ علیہم (جمع الوسائل ج ۷ ص ۱۷)

بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کا جمال انتہائی باکمال تھا بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ کے چہرہ کے نور کا عکس دیواروں پر پڑتا تھا اور وہ دیوار آئینہ کی طرح آپ کے چہرہ کے نور کو دکھاتی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے جمال کو صحابہ کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ رکھا کیونکہ اگر ان پر آپ کا مکمل جمال ظاہر ہو جاتا۔ تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔

شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔
وقتے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں رادر واقعہ دیدم وازیں نکتہ استفسار حضور کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ جمال یوسف کے دیدار سے مصر نمودم فرمودند جمال من از چشم مردم کی عورتوں نے انگلیاں کاٹ لی تھیں آپ کے مستور است غیرۃ من اللہ تعالیٰ جمال سے کسی عورت نے انگلیاں نہ کاٹیں (انفاس العارفين ص ۳۹)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

واما نوره علیہ الصلوٰۃ والسلام بہر کیف نبی السلام کا نور شرقا وغربا انتہائی ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ آپ کا نور ہے اور اللہ نے آپ کو اپنی کتاب نور سے موسوم فرمایا۔ (موضوعات کبیر ص ۸۶)

قد جاء کمر برهان من ربکم وانزلنا الیکم توراجینا کی تحریر کرتے ہوئے سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

ہم انزلنا سے بھی رسول مراد لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ہے قد انزلنا الیکم ذکر رسولاً رسولاً بطلور تفسیر ہے۔ ذکر ا سے یہاں بھی انزلنا کا مفعول واقع ہوا ہے۔ پس اس سے بھی تفسیر خنثار پر کوئی غبار نہیں رہا۔ (رسالۃ النور ص ۳۴)

حضرت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔

(احسن من القمر) فی ان نوره ظاہر فی الافاق وفي الانفس مع زیارة الکمال الصوریۃ والمحتویۃ بل نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ آپ کی نور ظاہر اور باطن دونوں میں موجود ہے اور آپ صوری اور محض دونوں قسم کے

فی الحقیقة کل نور خلق من نوره
وکذا قبل فی قوله تعالی اللہ نور
السموات والارض مثل نورہ نور
محمد فنور وجهہ صلی اللہ علیہ
وسلم ذاتی لا ینفک عنہ ساعة فی
اللیالی والایام ونور القمر مکتب
ومستعار ینقص نارة ویحسف
اخری۔ (جمع الرسائل ج ۱ ص ۲۷)

کمال کے جامع بلکہ حقیقت میں ہر چیز آپ کے
نور سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح اللہ نور السموات
والارض مثل نورہ میں مثل نورہ کی تفسیر نور
محمد کے ساتھ کی گئی ہے پس نبی علیہ السلام کا
نور ذاتی ہے جو دن رات میں سے کسی وقت
بھی آپ سے جدا نہیں ہوتا اور چاند کا نور سورج
حاصل شدہ ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی بگن
گھٹنے سے ملوبہ ہو جاتا ہے (اور دن کے اجالوں
میں ماند پڑ جاتا ہے) (سیدی)

سائے کی نفی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کے لئے
تاریک سایہ ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نور ہیں اور
نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اور نورانیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں
ہے۔ کیونکہ سایہ بشریت مطلق کے لازم میں سے نہیں ہے۔ بلکہ بشریت کثیفہ کے لازم
میں سے ہے۔ اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر اس درجہ لطافت میں
محتی کہ تاریک سایہ کا موجب نہ ہوتی تھی۔ نیز یہ عقیدہ ظنی ہے۔ اور ظنیات کے باب
میں دلائل غلبہ کافی ہوتے ہیں۔

ہم اس بحث میں پہلے سایہ کی نفی پر دلائل کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب
کے شکوک و شبہات کا جواب دیں گے۔ محدث ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال لو یکن
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل
ولو لقیق مع شمس قط الغلب
ضوء الشمس ولم یقیم مع سراج
قط الغلب ضوء علی ضوء السراج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور آپ
کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر
آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آجاتا اور نہ
کبھی چاند کی روشنی میں آئے مگر آپ کا نور چاند کی

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۴۴)
روشی پر غالب رہا۔ احمدیث کو ملا علی قاری نے
جمع الرسائل ج ۱ ص ۱۷۷ اور امام منادی نے شرح شامل علی ہامشی جمع الرسائل ج ۱ ص ۱۷۷، ۱۷۸ پر
بیان فرمایا ہے۔

علامہ نجاشی تحریر فرماتے ہیں۔
وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نور افکان اذا مشی بالشمس
والقمر لا یظہر لہ ظل۔ (وسائل الاصول ص ۲۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ پس
جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا
سایہ ظاہر نہ ہوتا۔

سیدی محمد بن قاسم جسوس تحریر فرماتے ہیں۔
وقد روی ابن المبارک وابن الجوزی
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ صلی اللہ
علیہ وسلم لم یقیم مع شمس قط الغلب
ضوء الشمس ولم یقیم مع سراج
قط الغلب ضوء الشمس والشمس
ولہذا لم یظہر لہ ظل صلی اللہ علیہ
وسلم ظل۔ فقد ذکر ابن سبع فی
الشفاء ونقلہ القاضی عیاض فی
الشفاء انہ لا ظل لشخصہ فی شمس
ولا قمر ویوجہ ذالک ایضا بحفظ
ظلمہ الذی ہو مثال صورۃ فی القد
عن الامتداد علی الارض اجلا لا
اولان الظل المترسم معروض الارض
علی الاماکن القذرة ولوط المسارین
علیہ وبان الظل مستند للظلمة فی

حضرت ابن المبارک اور علامہ ابن الجوزی نے حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر
آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی
میں کھڑے ہوئے مگر چاند پر آپ کا نور غالب
رہا۔ اسی لئے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔
اور ابن سبع نے شفاء میں ذکر کیا اور اس کو
قاضی عیاض نے شفاء میں نقل کیا کہ آپ
کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا۔ نہ چاندنی
میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے
کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت
میں آپ کی مثال کے مرتبہ کا ہے) زمین
پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندی
جگہوں اور قدموں کے نیچے واقع ہونے
سے محفوظ رکھنے کیلئے یا اس لئے کہ سایہ

الجملة بالنسبة الى النور اذ هو
حجاب له وهو صلى الله عليه وسلم
النور المنير فلا تظهر منه
ظلمة وبان الشمس والقمر منه
ظهر اوعنه نشأ فلا يستبان له اذ
المظهر للشيء يمتنع ان يكون ساترا
لما اظهره ولا يقال كيف يتاقي هذا
مع انه صلى الله عليه وسلم بشر كما
نطق به القرآن لانا نقول ليست
بشرية كبشرية غيرة فهو بشر
ليس كالبشر كما ان اليا قوت حجد
ليس كالبحر كما قال ابو الحسن شاذلي
رضي الله عنه فهو مع بشرية نور
ولذا لك مسمى نورا قاله شيخنا المحقق
في شرح هبزية وفي حديث عمر
رضي الله تعالى عنه يا عمر ان
الخطاب اتدري من انا انا الذي
خلق الله عز وجل اول كل شيء نوري
فمجد له فبقی فی سجدة سبع مائة عام
فاول كل شيء سجد له نوري و
لا تخف يا عمر اتدري من انا ان
الذي خلق الله العرش من نوري
والكرسي من نوري واللوح والمقلم

تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لئے حجاب
ہونا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر
ہیں۔ پس آپ کا سایہ کس طرح
متصور ہوگا۔ یا اس لئے کہ شمس و قمر
تو آپ کے نور سے پیدا ہوئے اور آپ کے
سبب ظہور میں آئے پس آپ کے سبب ان
کی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ
آپ کا سایہ ہو۔ کیونکہ جو کسی چیز کو ظاہر کرے والا
ہو وہ اس کے لئے چھپا ہوا ہو سکتا۔ اگر یہ کہا
جائے کہ حضور تو بشر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے
پھر آپ کیلئے سایہ کیونکر نہ ہوگا۔ تو اس کے
جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بشریت عام
بشریت کی طرح نہیں ہے۔ جیسے یا قوت
پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے
بقول ابو الحسن شاذلی آپ باوجود بشریت
کے نور ہیں، اسلئے آپ نور سے موسوم ہوئے
شیخ حقیق نے شرح ہمزہ میں کہا کہ حدیث عمر
میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے عمر جانتے ہو میں
کون ہوں، میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عز وجل نے
سب سے پہلے پیدا کیا۔ وہ میرا نور تھا پس میرے
نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور سات سو سال سجدہ
میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اس پر
فخر نہیں۔ اے عمر جانتے ہو میں کون ہوں میں وہ

من نوری و نور ابصار من
نوری والعقل الذی
فی رؤس الخلائق من نوری و
نور المعرفة فی قلوب المؤمنین
من نوری ولا خزا الا فالانوار والا
فتوا کلها من نورہ خلقت وبہ
استنارت فی الفروع وهو الاصل
ولانسبته للفرع وبالاصول۔
(فوائد علیہ شرح شفاء محمدیہ ص ۳۶)

ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی
و لوح و قلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور انکھوں کے نور کو میرے
نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے دماغوں میں ہے۔ وہ
بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو مسلمانوں
کے دلوں میں ہے وہ بھی میرے نور سے پیدا کی
اور مجھے اس پر فخر نہیں الخ پس تمام انوار اور اضواء
کو حضور کے نور سے پیدا کیا گیا۔ لہذا سب حضور
علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور ان
سب کے لئے اصل۔ لہذا فرع کا اصل کے ساتھ کیا
مقابلہ ہو سکتا ہے۔

اس مختصر سی گفتگو کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں۔
جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تاریک سایہ ثابت کرنے کے لئے تنقید
میتن میں پیش کیا ہے جس میں خود ہی اپنی طرف سے اہلسنت کی ایک دلیل وضع کی
کہ اہلسنت حدیث ذکوان پر نفی سایہ کی بنیاد رکھتے ہیں اور پھر اسی پر جرح کر کے اپنے
خیال میں آپ کے لئے تاریک سایہ ثابت کر لیا۔
چنانچہ سمجھتے ہیں۔

عن ذکوان ان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم لوی کن یرای
لہ خل فی شمس ولا قدر۔
ذکوان سے روایت ہے کہ آل حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں
نظر آتا ہے اور نہ چاند میں۔

(تنقید متین ص ۱۱۴)

حدیث نقل کرنے کے بعد سرفراز صاحب اپنی طرف سے اہلسنت کا استدلال
گھڑ کے سمجھتے ہیں۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب

سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ) آپ بشر بھی نہ تھے۔ (تنقید تین ص ۱۱۵)
جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے۔ اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے۔ جس کے اثبات کے لئے دلائل ظنیہ کافی ہیں۔ لیکن سرفراز صاحب نے اس پر اہلسنت کی طرف جو یہ تصریح کی ہے کہ:-

جب سایہ نہ تھا۔ تو آپ بشر بھی نہ تھے۔ یہ محض افتراء اور کذب خالص کی بدترین مثال ہے۔ اہلسنت کی کتابیں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت اور تحقق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ ہم پچھلے صفحات میں صد الافاضل کی عبارت نقل کر چکے ہیں البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کی بشریت کو عام بشریت کے عامل ماننا اہلسنت کا عقیدہ نہیں۔ ہم آپ کی بشریت کو مثیل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے متمتع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی۔ تو سایہ بھی ماننا ہو گا۔ عناد اور جہل کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اولاً تو اس لئے کہ آپ کی ذات مقدسہ بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت کی بھی کامل ترین جامع ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

ثانیاً اس لئے کہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہو اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے لہذا اس درجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لئے رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

حتیٰ کہ تاریک سایہ کو ثابت کرے۔ سرفراز صاحب گکھڑی نے ذکوان کی روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا۔ الجواب اولاً یہ روایت قابل احتجاج نہیں (تنبیہ ص ۵)

کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعہ کے اثبات میں تو بے شک پیش کیا جاسکتا۔ لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں۔ لہذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار

کیا جائے گا۔

ثانیاً اس لئے کہ کسی عقیدہ کا اثبات اور شکی ہے۔ اور اس کی تائید ایک اور چیز ہے۔ نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے۔ پس تائید کے درجہ میں اس روایت کا اعتبار کسی ضعیف کا حامل نہیں۔

ثالثاً یہ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا امت کا تقریباً اتفاقی مسئلہ ہے۔ اور قبول امت کو بھی ناقدین فن نے صحت کا سبب قرار دیا ہے۔ اس حدیث

را بعا یہ کہ خصال کبریٰ میں علامہ سیوطی نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ ثبوت بہم پہنچا دیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قابل تسلیم و استدلال ہے۔ اور فن حدیث میں جو علامہ سیوطی کا مقام ہے۔ وہ اپنے پرانے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامساً یہ کہ اگر آپ کو اس روایت سے مللھی بغض ہے۔ تو چلئے یہ نہ سہی۔ الوفا سے جو ہم ابن عباس کی متصل روایت پیش کر چکے ہیں۔ اسے مان لیجئے اور اگر اس میں بھی تامل ہو تو۔۔۔ حضرت عثمان کی مندرجہ ذیل حدیث مان لیجئے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں لولا اذ سمعتموه کے تحت علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں۔

قال عثمان ان الله ما اوقع
ظلال على الارض لئلا يضيع انسان
قد مہ على ذالك الظل۔
بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں کیا۔ تاکہ کہیں کوئی شخص آپ کے سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔

(تفسیر مدارک علی ہاشم الخازن ج ۳ ص ۳۳۲)

یہ کوئی ذکوان کا قول نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں۔ اس کی براہ راست رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی۔

یہ حضرت عثمان ہیں جو سفر و حضر میں۔ رسول اللہ کے مجلس میں جن کے سر پر ما انا

علیہ واصحابی کا تاج ہے۔ ہاتھ میں اصحابی کا لجموم بایدا یہو اقتدیستو

اھتدیستم کا پرچم ہے۔ ہاتھ پر علیکم بسنتی کی چتون ایسے عظیم الشان صحابی کا قول جن

کا قول بھی حدیث ہے اور فعل بھی۔ اور پھر وہ بھی بارگاہ نبوی میں پیش ہو کر تائید سے

لے علامہ سیوطی نے زیر بحث ذکوان کی روایت کو خاص اگری ۱۶ ص ۱۶۹ میں بیان کیا ہے۔

حکما مرفوع ہو چکا ہے۔ اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے یہ ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی سفینہ دیوبند کے ناقد۔
کھتے ہیں۔

و بتواتر ثابت شد کہ آل حضرت
عالی سایہ نداشتند و ظاہر است کہ
بجز نور ہمہ اجسام ظل مے دارند۔
تو اتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر
ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے

(امداد السلوک ص ۸۶)

حضرت عثمان اگر آپ کے ہاں مقبول نہیں۔ تو نہ سہی۔ مگر سال دیوبند کا یہ سکہ تو
بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے، اب فرمائیے کیا خیال ہے آپ کے ہاں جو عقیدہ تو اتر سے
ثابت ہو۔ وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی۔ یہ کیسا ظلم صریح ہے کہ ہم عقیدہ کو اگر ظن کے درجہ
میں مان لیں۔ تو کافر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں۔ اور آپ کے پیروں میں اسے تو اتر سے
ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں۔ تو پھر شیخ کے شیخ۔ جو چیز شرک و بدعت ہو گئی
مہر اسے کیسے توحید و سنت بنا دیتی ہے۔ اور وہ کونسا منتر ہے جس کے عمل سے آپ
اپنے مولیوں کو شرک اور بدعت کے فتوؤں سے بچا لیتے ہیں۔ یہودی اپنے احبار و
رہبان کی عبادت چھوڑ چکے ہیں۔ آپ کے ہاں یہ پوجا کب بند ہوگی۔

شیخ ابراہیم

فنی روایۃ لابن المبارک و ابن
الجوزی لومیکن لم اظلم۔
ابن المبارک اور ابن جوزی روایت
کرتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

(المواہب اللدنیہ شرح شمال محمدیہ ص ۲۴)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔

روی ابن المبارک و ابن الجوزی
عن ابن عباس لم یکن لنبی صلی اللہ
علیہ وسلم ظل و لم یقہر مع
ابن مبارک اور ابن جوزی نے حضرت ابن
عباس سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اور آپ کبھی دھوپ

الشمس قط الا غلب ضوہ
ضو الشمس۔
میں نہ کھڑے ہوئے مگر سورج کی روشنی
پر آپ کا نور غالب آیا۔

(زرقانی شرح مواہب ج ۲ ص ۲۲۰)

اور یہ ذکوان کی طرح مرسل روایت نہیں۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ
حدیث متصل ہے اور روایت کرنے والے ہیں۔ ابن جوزی جیسے ناقد حدیث جو اچھی
بھی حدیث کو بھی موضوع بنا ڈالتے ہیں۔ پس ایسے شخص کی روایت میں تردد کرنا عناد
کے سوا کچھ نہیں۔ سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی مر سے
بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ کہ انہوں نے اہلسنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو قرار
دیا تاکہ رسول اللہ کے کمال نفی سایہ پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں عظمت رسول کو کم کرنے
کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب راستہ نکالا۔ مگر اس سے غافل تھے کہ یہ رسوائی خود ان کا
مقدربن چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ملاحوں کے دامن پر گندگی
کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا۔ وہ اپنی تمام تر نجاستوں سمیت ان کی اپنی ذات کی طرف
لوٹ آیا ہے۔

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں۔

و ذکر من انه لا ظل لشخصه فی
شمس ولا قمر لاجنما کان نوراً۔
اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج
میں سایہ نہ پڑتا تھا پس وہ اس لئے ہے

(الشفارج ص ۲۴۳)

شہاب الدین خفاجی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لا ظل لشخصه ای جسدة الشریف
اللطیف۔ (نیم الریاض ج ۳ ص ۳۱۹)
یعنی آپ کے جسد شریف لطیف کا
سایہ نہ تھا۔

اور لطیف کے لفظ میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت
سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کے لئے رکاوٹ نہ ہوتی تھی۔
یعنی کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی۔ اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

هذا رواه صاحب الوفا عن ابن عباس رضي الله عنهما قال لو يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ظل

اس کو (ابن جوزی) صاحب کتاب النور نے ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

غور فرمائیے کہ ان تمام اکابر علماء نے نفی سایہ کی بنیاد حدیث ابن عباس پر رکھی کی ہے لیکن سرسراہ صاحب نے اس حدیث متصل کو چھوڑ کر اس عقیدہ کو حدیث ذکوان پر مبتنی قرار دیا تاکہ اسی روایت کے ضعف اور ارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف ثابت کر سکیں۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ قاضی عیاض کے قول لاندہا کان نوراً کی شرح میں ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں۔

ای بنفسه والنور لا ظل له لعدم جرمه وهذا معنی مافی النور ولفظه لم یکن له ظل فی شمس ولا قمر ونقله الحلبي عن ابن سبع أيضاً۔

یعنی حضور نور بذاتہ ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں کثافت نہیں ہے اور جو مضمون نور اور میں وارد ہے اس سے بھی یہی مراد ہے اور اس کے لفظیہ ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاند فی میں اس کو ملے گی ابھی ان سے نقل کیا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ونوریکے از اسماء آنحضرت است ونور را سایہ نہ باشد۔

بنی علیہ السلام کے اسماء میں سے ایک اسم نور ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

(مدارج النبوت ج ۱ ص ۲۱)

نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

وعثمان بن عفان رضي الله عنه ما گفت کہ سایہ شریف تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا کہ کہیں ناپاک زمین پر نہ پڑے۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۶۱)

شاه عبد العزیز فرماتے ہیں۔

وسایہ ایشان بر زمین نیفتاد اور آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۱۹)

کیا سایہ ہونے کا عقیدہ شیعہ کا ہے؟

اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔

کیا خیال ہے آپ کا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاہی قاضی عیاض ماکی رضی اللہ عنہما کے تفسیر حنفی ملا علی قاری حنفی، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، علامہ بیجوری، شہاب الدین خفاجی، ابن مبارک، ابن جوزی اور شاہ عبد العزیز یہ تمام صحابہ اور اکابر ائمہ دین حضرات شیعہ تھے۔

جب عہد رسالت سے لے کر شاہ عبد العزیز تک تمام اکابر مسلمین حضور کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے۔ تو آپ کے انکار پر کون کان دھرے گا اور یہ جو آپ نے صحابہ سے لے کر شاہ عبد العزیز تک تمام مسلمانوں کو بیک جنبش قلم شیعہ بنا ڈالا ہے۔ بھلا علم و تحقیق کی کسوٹی پر ایسی بے سرو پا بات کون مانے گا۔

اگر واقعی سایہ نہ ہوتا شیعہ کا عقیدہ ہے تو جناب والا گستاخی موات پھر سب سے بڑے شیعہ تو گنگو ہی صاحب ہیں۔ جو سمجھتے ہیں، آپ کا سایہ نہ ہونا تو اتر سے ثابت ہے اور دوسرے نمبر پر اشرف علی تھانوی ہیں۔ سمجھتے ہیں۔

یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔

(شکر النعمہ ص ۲۰)

یا پھر عزیز الرحمن مفتی دیوبند شیعہ ہیں سمجھتے ہیں۔

امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ

زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یری لما ظل فی شمس ولا قمر الخ (عزیز الفتاوی ج ۸ ص ۲۰۲)

بہتر ہوگا کہ سرفراز صاحب خدا سے توبہ کر کے لوٹ آئیں۔ ورنہ جس راستہ پر انہوں نے چلنا شروع کیا ہے۔ وہ اس میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ علماء دیوبند بھی ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ یہ خیر خواہی سے ایک نصیحت پیش کی گئی ہے ورنہ فہم ان کا ہے۔ قدم ان کے ہیں۔ منزل ان کی ہے۔ جاہ ان کا۔

سرفراز صاحب نے سایہ اثبات ظل کے دلائل وراں کے جوابات

حدیثیں پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے صحابہ نے آپ کو ہاتھ بڑھانے ہوئے دیکھا اور پیچھے ہٹاتے ہوئے دیکھا۔ بعد میں آپ سے اس کی حکمت پوچھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ پر جنت پیش کی گئی۔ اور پھر دوزخ۔ حتیٰ کہ رأیت ظلی وظلمک فیہا۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ الحدیث۔

حدیث کافی طویل ہے لیکن جس مرکزی نقطہ اور جن خاص الفاظ سے سرفراز صاحب نے استدلال کیا گیا ہے۔ انہیں ہم نے پیش کر دیا ہے۔ (مقتدین ص ۱۱۷) جو ابا گذارش ہے کہ اگر قرآن کی طرف التفات کیے بغیر محض لفظ ظل کے اطلاق سے تاریک سایہ ثابت ہو جاتا ہے۔ تو حدیث مبارک میں سبعة یظلہم اللہ بظلمہ (سات شخص اللہ کے سائے میں ہوں گے) اور یوم لا ظل الا ظلمہ (جس دن کسی کا سایہ نہ ہوگا اس دن اللہ کا سایہ ہوگا) سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے (العیاذ باللہ) اس حدیث کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ یہاں تک کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ لیکن سرفراز صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کی جگہ بنانے کے لئے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ یہاں تک کہ میں نے اس آگ کی روشنی میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔

سایہ ثابت کیجئے گا۔

ثانیاً یہ کہ رأیت ظلی وظلمک فیہا۔ یعنی میں نے دوزخ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ اس جملہ میں ظل اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے۔ کیونکہ دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے ناقص مطالعہ سے سمجھا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ مشکوٰۃ شریف۔ باب صفۃ النار فصل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے۔ فہی سودا مظلمۃ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ پس سرفراز کا حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ بڑھانا کہ اس آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ وہاں روشنی کا کیا کام۔ اور پھر کس قدر تیرت ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنے ناپاک عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے حدیث میں تصرف کیا۔ اور روشنی کا لفظ بڑھا کر سایہ کے جواز کا چور دروازہ نکال لیا۔ اور اس طرح جو بات حضور نے نہیں فرمائی۔ اسے آپ کی طرف منسوب کر کے العیاذ باللہ جہنم کے سیاہ اندھیروں میں اپنا ٹھکانا لیا۔ بہر حال دوطرح ثابت ہو گیا کہ یہاں ظل کا لفظ اپنے اصل معنی پر محمول نہیں ہے۔ ایک تو اس لئے کہ آپ نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسرا اس لئے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جہنم تو سیاہ تاریکی ہے اور سایہ روشنی میں متحقق ہوتا ہے۔ پس ان دو قریبوں سے متعین ہو گیا کہ یہاں پر لفظ ظل مجاز پر محمول ہے۔ اور ظل مجازی طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے۔

معالم التنزل میں ہے۔ وقیل ظلالہواى الشخا صہو۔ پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں میں نے اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا اور جہنم میں دیکھنے سے حضور نے یہ تعبیر لی کہ آپ کے وصال کے بعد امت فتنوں میں مبتلا ہوگی۔ باقی جہنم میں دیکھنے کا مطلب مجازی بھی ہو سکتا ہے کہ خود یا صحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا ہو۔ اور اگر خود جہنم میں دیکھنا بھی وارد ہو۔ تو معاذ اللہ وہ کسی طرح تحقیق شان کا موجب نہیں کیونکہ جہنم میں ہونا صرف کفار کے لئے موجب عذاب واپانت ہے۔ ہر ایک کے لئے نہیں۔ ورنہ جہنم کے فرشتے بھی تو جہنم میں موجود ہیں اور صامنکو الا داد دھا کے

تحت مفسرین کہتے ہیں کہ تمام مومنین کا جہنم سے گذر ہوگا۔ مگر ان کے لئے یہ باعث نشا و سرور ہوگا اور کفار کے لئے یہی گذر موجب عذاب و اہانت ہوگا۔
دوسری حدیث جس سے سرفراز صاحب نے نبی علیہ السلام کے لئے تاریک سایہ ثابت کیا۔ اس کا خلاصہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے۔

”حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میں آپ سے ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چائیاں وہاں سے ہٹا دی۔ اذنا بظلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبلاً“
فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا (تفہیم ص ۱۱۹)
اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے کیونکہ ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا اس لئے ہمارے نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
بادل کا سایہ فگن ہونا | سرفراز صاحب ایک شیعہ عالم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ۔

”آپ کا سایہ نہ تھا کہ ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج کی ٹھیکیا کے درمیان حائل رہتا تھا“ (تفہیم ص ۱۲۲)
اس کے بعد لکھتے ہیں۔

”ان کی اس تاویل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ سے سایہ کی جو نفی ہو رہی ہے۔ اس سے وہ بھی مطمئن نہیں ہیں۔ اور تاویل پر مجبور ہیں لیکن قطع نظر اس کے کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر بادل کے سایہ کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں اس لحاظ سے بھی مشکل ہے کہ پورے تریسٹھ سال تک سورج اور چاند میں دن اور رات کو سفر اور حضر میں ہمیشہ بادل کا سایہ آپ کے سر پر ہوتا رہا ہو۔“

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم کا سایہ نہ ہونا ہمارے نزدیک آپ

کی نورانیت پر مبنی ہے اور اس کو چھٹوس حوالوں سے ثابت کر دیا ہے۔ سرفراز صاحب کا شیعوں کی روایت سے حضور کے سایہ نہ ہونے کی وجہ۔ بادل کا سایہ فگن ہونا ذکر کرنا۔ اور پھر اس بحث کو طول دے کر بادل کے سایہ نہ کرنے پر حدیث پیش کرنا دراصل غلط بحث کی ناکام کوشش ہے۔ بایں ہمہ ہم ان کے غور و فکر کے لئے دو حوالے پیش کرتے ہیں۔

ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک رات نبی اکرم علیہ السلام نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو ملاقات سے مشرف فرمایا اور ازراہ عنایت انہیں اپنے دو موئے مبارک بھی عنایت فرمائے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب نے وہ بال دکھائے اور تین شخصوں نے اس بات کا انکار کیا کہ وہ حضور کے موئے مبارک ہیں اور بحث چل پڑی۔

چوں مناظرہ بامتداد انجاس
عزیزاں ہر دو موئے در آفتاب بردند
ہماں ساعت ابر پارہ ظاہر شد حال
آنکہ آفتاب بسیار گرم بود و موسم ابر
ہرگز نہ یکے توبہ کرد و دیگر گفتند فضیہ
اتفاقہ است دیگر بار آورند ابر
پارہ ظاہر شد و دیگرے توبہ
کرد۔ سوئے گفت این نیز قضیہ اتفاقہ
است۔ سہ بارہ آفتاب بردند دیگر
بار ابر پارہ ظاہر شد سیمے نیز در مسلک
تا ثبات منسلک گشت۔
جب مناظرہ طوالت کو پہنچا تو وہ لوگ
ہر دو موئے مبارک کو دھوپ میں لے
گئے۔ اسی وقت ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا
حالانکہ اس وقت سورج خوب گرم تھا
اور موسم ابر کا نہ تھا۔ تین میں سے ایک نے
توبہ کر لی اور باقی دو کہنے لگے کہ اتفاقاً
بادل آگیا تھا۔ دوسری مرتبہ لے گئے اور
دوسری بار بادل آگیا۔ دوسرا بھی تائب
ہو گیا۔ لیکن تیسرے نے کہا کہ میں نے یہ
بھی اتفاق ہو تیسری مرتبہ لے گئے تیسری بار
ابر پھر ظاہر ہوا اور تیسرا منکر بھی تائب ہوا۔

(انفاس العارفين ص ۴۰)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

و ہمیشہ ابر در وقت تمازت گرما بر اور ابر ہمیشہ گرمی کے وقت آپ کے
ایشال سایہ سے داشت۔
اور پر سایہ کرتا تھا۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۱۹)

اس موضوع پر بھی وسیع کلام کی گنجائش ہے لیکن چونکہ آپ کے ہاں شاہ ولی اللہ
اور شاہ عبدالعزیز کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اس لئے ان کے دو حوالے پیش کر
دیئے گئے ہیں۔ اب ذرا محض دل سے غور کیجئے گا کہ شاہ ولی اللہ اور تحفہ اثنا
عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز حضور کے لئے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے
یا تائب و زسنی ہے اگر وہ شیعہ ہو گئے تو آپ نے جو اپنی کتاب میں ان کی عبارتوں سے اندھا
دھندلائی کیا ہے۔ اس کی کیا وقعت رہ گئی اور اگر وہ سنی ہے تو کیا آپ اپنے
اس قول سے رجوع کریں گے کہ بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے؟

حاضر و ناظر

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے دیکھ کر رسول علیہم شہیدان کے
ترجمہ میں فرمایا: ”اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ“ اس پر سرفراز صاحب کی
تنقید ملاحظہ فرمائیے۔

”مفسرین کرام نے شہید کے معنی حاضر قائم بال شہادۃ ناصر اور امام وغیرہ
کئے ہیں۔ خان صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ گواہ کے لئے مجلس میں
موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ الشہادۃ بالتسامع (یعنی سن کر گواہی دینا)
بھی درست ہے تو نگہبان کا لفظ خان صاحب نے زیادہ کیا تاکہ ان
کے مسلک کے اختراعی عقیدہ حاضر و ناصر پر روشنی پڑے۔“

(تنقید متین ص ۱۲۳)

اس عبارت میں سرفراز صاحب نے تمام تفاسیر سے یا تو جاہل عارفانہ برتا
ہے یا واقع میں جاہل ہیں۔ یا مفسرین کی وہ تمام عبارات جو ان کے عقیدہ فاسد کے
خلاف تھیں۔ انہیں صہیونی ہاضمہ کی مہینٹ چڑھا کر تمام دنیا کی آنکھوں میں ڈھول
دھونکنا چاہتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے جو کچھ کیا اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ دنیا
کے سامنے جب ان کی تنقید کی حقیقت واضح ہو گئی تو سوائے رسوائی کے انسوؤں
کے کوئی ان کا غمگسار نہ ہوگا۔

اس مقام پر مفسرین کرام نے شہید کے کس معنی پر اعتماد کیا ہے اور اعلیٰ حضرت
فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے نگہبان کے لفظ کو کس حکمت کے پیش نظر ترجمہ میں
ذکر کیا۔ یہ ہم ابھی ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے تفسیر روح البیان میں علامہ
اسمعیل حق اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ان قلت ان الشاهد اذا اضر
بشهادته عدیت الشهادة بكلمة
على واذا نفع بها تعدی باللام
فيقال شهيداً. والرسول عليه
السلام لما ذكر امتنه وعد له
بشهادة انتفعوا بها فالظاهر ان
يقال ويكون الرسول كشرهيدا
بخلاف شهادة الامّة على الناس
فانها عليهم حيث استند وبها
فكلمة على فيها واقعة في موضعها
قلت هذا مبني على تضمين الشهيد
معنى الرقيب والمطلع فعدي
تعديته -
سے بنتی ہے کہ شہید رقیب (نگبان) اور مطلع کے معنی کو متضمن ہے اور رقیب چونکہ علی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اس لئے شہید کے ساتھ علی لایا گیا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ شاید جب اپنی شہادت سے
ضرر پہنچائے تو شہادت کو کلمہ علی سے
متعدی کرتے ہیں اور جب اپنی شہادت سے
نفع دے تو شہادت کو لام سے متعدی کرتے
ہیں پس کہا جاتا ہے شہد (اس کے خفی میں
گوہی می) اور رسول کریم نے جب اپنی شہادت
سے امت کا تذکرہ کیا اور ان کی تعدیل کی تو
امت آپ کی گوہی سے نفعیاب ہوئی پس بظاہر
ویكون الرسول كم شهيد لکنما چاہیے تھا بخلاف
لوگوں پر امت کی گوہی کے کیونکہ ان کی شہادت
ان لوگوں کے لئے باعث ضرر تھی پس اس کلمہ علی
سے متعدی ہونا اپنی اصل پر ہے۔ تو اس کے جواب
میں کہوں گا کہ شہید کا علی کے ساتھ متعدی ہونا اس
سے متضمن ہے اور رقیب چونکہ علی کے ساتھ متعدی
ہوتا ہے اس لئے شہید کے ساتھ علی لایا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی جلالت علمی

صاحب روح البیان کے اس بیان سے
خوب واضح ہو گیا کہ شہید یہاں پر نگبان کے
معنی کو متضمن ہے۔ اور شہید کے ساتھ اگر نگبان کے معنی کا محاذ نہ کیا جائے اور اسے
اپنے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے تو معنی یہ ہو گا کہ ”میں رسول تمہارے خلاف گوہ“ اور یہ معنی
بالاجماع مراد نہیں۔ پس اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے کمال علمی پر داد دینی پڑتی ہے کہ
انہوں نے گوہ کے ساتھ نگبان کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمادیا۔ کہ علی یہاں پر
شہادت کا صلہ نہیں۔ بلکہ شہید جس رقیب کے معنی کو متضمن ہے۔ یہ اس کا صلہ واقع ہے۔
علامہ بیضاوی اسی آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

ولما كان الرسول عليه السلام
كالرقيب المهيمن على امتهم
عدى بعل -
اور چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے
لئے نگبان کی طرح ہیں۔ اس لئے (شہید)
کو علی سے متعدی کیا گیا۔

مدارک التنزیل میں علامہ نسفی ارقام فرماتے ہیں۔
ولما كان الشهيد كالرقيب
يعنى بكلمة الاستعلاء
تفسير ابن سعود میں ہے۔
اور جبکہ لفظ شہید رقیب (نگبان) کی مثل ہے
تو کلمہ استعلاء یعنی علی کو لایا گیا

وكلمة الاستعلاء لما في الشهيد
من معنى الرقبة والمهيمن -
اور کلمہ استعلاء یعنی علی کو اس لئے لایا گیا کہ لفظ شہید
مطلع اور نگبان کے معنی کو متضمن ہے۔

سرفراز صاحب سے گزارش ہے کہ اگر ترجمہ میں نگبان کے معنی کا ملحوظ رکھنا ان
کے نزدیک قرآن میں تحریف ہے تو علامہ بیضاوی علامہ نسفی اور ابو سعود نے جو رقیب اور
بہمن سے تفسیر کی ہے تو کیا یہ مفسرین آپ کے نزدیک محرف ہیں اور صاحب روح
البیان نے جو اشکال قائم کیا ہے آپ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے بغیر اس اشکال کا جواب دے
سکتے ہیں ویدہ باید۔

مفسرین کرام کی عبارتوں کے سامنے آجانے سے اب یہ بات پردہ میں نہیں رہی کہ
شہید اس مقام پر مطلع اور نگبان کے معنی کو متضمن ہے۔ لیکن چونکہ اس معنی میں عظمت رسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلو ہے۔ اسی لئے سرفراز صاحب کو کسی تفسیر میں یہ لفظ نظر نہیں آیا اور
انہوں نے اس لفظ کو اعلیٰ حضرت کی اختراع قرار دیا۔ اور اب چونکہ وہ روشنی میں آچکے ہیں
اس لئے قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ اس مقام پر شہید کے معنی میں نگبان کا ذکر کرنا اعلیٰ
حضرت کی عظمت علمی ہے۔ یا نگبان کے ذکر پر چین چین ہونا گھڑوی صاحب کی جہالت ہے،
صدر الافاضل رحمہ اللہ نے زیر بحث
آیت کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی۔

صدر الافاضل کی تفسیر اور اس پر تناید

”اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکرم نور الہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال

اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں (مسئلہ) اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت امت کے حق میں مقبول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ کے حاضرین کے متعلق جو کچھ فرمایا۔

”مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے فضائل و مناقب یا غائبوں اور بعد والوں کے لئے مثل حضرت اویس علیہ الرحمہ اور امام مہدی وغیرہ اس پر اعتقاد واجب ہے“

اس تفسیر پر سرفراز صاحب تنقید کرتے ہیں اور مولوی نعیم الدین صاحب نے تو صاف لفظوں میں کچھ دیا کہ :-

آپ ہر شخص کی حقیقت ایمان اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق پر مطلع ہیں۔ لیکن یہ نظریہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ و صحیحہ کے سراسر

خلاف ہے۔“ (تنقید تین ص ۱۲۳)

آئیے اب دیکھیں کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف تفسیر کرنے کے جرم میں اور کون کون شریک ہے۔ یہ ہیں ذریت دیوبند کے معتمد علیہ اور معنوی جد امجد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ جن کی عبارتوں کو مولوی گکھڑوی نے اپنی کتاب میں اندھا دھند پیش کیا ہے۔ وہ اسی آیت شریفہ کے تحت تفسیر فرماتے ہیں۔

یعنی وہاں رسول شامہ شاہ گواہ زیر اکہ
یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ
وہ نور نبوت سے ہر دیندار کے دین پر مطلع
ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا
ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا
ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ دین
میں ترقی نہ کر سکا۔ وہ کونسا ہے پس وہ
تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات

او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر
متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از
دین من رسد و حقیقت ایمان او
چیت و حجابے کہ بر او از ترقی
محجب ماندہ است۔ کدام است پس
اوسے شناسد گناہان شمار و درجات

ایمان شمار اعمال نیک و بد شمارا
و اخلاص و نفاق شمارا و لہذا شہادت
اور دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول
و واجب العمل است و آنچہ او از
فضائل و مناقب حاضران زمان خود
مثل اصحاب و ازواج و اہل بیت
یا غائبان از زمان خود مثل اویس و
مہدی و مفتون دجال یا معائب و
مثالب حاضران و غائبان میفرماید
اعتقاد برال واجب است و ازہا است
کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر
اعمال امتیان خود مطلع میداند
کہ فلا نے امروز چنین میکند و فلا نے
چنان تار و ز قیامت ادا لے شہادت
تواند کرد۔ (تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۶۳۶)

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے اس نورانی کلام کو ملاحظہ فرمائیے۔ اور دیکھئے
کہ صدر الافاضل رحمہ اللہ کی یہ تفسیر بیحد شاہ عبدالعزیز کے مضمون کی تعبیر ہے یا نہیں
پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ یہی بات اگر شاہ عبدالعزیز فرمائیں تو وہ حق
و صواب اور اگر صدر الافاضل وہی بات کہہ دیں تو وہ نصوص صحیحہ کے خلاف ہو جاتی
ہے سرفراز صاحب کو اگر صدر الافاضل رحمہ اللہ کے کلام پر سب و شتم کرنا ہی تھا تو پہلے
شاہ صاحب کی تفسیر کے تمام نسخوں کو دریا برد کر دیتے۔ ورنہ جب تک دنیا میں تیکہ یوبند
کی یہ تفسیر موجود ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں سلامت ہیں تو اس وقت تک سرفراز
صاحب کے اس دجل و فریب کو کوئی وقت نہیں دے گا۔ اور اس کلام پر انکی تنقید

اور تمہارے اچھے اور بُرے اعمال اور
اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ اسی لئے
امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی
بحق شرع مقبول و واجب العمل ہے اور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانے کے حاضرین
مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم
یا غائبین مثلاً اویس و مہدی اور مفتون دجال
کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا
اپنے زمانے کے حاضر و غائب لوگوں کے
عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں ان پر
اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اسی قبیل سے ہے
جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت
کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلاں آج یہ
کرنا ہے اور فلاں یہ تاکہ قیامت کے دن
ان پر گواہی دے سکیں۔

اہل حق کی نگاہوں میں ذلت و رسوائی کا آخری نشان بن کر رہ جائے گی۔
تفسیر عزیزی کے بعد روح البیان سے اسی مقام کی تفسیر میں ایک اور عبارت
ملاحظہ فرمائیں:-

ومعنى شهادة الرسول عليهم
اطلاعة على رتبة كل متدين بدينه
وحقيقة التي هو عليها من دينه
وحجابه الذي هو محبوب عن كمال
دينه فهو يعرف ذنوبهم وحقيقة
ايمانهم واعمالهم وحسبهم و
سكياتهم واخلاصهم ونفاقهم و
غير ذلك بنور الحق۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا
مطلب یہ ہے کہ آپ ہر دیندار کے دینی مرتبہ اور
اس کے دین کی حقیقت پر مطلع ہیں اور اس حجاب
سے بھی واقف ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے کمال
دینی سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں
کے گناہوں ایمان کی حقیقت۔ انکی نیکیوں اور
برائیوں ان کے اخلاص و نفاق اور اسکے علاوہ باقی
تمام امور پر نور ربانی سے واقف ہیں۔

روح البیان کی یہ شہادت ان دلوں پر یقیناً گراں گذرے گی۔ جو تنقیض نبوت
کی تبلیغ پر اپنے ایمان کے درجات کا شمار کرتے ہیں۔ جن کی نگاہیں فضائل رسالت
کی تیز روشنی میں چمکاؤں کی طرح بینائی کھودیتی ہیں۔ اور بغض نبوت کے سیاہ فام اندھیروں
میں جن کا دیدہ غارت گر مستعد اور فعال ہو جاتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر جو مشق ستم سرفراز صاحب نے کی ہے اور
آپ کی وسعت علمی پر جو گکھڑ سے تیر چھینکے ہیں انہیں ہم سطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔
(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کے نفاق کو
بھی نہ جانتے تھے۔

(۲) سورہ نور میں حضرت عائشہ پر اتمام کا اور پھر ان کی صفائی کا ذکر ہے اگر آپ
ہر شخص کی حالت سے واقف ہوتے تو ام المؤمنین کو پیچھے چھوڑتے ہی کیوں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سچے صحابی (حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ)
کو چھوٹا فرمایا اور منافقین کو سچا فرمایا لیکن نزول وحی کے بعد حقیقت منکشف ہوئی

(۴) سورہ تحریم میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی ایک خاص کاروائی کا ذکر
ہے جس کی وجہ سے آپ نے اپنے آپ پر شہد کو حرام کر لیا اور انکی اصل کاروائی اور حالات
کا علم نزول سورت کے بعد ہوا۔

(۵) حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا تھا جس کو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے بھی تلاش کیا۔ اور دیگر صحابہ کرام نے بھی تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔ حاضر و ناظر سے
بھی بھلا کوئی چیز مخفی رہتی ہے۔

(۶) سترہ میں نبی کے مقام پر آپ کی زہر خورانی کا واقعہ موجود ہے جس سے صاف
طور پر یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے۔ کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا اور
نہ آپ نگہبان ہیں (تنقیذ متین ص ۱۲۳، ۱۲۵)

علم رسالت پر طعن طریقہ منافقین ہے اس سے پہلے کہ ہم ان
سوالوں کے جوابات پیش

کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کو اس معدن پر مطلع کریں۔ جہاں سے بغض رسالت
کا یہ لاوا پہلی بار پھوٹا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبصر علمی پر جن سوالات کا اعادہ گکھڑ
سے کیا گیا ہے۔ ان کی اختراع کس ذہن نے کی تھی ما کان اللہ لیدر المؤمنین علی ما
انتم علیہ کے شان نزول میں علامہ خان فرماتے ہیں۔

قال السدي قال رسول الله صلى
الله عليه وسلم عرضت على امتي
في صودها في الطين لما عرضت على
آدم واعلمت من يومئذ ومن
يكفر في قبلي ذلك المنافقين فقالوا
استهزاء زعم محمد صلى
الله عليه وسلم انما
يعلم من يومئذ ومن يكفر
سدي کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا مجھ پر میری امت اپنی خاک صوٹ میں اس طرح
پیش کی کہ جس طرح حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور
مجھے بتلادیا کہ مجھ پر کون ایمان لائیکا اور کون نہیں
لائے کا جیت بات منافقین پہنچی تم نوٹنے آتے رہا
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یوں کان کہتے ہیں کہ انہیں جو
لوگ بھی پیدا بھی نہیں ہوئے انکا باپے میں بھی علم ہے کہ ان
میں سے کون ان پر ایمان لائیکا اور کون کفر کے گ

ممن لم یخلق بعد ونحن معه
وما یعرفنا فبلغ ذالک رسول
اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فقام
علی المنبر فحمد اللہ تعالیٰ
واثنی علیہ ثم قال ما بال
اقوام طعنوا فی علمی لا تسئونی
عن شیء فیما بینکم و بین
الساعة الا نبا تکمربہ فقام
عبد اللہ بن حذافۃ السہمی
فقال من ابی یا رسول اللہ (صلی
اللہ علیہ وسلم) فقال حذافۃ
فقام عمر فقال یا رسول اللہ
رحینا باللہ سبابا وبالا سلام
دینا وبالقدران اما ما ویک
نبی فاعف عنا عفا اللہ عنک
فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فہل
انتم مناکھون فہل انتم مناکھون ثم نزل
عن المنبر فانزل اللہ هذا ۲۵ لایۃ

(تفسیر خازن)

اس حدیث صریح سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

- (۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام امت کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں۔
- (۲) منافق آپ کے اس دعویٰ پر طعنہ زن ہوئے کہ اگر آپ سب کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں تو ہمارا نفاق کیوں آپ سے مخفی ہے۔

(۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر دعویٰ فرمایا کہ اب سے قیامت تک کی جو بات چاہو۔ پوچھو۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے علم پر طعنہ زنی سے ناراض ہوئے۔

(۵) حضرت عمر اور عبداللہ ابن حذافہ رضی اللہ عنہما آپ کی وسعت علمی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

حوالہ خازن کی تحریر تفصیل اور اس تجزیہ کے بعد اب ناظرین پر مخفی نہ رہا ہوگا کہ پس براہ منافقین سے استفادہ کر کے سرفراز نے اپنے آپ کو کس صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ اور کیا اب یہ صراحت ضروری ہے کہ علم سلامت پر طعن کرنا کس کا انداز فکر ہے اور علم نبوت کی وسعتوں کو ماننا کس کا طریقہ ہے اور وہ جزوی واقعات سرفراز صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاعلمی ثابت کرنے کیلئے لکھے ہیں۔ ہمیں کسی طرح مضرب نہیں۔ کیونکہ باوجود علم کے کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا۔ ایک حقیقت ثانیہ ہے اور علماء دیوبند کو بھی مسلم ہے (علماء دیوبند ص ۳۱)

ثانیہ یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں الی حسین اوصال مکمل ہوا۔ سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔ سب نزول قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً ان کا علم حضور کو حاصل ہوتا رہا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے بے قرار ہیں تو ثابت کریں کہ آپ کو فلاں امر کا علم وصال تک حاصل نہیں ہوا۔

انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرتے کے لئے ہمیشہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ برسر عام بازاروں میں مساجد کے منبروں حتیٰ کہ کتاب کے صفحات پر کہیں یہ لوگ اس واقعہ کو بیان کرنے سے نہیں چھوکتے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ان کی مال پر اس قسم کی تہمت لگائی جاتی تو یہ اس بات کو پسند کرتے

کہ وہ سہمت خواہ غلط ہی ہو اس کو برسر عام بیان کیا جائے پھر ام المؤمنین کے اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں انہیں کوئی حیا کیوں نہیں آتی۔ کیا اس طرزِ عمل سے ام المؤمنین اور نبی علیہ السلام کو ایذا نہیں پہنچتی۔ اسی طرح عقیدہ حاضر ناظر کو سرفراز صاحب کا بار بار استہزاء ذکر کرنا فضائلِ نبوت سے لہو و لعب کے مترادف ہے۔

حاضر و ناظر کا ثبوت ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ روضۂ منورہ میں تشریف فرما ہیں اور تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے۔ جسے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اگر آں واحد میں امکانہ متعددہ پر تشریف لے جانا چاہیں تو یہ بھی ممکن ہے۔ یہی حاضر و ناظر کا صحیح مفہوم ہے نہ یہ کہ آپ اپنے مخصوص جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے اہل سنت پر افتراء باندھا ہے اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغو اور لائینی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے۔ ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارت پیش کی ہیں۔ ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے اجمالی طور پر یوں سمجھ لینا چاہیے کہ حاضر ناظر کے اثبات کے لئے آپ کی حیات اور لوازماتِ حیات کے بالفعل متحقق ہونے کا اور آں واحد میں امکانہ متعددہ پر موجود ہونے کے امکان کا اثبات ضروری ہے۔ حیات کے بارے میں کچھ گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

مبتدعین دیوبند کے سرخیل قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

”عقیدہ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں۔ اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جاوے۔ تو ہو جاوے۔ انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زیادہ سمجھتا ہوں“ (طائف قاسمیہ ص ۳)

مزید لکھتے ہیں۔

”تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ مگر اس صورت میں یہ اجتماعِ موت و حیات ایسا ہوگا جیسا وقتِ حرکت کشتیِ جانثین کشتی کا حرکت و سکون جیسے یہاں سکون اصلی ہے۔ اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی“ (طائف قاسمیہ ص ۴)

نانوتوی صاحب کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا انصاف مجازاً ہوا ہے۔ اور حقیقتہً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے کشتی میں بیٹھے ہوئے شخص کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا ہے۔ اور حقیقتہً وہ متحرک نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ اس تقریر سے آپ پر حقیقتہً موت کے طاری ہونے کا انکار ہو گیا۔

نیر لکھتے ہیں:-

فرض کیجئے چراغ کو کسی طرف گلی میں رکھ کر سرپوش رکھ دیجئے جیسے یہاں تمام شعائیں باہر سے سمت کر اس طرف میں آجاتی ہیں۔ بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ اشتدادِ انتشار الیہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمائیے۔ اس صورت میں موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہوگا۔ جیسا چراغِ ظرفِ گلی میں مستور ہو جانے اور گل ہو جانے میں فرق ہے“ (طائف قاسمیہ ص ۵)

اس عبارت کا مطلب واضح ہے۔ یعنی عوام کی موت تو اس طرح ہے کہ موت سے ان کا چراغِ حیات بجھ جاتا ہے۔ اور انبیاء کی موت اس طرح ہے کہ اس کا چراغِ حیات قبر میں چھپ جاتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی پہلے سے بڑھ جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کی حیات کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے اور کبھی نہیں بجھتا! لطیفہ: سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء اور شہداء سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہاں میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب“

اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیات انبیاء کی نفی کی ہے۔ اور طائف قاسمہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے۔ غور فرمائیے۔ مبتدعین دیوبند کے اصول و فروع کس قدر تضاد ہے۔ آباء دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ حقیقت موت کا سرے سے انکار کیا ہے اور اذلت میت آپ فوت ہونے والے ہیں۔ اور کل نفس ذائقۃ الموت ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے کی تکذیب کر دی۔ انباء دیوبند نے موت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ حیات کا قطعاً انکار کر دیا۔ اور نبی اللہ جی یرزق اللہ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے کی تکذیب کر دی۔ باپ بیٹوں میں کون جھوٹا ہے۔ اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے لئے ایک آن کی موت ثابت ہے اور یہی اتک میت اور کل نفس ذائقۃ الموت کا تقاضہ ہے اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی حیات عطا فرمائی۔ جو کہ احادیث صحیحہ کا مطلب اس کی ضروری تفصیل بحث استعانت میں کی جا چکی ہے۔ ہر حال بانی دیوبند کے کلام سے دنیاوی حیات ثابت ہوگی اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

لوازم حیات | جب کہ یہ امر روشن ہو گیا کہ نبی علیہ السلام دنیاوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور دنیاوی حیات میں پکی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ تمام عالم کو مثل کف دست ملاحظہ فرماتے ہیں۔ علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

ورد پفعت لی الدنيا فانا انظر فيها
کما انظر الى كفى هذا - (تفسیر ج ۲ ص ۱۰۴)
حدیث میں آیا ہے کہ تمام دنیا میرے سامنے پیش کی گئی پس میں اس کو مثل کف دست دیکھتا ہوں۔
ممکن ہے مبتدعین دیوبند کو یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ فضیلت تو دنیا میں ثابت تھی نہ کہ بعد الوفا پس اس کا اول جواب یہ ہے کہ فانا انظر جملة السمیه ہے اور خبر فعل مضارع ہے۔ اور وہ جملہ السمیه جس کی خبر فعل مضارع ہو۔ دوام تجدد کی کا افادہ کرتا ہے۔
ثانیہ یہ کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لئن شکرتکم لازیدنکم ولئن

کفرتکم لئن عذابی لشدید۔ پس قرآن کریم کے اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ شکر کرنا زیادتی نعمت کا سبب ہے۔ اور نبی علیہ السلام سید الانس و الجن ہیں۔ فہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر یوماً فیوماً بلکہ انا فانا زائد ہوگی۔ پس جب دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی تو وصال کے بعد زیادتی متصور ہوگی نہ کمی تفتیش کے لئے کوئی راہ نہیں۔
ثالثاً اگر فرض کیا جائے کہ دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی اور آخرت میں یہ نعمت مسلوب ہوگئی تو لازم آئے گا کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا آخرہ خیر لک من الاولی۔ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہے۔
رابعاً جب آپ نے مان لیا کہ قبر میں دنیاوی حیات ہوتی ہے۔ تو دنیاوی حیات کے لوازم بھی ماننے ہونگے اور وسعت نظر جو کہ دنیا میں ثابت ہے۔ اس لئے قبر شریف میں بھی اس کو ماننا ہوگا۔

خامساً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام افراد امت کے بارے میں فرمایا ہے۔
المیت یحلمون یکفہ ومن یصلی
علیہ ومن یحمله ومن یدفنه۔
میت کو علم ہوتا ہے کہ اسے کون کفن پہنا رہا ہے
اور کون اس پر نماز جنازہ پڑھتا ہے کون اس کا
جنازہ اٹھاتا ہے اور کون اسے دفن کرتا ہے۔
(مرقات ج ۱ ص ۱۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے کیونکہ حیات دنیاوی میں اگر اسے چار پائی پر لٹا کر اوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا اسے اٹھانے والے کون ہیں۔ کون اس پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور کون اس کو دفن کر رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وفات کے بعد اس کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے جب عام میت کا یہ حال ہے۔ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوگا۔ جن کی نگاہ کی وسعت کا حیات دنیاوی میں یہ عالم تھا کہ اوپر نظر اٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت کو ملاحظہ فرماتے اور اگر نیچے نظر فرماتے۔ سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے۔ جو حیات دنیاوی میں اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھتے تھے وصال کے بعد جب ان کا ادراک بصری ترقی پا گیا ہوگا تو پھر ان کی نگاہ کی وسعتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے

سادسا۔ نانوئی صاحب لکھتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ۔ وقت موت حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے کیونکہ جب حیات اصلی ہے۔ تو اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر آنا ایسا ہوگا جیسے حالت حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج آسمانوں پر چلے جانا۔ (لطائف قاسمیہ ص ۴) نیز لکھتے ہیں۔

”بالجملہ حیات حال انبیاء کا مثل حیات سابق ہونا اور پھر اس سے اشد اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ بوجہ احاطہ ضد معلوم جس کو موت کہیے تمام فیض حیات جو مثل شعاع شمس و قمر اطراف بدن اور اس سے باہر تک بذریعہ افعال جانا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا۔“ (لطائف قاسمیہ ص ۵)

آن واحدیں مکنتہ متعدہ پر حاضر ہونے کا امکان محمد اللہ تعالیٰ ہم نے مبتدعین پر بند کی عبارت سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ دنیاوی حیات کے ساتھ قبرانور میں زندہ ہیں اور قبر کی حیات کا فیضان دنیاوی حیات سے شدید تر ہے پس ثابت ہو گیا کہ آپ قبرانور میں تشریف فرما ہیں۔ اور تمام عالم کا ملاحظہ فرما رہے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اور آن واحدیں اگر مختلف مقامات بھی تشریف لے جانا چاہیں تو یہ بھی ممکن ہے۔ رہا یہ سوال کہ متعدد مقامات پر اگر بعینہ حضور موجود ہیں تو یہ تکثر جزئی ہے اور اگر وہاں آپ کی مثال موجود ہے تو مثل شئی غیر شئی ہے پس امکان متعدہ پر آپ کا غیر موجود ہونا کہ خود آپ اس سوال کا ایک جواب تو ہم بحث استعا میں تھا نومی صاحب کی گپ پر اعتراضات کے ضمن میں دے چکے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ متعدہ متعلقہ بروج واحد مکنتہ متعدہ میں موجود ہو سکتے ہیں اور یہ تکثیر جزئی نہیں ہے۔ کیونکہ اجساد میں نوع من التغایر موجود ہے۔ اور یہ اجسام حضور کے غیر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام اجساد کے ساتھ حضور کی روح متعلق ہوگی۔

اور تعین کا مدار عینیت روح پر ہے نہ کہ غیبت جسم پر ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ علاء الدین قونوی میگوید کہ بعید نیست کہ گفتہ شود کہ رواح مقدسہ انبیاء بعد از مفارقت بمنزل ملائکہ است بلکہ افضل از ایشان ہم چنانچہ ملائکہ متمثل شوند در صور مختلفہ کذا لک جائز باشد کہ رواح مقدسہ انبیاء نیز متمثل گردند و نیز ممکن است کہ ایں تصرف بعض خواص عباد اور حالت حیات نیز درست دہد و روح واحد در ابدان متعدہ غیر بدن محو و تصرف کند چنانچہ بعض محققین در تسمیہ ابدال گفتہ اند کہ کاہے یک از ایشان بمکانے و دودر مکان اول شبے و مشائے در بدل خود بگذار و سادہ صوفیہ قدس اللہ امرار ہم عالم متوسط در عالم اجساد و ارواح ثابت کردہ اند کہ اں را عالم مثال گویند لطف از عالم اجساد و اکثف از عالم ارواح و ظہور ارواح و صور مختلفہ مبنی بر اں ساختہ و ظہور جبریل علیہ السلام بصورتہ و حیہ کلبی مثل آدم مریم را بصوت بشر سوئی الخلق ازاں عالم سے

شیخ علاء الدین قونوی کہتے ہیں کہ یہ کہنا بعید نہیں کہ انبیاء کی رواح مقدسہ ابدان سے مفارقت کے بعد ملائکہ کے ابدان کی مثل ہو جاتی ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہوتی ہیں اور حسن طرح ملائکہ مختلف صورتیں مثل ہو جاتے ہیں اسی طرح جائز ہے کہ رواح مقدسہ بھی متمثل ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض خاص بندوں کو یہ مقام دنیا میں حاصل ہو جائے اور روح واحد بدن مسعود کے سوا ابدان متعدہ میں تصرف کرے جس طرح بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہو تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجساد اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے کشیف ہوتا ہے اور ارواح کا صور مختلفہ میں متمثل ہونا اسی عالم پر مبنی ہے اور جبریل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں اور مریم کے پاس بشر یا سوئی کی شکل میں متمثل ہو

دارند و بناء علیہ جائز بود کہ موسیٰ علیہ السلام با وجود استقرار در آسمان ششم شبح و پیکر مثالی در قبر مثلث باشد و آنحضرت اورا در ہر دو مکان مشاہدہ فرمود و بعد از اثبات عالم مثال جواب از مسائل کثیرہ بیرون آید و اشکالات بسیار مثل بیان وسعت جنت در رویت اورا عرض حائل مثلاً منحل گردد (جذب القلوب ۱۵۳)

ملا علی قاری فرماتے ہیں :-

ولا تباعد من الاولیاء حیث طویت لہم الارض وحصل لہم ابدان مکتبۃ متعددۃ وجد و ہا فی اماکن مختلفۃ فی آن واحد واللہ علی کل شیء قدير و ہذا فی ہذا العالَم المبدی علی الامر العادی غالباً - (مرقات ج ۲ ص ۳۱)

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ جو دیوبندیوں کے تمام اکابر اور اصاغر کے مسلم مقتدا ہیں - لکھتے ہیں -

ربا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے آپ کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل ثقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو محل کلام نہیں - (فیض ہفت مسئلہ ص ۷)

اس موضوع پر ہم ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ شخص واحد آن واحد میں مقامات متعددہ پر موجود ہو سکتا ہے - دیکھئے حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مغموم شخص کو دیکھا جس کا بیٹا فوت ہو چکا تھا ابچہ فرمایا اما تحب ان لاتاقی بابا من ابواب الجنة الا وجدتہ ینتظرک فقال رجل یا رسول اللہ اخاصتہ لہ کلنا لکلک - مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۳

ترجمہ :- کیا اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے سے داخل ہو مگر تمہارا بیٹا اس دروازے پر تمہارا انتظار کر رہا ہو کسی نے پوچھا حضور یہ نبی کا خاصہ ہے یا سب کے لئے آپ نے فرمایا سب کے لئے -

اس حدیث شریف میں باب نکرہ ہے - اور حیز نفی میں واقع ہے اور نکرہ تحت نفی مفید عموم ہوتا ہے - معلوم ہوا کہ جنت کے ہر دروازے کی یہ صفت ہوگی کہ اس دروازے پر وہ بیٹا موجود ہوگا - پس ثابت ہوا کہ آن واحد میں مقامات متعددہ پر موجود ہونا نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقع ہے -

اشرف علی صاحب تھانوی و یار
مٹھانوی صاحب اور عقیدہ حاضر ناظر | اللہ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں -

مختلف صورتوں میں ہو جانا اور یہی وہ ہے جس کا نام صوفیہ حضرات عالم مثال رکھتے ہیں اور یہ حضرات عالم اجسام و عالم ارواح کے درمیان ایک درمیان فی عالم اجسام سے زیادہ لطیف اور عالم ارواح سے زیادہ واضح ہے اور اسی پر روح کے جسمانی شکل اختیار کرنے اور اس کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی بنا قائم کی ہے اور اس کو حق تعالیٰ کے اسی ارشاد سے استنباط کیا ہے فتمثل لہا بشر اسویا (توان کے واسطے جبرائیل ایک معتدل انسان بن گئے) وہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے جو فضیل البان موصیٰ سے منقول ہے - یہ حضرت ابدال میں سے تھے کسی شخص

نے جب ان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا۔ تو نماز نہ پڑھنے کی تہمت لگائی تھی اور سختی سے اعتراض کیا تھا آپ فوراً اس کے سامنے مختلف صورتوں میں منتقل ہوئے اور پوچھا تم نے کوئی صورت میں مجھے نماز پڑھتے نہیں دیکھا کرامتوں کی اس قسم میں بزرگوں کے بہت واقفے ہیں۔

(جمال الاولیاء ص ۲۵)

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

محمد الحضری مجدد و جلالنے والے عجیب غریب حالات و کرامات مناقب والے تھے کبھی کبھی جلالنے ہوئے عجیب عجیب علوم و معارف پر کلام کرتے اور کبھی کبھی استغراق کی حالت میں زمین و آسمان کے اکابر کی شان پر ایسی گفتگو فرماتے کہ اس کے سننے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ آپ ابدال میں سے تھے آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھائے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں لشب باش ہو جاتے تھے۔

(جمال الاولیاء ص ۱۸۸)

واقفہ مصراع کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اس طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثیل ہوا ہے یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور جسم میں تقدیر بھی اور ایک وقت میں روح کا سب سے تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت

(نشر الطیب ص ۶۵)

حق۔

اللہ تعالیٰ اگر قدرت نہ دے تو کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ بیک وقت متعدد جگہ اجسام متعدد میں روح واحد کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں اور یہی حضرات انبیاء اور اولیاء کرام کے حاضر و ناظر ہونے کا مطلب ہے جو ہر حال بخلاف انوی صاحب کی متعدد عبارات سے ثابت ہو گیا اب بھی دیوبندی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کو شرک کہتے ہیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

نذر و نیاز

وما اهل بد لغیر اللہ کے تحت حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے

ہیں کہ:

”چوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو۔ وہ حرام نہیں۔ جیسے عبد اللہ کی گائے۔ عقیقہ کا بکرا۔ ولیمہ کا جانور۔ یا وہ جانور جس سے اولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچانا مقصود ہو۔ ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال و طیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اس کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں۔ اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے۔ اور خود آیت ان کے معنی کو بننے نہیں دیتی۔ کیونکہ ما اهل بد کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو الا ما ذکیتہم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ وہ الا ما ذکیتہم سے حلال ہوگا۔ غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں“

اس تفسیر کمر فرائز صاحب لکھتے ہیں کہ۔

”مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے۔ محض اپنے ایک

باطل نظریہ کے تحت لکھا ہے اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا

ہے۔ جو چند وجوہ سے مردود ہے“ (تنقید متین ص ۱۲۶)

حق یہ ہے کہ صدر الافاضل رحمہ اللہ کا یہ محققانہ کلام چند وجوہ سے سرفراز صاحب کی سمجھ میں نہ آسکا۔ اسی لئے انہوں نے بچکانہ اعتراضات کئے ہیں۔ خود فریب کھایا ہے یا لوگوں کا دین و ایمان ٹوٹنے کے لئے دجل کی دوکان سجائی ہے۔

تعجب یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے رشید احمد گنگوہی کا ایک بے سند فتویٰ بھی منہ بنا کر پیش کیا ہے اور اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ خصم پر بطور رحمت کے مسلم بزرگوں کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں۔ رشید احمد صاحب گنگوہی کو آپ گنگوہ کے عالی مرید و پرپیش کیسے گا۔ یا ان پکی روٹی کے حافظوں پر جن کے سروں پر دیوبند نے فضیلت و افتخار کی دستار باندھی ہے۔

سرفراز صاحب کا پہلا استنبہ | سرفراز صاحب نے صدر الافاضل رحمہ اللہ کے کلام میں پہلی تحریف اس طرح کی ہے کہ:-

اہلال کے معنی عربی زبان میں ذبح کے نہیں بلکہ نامزد اور شہرت دینے کے ہیں۔ (تنقید متین ص ۱۲۷)

سرفراز صاحب نے اس پر خوب زور دیا ہے اور ارباب لغت اور تفاسیر کے حوالے نقل کرتے چلے گئے۔

جیسے صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح کیا ہو۔ اور اس کے خلاف سرفراز صاحب گنگوہ سے پورا اسکوڈرن فضائے قرطاس میں لے آئے ہوں۔ صدر الافاضل نے اہل کا کیا معنی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں۔

”وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو“

اب سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ جب صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح نہیں کیا۔ تو پھر آپ کو اس بے مقصد کلام سے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اور اگر یوں ہی نگلے میں طوقِ لغت آویزاں کر کے کذابین کی صفت میں شامل ہونے کا شوق ہے۔ تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں چشم مار و شن دل ماشاد۔
سرفراز صاحب کو بھی احساس تھا کہ جھوٹ کی یہ کشتی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ اس لئے بکھتے ہیں۔

غرضیکہ وما اھل کو وقتِ ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ (تفہیم ص ۱۳۰)
دروغ گور حافظہ نباشد، پہلے آپ نے کہا تھا کہ اہل کو ذبح کے معنی میں لینا غلط ہے۔ اور اس سے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ صدر الافاضل نے اھل کا معنی ذبح کیا ہے۔ اب کہتے ہیں کہ اھل کو وقتِ ذبح کے ساتھ مقید کرنا غیر ضروری ہے۔ جس سے یہ سمجھنا ناچاہتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اھل کو وقتِ ذبح کے ساتھ مقید کیا ہے۔

ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں | صدر الافاضل فرماتے ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی جانور کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

مذکورہ بالا عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس آیت میں صرف اسی کو حرام کیا گیا ہے۔ جس پر وقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ہم اس کے علاوہ ذبیحہ حرام ہونے کی چند صورتیں ذکر کرتے ہیں۔

- (۱) مثلاً جوسی اور ہندوؤں کا ذبیحہ حرام ہے۔
- (۲) احناف کے نزدیک مسلمان بھی اگر عبد اللہ کو ترک کر دے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔
- (۳) مرتد اگر اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان جانور کو غیر اللہ کی طرف تقرب بطور عبادت کے منسوب کر دے تو اب اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ بحیثیت عبادت غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے وہ مرتد ہو گیا۔ اور مرتد کا ذبیحہ

حرام ہوتا ہے۔ اور اسی جانور کو کوئی اور مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ بے شک حلال و طیب ہے۔ اس کو حرام کہنا قرآن کریم کی نصوصِ قطعہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتابوں میں جس ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے وہ اسی صورت پر محمول ہے کہ ذبح کرنے والے نے جانور کو بحیثیت عبادت تقرب حاصل کرنے کے لئے کسی بزرگ کی خاطر نامزد کر دیا ہو۔ اب وہ خود اگر اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ اور اگر تقرب بحیثیت عبادت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو تو یہ ذبیحہ حلال اور طیب ہے۔ کیونکہ مطلقاً تقرب وجہ شرک نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز اور نیاز کے جانور | مبتدعین دیوبند اس خوش فہمی بلکہ غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے انکے خود ساختہ مسلک کی تائید کے لئے وافر مواد جمع کر دیا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں۔ ان کی حرمت پر یہ لوگ ہمیشہ شاہ صاحب کی عبارتوں سے استشہاد کرتے ہیں علماء اہلسنت نے ان کی اس غلط فہمی کو بار بار رفع کیا۔ لیکن یہ ہندی لوگ ہمیشہ ان عبارتوں کو لے کر اس طرح سامنے آجاتے ہیں جیسے اب تک یہ عبارتیں لا جواب رہی ہوں انصافاً اور دیانت کا تقاضا تھا کہ سرفراز صاحب ان پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھانے سے پہلے پچھلا حساب بیباق کرتے اور علماء اہلسنت نے ان عبارتوں کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو پیش کر کے ان پر تبصرہ کرتے۔ بہر حال اب چونکہ انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑ ہی دیا ہے۔ اس لئے اب ہم بھی ذرا اس پر کھل کر گفتگو کریں گے۔

سرفراز صاحب نے تفسیر عزیزی سے جو عبارت پیش کیں ہیں ان کا کچھ حصہ تو اھل کے معنی سے متعلق ہے کہ اس کا معنی ذبح نہیں۔ بلکہ آواز دینا۔ اور شہرت دینا ہے۔ اور یہ گفتگو خارج از بحث ہے۔ کیونکہ صدر الافاضل نے اھل کا معنی ذبح نہیں کیا۔ ہم ان کی نقل کردہ عبارت کا وہ حصہ پیش کرتے ہیں جو موضوع سے متعلق ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

”خواہ پیر پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں، مگر یہ سب حرام ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے“ (تفسیر عزیزی اردو ج ۲ ص ۳۸)

اور شاہ صاحب موصوف ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

اس واسطے جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلال کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہو گیا۔ اور اس میں وہ پلیدی پیدا ہو گئی اور نبیث اس کامدار کے نبیث سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا اور یہ جانور غیر کے نام پر مارا گیا۔ اور یہ عین شرک ہے۔ اور جبکہ یہ نبیث مؤثر ہوا تو ذکر نام خدا کا اس کو حلال نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ کتا اور سور کہ اگر نام خدا لے کر ذبح کئے حلال نہ ہوں گے“

”حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیا ذکر نادرست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب لغیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے“

(تفسیر عزیزی ج ۲ ص ۳۸) (تنقید متن ص ۱۳۱ تا ۱۳۲)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو متعل وجہیں بیان کی ہیں۔

(۱) تقرب غیر خدا۔

(۲) جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کی طرف منسوب کرنا۔ پہلے ہم تقرب پر گفتگو کرتے ہیں۔ گذارش یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ذبیحہ کے حرمت کی علت اس تقرب کو قرار دیا ہے جو تقرب شرک ہو چنانچہ فرمایا اور یہ عین شرک ہے۔ اور مطلق تقرب الی غیر شرک نہیں ہے۔ ورنہ تمام ذوی القربی اللہ کے شریک قرار پائیں گے کیونکہ ذوی القربی کو ذوی القربی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے قرابت کا تعلق ہوتا

ہے۔ اور انسان کو ان کا تقرب حاصل ہوتا ہے پس اگر مطلقاً تقرب وجہ شرک ہو۔ تو ذوی القربی اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پائیں گے اور یہ بدہتر باطل ہے۔ ورنہ لازم آنے لگا کہ وبالوالدین احساناً و ذوالقربی مال پاپ اور قرابت داروں سے حسن سلوک کرو اور قل لا اسئدکم علیہ اجدوا الا المودۃ فی القربی۔ آپ فرماتے کہ تم سے تبلیغ دین پر کہ ہجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے شرکاء سے احسان اور مودت کی تعلیم دی گئی ہو۔ پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ مطلقاً غیر کا تقرب حاصل کرنا شرک نہیں ہے بلکہ تقرب بطور عبادت شرک ہے۔

علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ وجہ کفر تقرب بطور عبادت ہے۔ چنانچہ جب صاحب درمختار نے مطلقاً تقرب کا ذکر کیا تو شامی نے اس کو بطور عبادت سے مقید کیا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

ای علی وجہ العبادۃ لاندہ الکفر یعنی تقرب بطور عبادت کیونکہ یہی وجہ کفر ہے

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۰۳)

علامہ شامی کی تصریح کے بعد بھی اگر سر فراز صاحب مطلق تقرب کے وجہ کفر و شرک ہونے پر اصرار کریں۔ تو لیجئے۔ ہم خود شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کئے دیتے ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

واما الذبح لغیر اللہ فالمراد بھا ان یذبحہ باسوغیر اللہ کمذبحہ للصنم او للصلیب او الموسی و عیسی علیہم السلام او الکعبۃ و نحو ذلک فکل ہذا احرام ولا تخل ہذہ الذبیحۃ سوا دکان الذابحہ
برکیت ذبح لغیر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ذبح کر نیوالا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے مثلاً کوئی شخص بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام یا کعبہ کے لئے ذبح کرے پس یہ سب حرام ہیں خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ یا عیسائی یا یہودی

مسلمانوں نے انبیاء و پیغمبروں کو دیا مکا ناص
علیہ السلام الشافعی و انفق علیہ اصحابنا
فان قصد مع ذلک تعظیم المذبح
لغیر اللہ والعبادة لما کان ذالک
کفرا فان کان الذابح مسلما قبل
ذلک صار بالذبح مرتدا
فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۲

دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے تصریح کر دی کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے
نام سے ذبح کر دے تو یہ شرک نہیں اور اگر اس کے ساتھ ہی فقط تعظیم غیر اللہ کا
اعتقاد ہو۔ پھر بھی شرک نہیں۔ شرک تب ہوگا۔ جب تعظیم کے ساتھ عبادت غیر اللہ کا
بھی قصد کرے۔ پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا مدار قصد عبادت غیر اللہ پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر میں تقرب سے مراد تقرب بطور عبادت
ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص نے تقرب بطور عبادت سے جانور کو غیر اللہ کے نام
پر مشہور کر دیا۔ وہ شخص اگر پہلے مسلمان بھی تھا تو اب اس قصد سے مرتد ہو گیا اور
مرتد کے ہاتھوں ذبح ہونے کی وجہ سے اس جانور میں خبث سرایت کر گیا اور یہ جانور
کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ خواہ وہ وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے۔ مگر
خوب یاد رکھئے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ چنانچہ
اسی جانور کو کوئی مسلمان شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کر دے تو یہ خالص حلال و طیب
ہے اور اس میں رتی برابر بھی شک نہیں ہے۔ دیکھئے مشرکین مکہ بعض جانوروں کو
بتوں کے لئے نامزد کر دیتے اور یہ نام زدگی مع قصد العبادت تھی۔ لیکن اس
کے باوجود جب مسلمانوں نے ان جانوروں کو ذبح کر دیا۔ تو ان کا کھانا حلال و طیب
ہو گیا اور کفار جو ان جانوروں کو کھانے سے گریز کرتے تھے۔ ان کی مذمت میں
قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ مالکون لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کے

تحت تفسیر البسود میں ہے

انکر لان یکون لہو شئی
یدعو الی الاجتناب عن اکل
ما ذکر علیہ اسم اللہ تعالیٰ
من البعائر و السواائب و نحوھا
نیربایہ الذین امنوا کلا من طیبات ما رزقنا کما کہ تحت
ملا جیون خفی فرماتے ہیں۔

وقد فسر بعضهم بالبحيرة و
السائبة والحامی یعنی کلا
البحيرة و اخواتھا۔
بعض مفسرین نے کہا کہ طیبات سے
مراد بحیرہ سائبہ وغیرہ یعنی بحیرہ
وغیرہ کھاؤ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں کو کفار بتوں کا تقرب بطور عبادت
حاصل کرنے کے لئے نامزد اور ان کے نام پر مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کتے
اور خنزیر کی طرح حرام نہیں تھے۔ بلکہ شرائط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جاتا تو حلال
تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حلال نہ سمجھنے پر کفار کی مذمت کی ہے۔ پس لامحالہ
تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ وہ جانور ہے جس
کو مرتد نے ذبح کر دیا ہو۔ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر بطور عبادت کے کسی شخص نے
مشہور کر دیا اور اس کو کوئی اور شخص جو مسلمان ہو وہ شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کر دے
تو بلا ریب یہ حلال و طیب ہے۔ اور اس کو حرام سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت
کے کفار سواائب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ غیر اللہ کے نام پر مع قصد العبادت مشہور
کرنا خبث ہے۔ اور یہ خبث عقیدہ کا خبث ہے۔ پس جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا۔ اس
کے اعتقاد میں خبث سرایت کر گیا۔ جانور میں اس خبث کے سرایت کرنے اور اس کے حرام
ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت کا
میعج محل ہی ہے کہ اس خبث عقیدہ والے شخص نے جب اس جانور کو ذبح کیا خواہ اللہ

کا نام لے کر ہی ذبح کیا ہو تو یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو گیا یہ مزید کا ذبح ہے۔
دوسری وجہ جو شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ
کے نام پر مشہور کیا ہو اور جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو جاتا ہے جس کے ذبح
سے مقصد غیر اللہ کو گوشت پہنچانا مقصود نہ ہو۔ بلکہ غیر اللہ کو جانور کی جان اور روح
پیش کرنی ہو اور یہ عمل کفر جاہلیت کے مشابہ ہے کیونکہ کفار بھی بطور عبادت بتوں
کو جانور کی روح بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ پس یہ عمل عبادت کفار کے تشبیہ کی وجہ
سے عین کفر و شرک ہے۔ سرفراز صاحب نے فتاویٰ عزیزی ص ۵۵ سے شاہ صاحب کی
وہ عبارت تو نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا۔ جو جانور غیر اللہ کے نام پر برائے تقرب
مشہور کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مصلحا انہوں نے جو مرتبہ
کی وجہ بیان کی اس کی دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف مبہم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو بھی
ذکر کر دیتے تو قصور و بندگان کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ
جانوروں کو حرام کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

لیجئے اب ہم آپ کے سامنے شاہ صاحب کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جو
قیچی کی نذر ہو گئی۔

وکنہ این مسئلہ آنست کہ جان را
برائے غیر جان آفرین تبار کردن درست
نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر
اموال را نیز اگر چه از راه تقرب بغیر اللہ
دادن حرام و شرک است اما ثواب آن چیزها
را کہ عائد بر دہندہ مے شود از الی غیر
ساقطن جائز است زیرا کہ ایشان را
مے رسد کہ ثواب عمل خود را بغیر بخشد
چنانچہ مے رسد کہ مال خود را بغیر خود بدہد و

اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان اور
روح کو غیر اللہ کے حضور میں پیش کرنا صحیح
نہیں ہے کھانے پینے کی چیزوں و دوسرے
اموال کو بھی اگر چہ تقرب بغیر اللہ (مح
قصد عبادت) دنیا حرام اور شرک ہے
لیکن ان چیزوں کے دینے کا ثواب غیر اللہ
کو پہنچایا جاسکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنا ثواب
دوسرے کو دے سکتا ہے اور جانور
کی جان اور روح کا آدمی مالک نہیں ہوتا

جان جانور مملوک آدمی نیست تا اورا
بکے توان بخشید و نیز دادن مال ازین بہت
متوجہ است کہ آدمیاں بوسے
منتفع مے شوند و چوں مردہ ہا بعد از
مفاہرت ازین جہاں قابل انتفاع بعین
مال نمادہ اند طریق نفع رسانیدن آنها در
شرع چنین قرار یافت کہ ثواب اموال را
بمستحقان برسانند یا نہا عائد سازند و
جان جانور اصلا قابل انتفاع نیست در
زندگی پس از مردگی نیز قابل انتفاع نہا شد
آرے الضحیہ از طرف مرہ کردن در حدیث
صحیح آمدہ است لیکن معینش ہمیں
است دادن جان برائے خدا و ثوابے
کہ دار و بآں مرہ بخشیدہ شود نہ آنکہ ذبح
برائے مردہ کردہ آید۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۵۶)

شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ کی اس طویل عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء
اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کئے جاتے ہیں وہ حلال اور
طیب ہیں۔ اور کتے اور خنزیر کی طرح وہ جانور حرام ہیں جن کی جان اور روح غیر
اللہ کو پیش کی گئی ہو۔ اور یہ ہمارے موضوع سے قطعاً خارج ہے لیکن سرفراز صاحب
کی خیانت پر داد دینی پڑتی ہے کہ انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لئے اپنے
حکی دادا کے کفن پر بھی قیچی چلا دی۔
سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

حتیٰ کہ وہ جان کسی کو پیش کر دے نیز
مال دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے
نفع حاصل کریں۔ اور اموات جب مال
سے نفع حاصل نہیں کر سکتے تو اس مال کا
ثواب پہنچانے کا طریقہ شریعت نے
مقرر کیا۔ تاکہ وہ اس سے نفع حاصل
کریں اور جانور کی جان اور روح دینے
سے کسی کو حیب زندگی میں بھی کوئی فائدہ
حاصل نہیں ہوتا۔ تو مرنے کے بعد اگر کسی
کو جانور کی جان دی جائے تو اس سے کیا
فائدہ حاصل ہوگا۔ البتہ اموات کی طرف
سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے
لیکن اسکا مطلب یہی ہے کہ جان اور روح
اللہ تعالیٰ کیلئے دی جائے اور اس عمل کا ثواب
اموات کو پہنچایا جائے نہ یہ کہ جان اور روح
کی بھینٹ پیش کی جائے۔

الغرض ما اهل لخبیر اللہ ہے اور نذر الگ چیز ہے۔ اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصال ثواب ایک متصل شئی ہے۔ اور اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔

(تنقید متین ص ۱۵۱)

اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ نذر اور ایصال ثواب ایک چیز ہیں۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے نذر ماننا ایصال ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ عبد العزیز صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے۔ کم علم اور کوتاہ فہم تو وہ شخص ہے جس کو اتحاد اور استلزام کے فرق کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اور جو اپنے معنوی آباد کی تحقیقات پر بھی نظر نہیں رکھتا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

ونذر اولیاء کہ برائے تفاسیر معمول
ومرسوم است اکثر فقہاء بحقیقت آں
پے نذرہ اندانہ نذر ہائے خدا قیاس
کردہ حکم مردود بر آوردہ اند کہ اگر نذر
بالاستقلال برائے آں فی الاست باطل
واگر برائے خدا است و ذکر ولی برائے
بیان مصرف است صحیح است لیکن حقیقت
این نذر آنست کہ اہداء ثواب اطعام
وانفاق و بذل مال بروح میرت کہ
امر لیت مسنون از روی احادیث صحیحہ
ثابت است مثل ماوردی الصبیحین من
حال ام سعد وغیرہ بدریں نظر مستلزم ہے
شود پس حاصل این نذر آنست کہ آں
نسبب مثلاً اہداء ثواب ہذا القدر الی

روح فلاں و ذکر ولی برائے تعیین عمل
منذ و راست نہ برائے مصرف و مصرف
این نذر نزد ایشان متوسلان آں ولی
میباشد از اقارب و خدرو ہم طریقان
وامثال ذالک و ہمین است مقصود نذر
کنندگان بلاشبہ و حکم انہ صحیح یحب
الوفاء بہ لائے قربرت معتبرہ فی الشرع
آے اگر آں ولی را حلال مشکلات
بالاستقلال یا شفیع غالب اعتقاد
سے کنند این عقیدہ او منجر بشرک
و فساد سے گرد و لیکن این عقیدہ چیز
دیگر است و نذر چیز دیگر۔

(فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۲۲)

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ عبد العزیز صاحب کے نزدیک اولیاء اللہ کے لئے نذر ماننا ایصال ثواب کو مستلزم ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصال ثواب کے لئے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ صدقہ و خیرات عبادت مقصودہ ہیں اور نذر اس عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے جس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ شرع سے ثابت ہے اور نذر لاولیاء کا یہ مطلب ہے کہ ثواب نذر اولیاء اللہ کے لئے ہے اور بحمد اللہ یہ امر آفات سے زیادہ روشن ہو گیا۔ کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لئے جو نامزد کئے جاتے ہیں۔ وہ حلال اور طیب ہیں۔ البتہ اگر نذر مانتے والا اولیاء کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا اور کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار پائے گا۔

تنبیحات | فتاویٰ عزیزی سے جو ہم نے شاہ صاحب کی عبارات پیش کی ہیں۔

ان کی روشنی میں اولیاء کے نام پر مشہور جانوروں کی جو حرمت شاہ صاحب سے منقول ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں۔

(۱) نذر ماننے والا اولیاء اللہ کی تعظیم منہ قصد العبادت سے جانور کو ذبح کرے۔

(۲) جانور کی جان اور روح اولیاء کی بھینٹ کرنے کے لئے جانور کو ذبح کرے۔

(۳) ناذر اولیاء کے مستقل بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر ذبح کرے۔

اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے نذر مانے ہوئے جانوروں کے ساتھ ناذرین کا قصد ان تینوں میں سے کسی ایک طرح بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ محض ایصالِ ثواب کے لئے جانوروں کو اولیاء اللہ کے لئے نامزد اور مشہور کیا جاتا ہے اور اس کے حلال اور طیب ہونے کی خود شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ بار بار تصریح کر دی ہے۔

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے تنقید تین ص ۱۴۱ تا ۱۴۲ پر نذر کی بحث میں بحر الرائق۔ شامی۔ عالمگیری سے فقہاء کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ اور بزعم خویش نذر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں گذارش ہے کہ یہ عبارتیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ آپ نے کجروی اور مخالطہ آفرینی کے لئے انہیں اس مقام پر نقل کیا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اولیاء اللہ کے لئے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے اور بحر الرائق۔ شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا ذکر ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی۔ اب ہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کو ذکر کر کے جواب دیتے ہیں۔

(۱) النذر للمخلوق لا یجوز مخلوق کی نذر جائز نہیں۔

الجواب۔ نذر مخلوق کی نہیں۔ اللہ کی ہوتی ہے۔

(۲) المنذر ذلما میت والمیت من ذلہ میت ہے اور میت کی

لا یملک ملکیت ثابت نہیں۔

جواب۔ طعام۔ مال یا جانور کا مالک میت کو نہیں بنایا جاتا بلکہ ان چیزوں کو جتھہ کیا جاتا ہے۔ اور مالک اس کو بنایا جاتا ہے۔ جس پر صدقہ کیا گیا ہو اور وہ مردہ نہیں

زندہ ہے۔ اموات کو اس صدقہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

(۳) خلق ان المیت متصرف فی الامور یہ گمان کرنا کہ میت تمام امور میں اللہ کی

دون اللہ فاعتقاد بذلک مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے۔ پس اس

کفر ہے۔ کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

جواب۔ جس کا کہ یہ اعتقاد ہو وہ بے شک کافر ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سرفراز صاحب نے کجروی سے ایک متفق علیہ مسئلہ کو اختلافی بنانے کی سعی مذموم

کی ہے۔ اوپر جو تین وجہیں نقل کی ہیں ان کو شامی اور بحر الرائق نے ذکر کیا ہے عالمگیری

میں حرمت کی وجہ نذر بغیر اللہ بیان کی ہے۔ اس کا جواب آچکا ہے کہ اس نذر معارف

سے مقصود یہ ہے کہ نذر اللہ کی ہے اور اس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے

باقی عالمگیری نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ نذر اس وقت جائز ہوگی۔ جبکہ نذر اللہ کی ہو

اور شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لئے ہو (النذر للہ وذکر الشیخ انما هو محل

لصرف النذر)

اولاً۔ تو یہ نہیں مضر نہیں کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نذر اللہ ہی کی ہوتی ہے۔

ثانیاً۔ یہ کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب نے "فتاویٰ عزیزی"

میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس نذر کا مقصد اولیاء اللہ کو نذر کا

ثواب پہنچانا ہے اور وہ شرعاً ثابت ہے۔

سرفراز صاحب نے اس پر کافی زور دیا ہے کہ اہل کو

وقت ذبح کی قید

ذبح پر مجبور کرنے یا وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے

کی گنجائش نہیں ہے۔ اب ہم سرفراز صاحب کی توجہ کے لئے کتب تفاسیر سے چند

حوالے تفویض رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ آلوسی وما اہل لخبیر اللہ جہا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای دفع الصوت لخبیر اللہ تعالیٰ یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کے لئے آواز

عنه ذبحہ والمراد بالالہلال بلند کرنا اور ہلال سے مراد یہاں اس کا ذکر

هنا ذكر ما يذبح له كالات
والعزى (روح المعاني ج ۶ ص ۵۲)
کرنا ہے جس کے لئے جانور ذبح کیا جائے
مثلاً لات - عزی وغیرہ۔

علامہ ابوسعود اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وما اهل به لخير الله اى رفع
به الصوت عند ذبحه للصنم
تفسيره ايضا وى میں ہے۔

ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ
للصنم۔

جلالین میں ہے۔

ای ذبح علی اسم غیرہ۔

جمل میں ہے

وما صح في ذبحه لخير الله۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

وما اهل به لخير الله محناه

ذبح به لاسم غير الله۔

روح البیان میں ہے۔

ما رفع به الصوت عند ذبح

للصنم۔

ملا رک میں ہے۔

ای ذبح للاصنام

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ و ما اهل لخير الله بہ کے

تحت فرماتے ہیں۔

یعنی بنام خدا ذبح کردہ نشہ باشد

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۹)

امام ابو بکر الحنفی المتوفی ۲۵۰ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ولا خلاصه بین المسلمین ان المراد

بما الذبیحہ اذا اهل بها لخير

الله عند الذبح۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۴۵۱) کا نام پکارا جائے۔

سرفراز صاحب کے لئے عبرت کا مقام ہے جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ

ذبح کی قید بعض مفسرین نے لگائی ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر احکام القرآن کا یہ حوالہ

پڑھیں اور سوچیں کہ ابو بکر رازی تو فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قید کے بارے

میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر سرفراز صاحب نے اس قید سے اختلاف کر

کے اپنے آپ کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے۔ یہ وہ خود سوچیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صدر الافاضل کا و ما

اهل به لخير الله کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا جمہور مفسرین کی اتباع

میں ہے۔ اور جو تبر صدر الافاضل کی تفسیر پر سرفراز صاحب نے کہا ہے اس کا منہ

حقیقت میں ان تمام اکابر مفسرین کی طرف رایت ہے۔

سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ

صدر الافاضل کے کلام میں سرفراز

صاحب نے دوسری تحریف ان

الفاظ سے کی ہے۔ کہ:-

اگر و ما اهل لخير الله بہ سے صرف بت مراد ہوں جیسا کہ دیگر

اہل بدعت عموماً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں۔

(تنقیدتین ص ۱۳۴)

دروغگوئی اور خیانت کی یہ بدترین مثال ہے۔ جو سرفراز صاحب نے صفحات

تنقیدتین پر سیاہ کی ہے جس عبارت میں صدر الافاضل نے بتوں کا تذکرہ کیا ہے

ہم اسے بھی نذر رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ صدر الافاضل نے فرمایا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔

اس عبارت کے علاوہ پوری بحث میں کہیں بتوں کا تذکرہ نہیں ہے اگر سرفراز صاحب میں ہمت ہے تو وہ ہمیں عبارت میں وہ الفاظ دکھائیں کہ وہ وما اهل لغیر اللہ سے مراد صرف بت ہیں۔ اگر سرفراز صاحب کے دل میں صداقت اور ایمان کا کوئی ذرہ بھی موجود ہوتا تو کبھی یہ افتراء نہ کرتے کہ صدر الافاضل نے غیر اللہ کا بتوں میں صحر کو دیا ہے علم نحو اور علم معانی سے اگر آپ کو کوئی مس ہے تو کوئی کلمہ صحر یا کوئی طریقہ صحر پیش کیجئے۔ جس سے صدر الافاضل کے کلام میں بتوں کے لئے انحصار ثابت ہو۔ ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح آپ ایمان سے محروم ہیں۔ اسی طرح غضب الہی نے آپ کی لوح دل سے علم کے ایک ایک ذرہ کو محو کر دیا ہے۔ آپ نے صداقت و دیانت سے بالا ہو کر اور اپنی روایتی دروغ گوئی اور تحریف سے کام لے کر جس طرح یہ عبارت گھڑی ہے۔ اس پر ہم آپ کے بہر حال شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنی تحریف کو صفحہ کتاب پر لا کر اہل نظر کو دعوت دی ہے۔ کہ وہ سوچیں کہ جس مذہب کے سرکردہ نمائندہ کی امانت و دیانت اور عصمت قلم کا یہ حال ہے اس آبرو باختہ مسلک کی تعلیمات کا کیا عالم ہوگا۔

سرفراز صاحب نے تنقید متین میں قدم قدم پر تحریف و خیانت کا جال بچھا کر اس حقیقت کو واضح سے واضح تر کر دیا ہے۔ کہ جس ملت کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں۔ اس کی اساس ہی افتراء اور تلبیس پر رکھی گئی ہے۔ اور سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ مغیر نے جو صنم وغیرہ کی قید لگائی ہے۔ وہ اتفاقی ہے۔ تو صاحب صدر الافاضل نے کب کہا ہے کہ یہ قید احترازی ہے۔ بیا آپ کے لئے بھی کسی قادیان کی وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے جو آپ انہونی حقیقتیں منکشف کرتے رہتے ہیں۔

لغیر اللہ اور غیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا تبسیر شبہ
بے بائگی کا راز افاش کرتے

ہوتے اس بحث میں ایک شبہ پیش کیا ہے۔

قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں۔ اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے۔ کہ لغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو اور اس کے لئے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو۔ اگر قرآن کریم میں الفاظ بغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سنی جاسکتی تھی کہ بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے (تنقید متین ص ۱۳۹)

کاش سرفراز صاحب کو ایک مبتدی طالب علم جتنا بھی علم اور سلیقہ ہوتا۔ تو وہ جان لیتے کہ ما اهل لغیر اللہ کا معنی ہے جس کو غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ اور اس غیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو اور ما اهل بغیر اللہ کا معنی ہے جس کو غیر اللہ کے ساتھ نامزد کیا گیا ہو۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ دوسرے معنی میں تقييد ذبح کا کونسا داعیہ ہے اور پہلے معنی میں کونسا مانع ہے۔

دروغ گوراحافظہ نباشد ص ۱۳۰ پر تو آپ نے کہا تھا۔ ہاں بعض مفسرین نے عام رواج کے پیش نظر ذبح کے وقت غیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کی ہے۔

دیکھا آپ نے ص ۱۳۰ پر سرفراز نے قید ذبح کو مشہور قرار دیا اور نو صفحہ بعد ایسی قلابازی کھائی کہ مشہور عند المفسرین کو غیر مسموع بنا ڈالا گیا اب سوچنے والے یہ نہیں سوچیں گے۔

کہ جو بات علماء مفسرین کے درمیان مشہور ہو وہ کس طبقہ میں غیر مشہور ہو سکتی ہے؟ ہم نے گذشتہ سطور میں ذبح کی قید کو متعدد واجدہ تقاسیر سے بدیہ رقم کیا تھا ان کے علاوہ دوسری تقاسیر میں بھی یہ تقييد موجود ہے۔ پس اس قید کو غیر مسموع قرار دے کر اور جماعت مفسرین سے کنارہ کش ہو کر سرفراز صاحب نے جس طبقہ میں اپنی جگہ بنائی ہے۔ امید ہے کہ یہ امر ارباب ذوق سے مخفی نہ ہوگا۔

سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ | صدر الافاضل رحمہ اللہ کی عبارت پر مصنف

تنقید نے جو متعا اعتراض اس طرح کیا ہے کہ:

رابعاً۔ جانور ہو یا کوئی اور شئی جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت ہوگی تو وہ حرام ہے۔ (تنقید مثنیٰ ص)

یہ کلام بھی حسب سابق تحریف اور دروغ گوئی کی اپنی آپ مثال ہے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اس بحث میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بزرگوں کے نام پر اس اعتقاد سے جانور دیا جائے کہ جلب منفعت (نفع حاصل کرنا) اور دفع مضرت (نقصان دور کرنا) ہو۔ البتہ ایصال ثواب کے لئے جانوروں کو نامزد کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

”یا وہ جانور جس سے اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانا منظور ہو۔ ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے۔ مگر ذبح ان کا فقط اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال اور طیب ہیں۔“

فریق مخالف کے قطب عالم رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں کہ:

”اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب توجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کچھ حرج نہیں۔ تعظیم پر ذبح سے حرام ہوتا ہے۔“ (بحوالہ تنقید مثنیٰ ص ۱۳۳)

اور اسی ٹولے کے حکیم الامت لکھتے ہیں۔

”بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے اس کا جواب اس کے منہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بناء پر حلت کا حکم فرمایا ہے۔“ (بحوالہ تنقید مثنیٰ ص ۱۴۵)

دیکھئے اہل مقبص کے دو بخادر می مولویوں کے کلام سے بالمتصریح یہ امر ثابت ہو گیا کہ جانور کو ایصال ثواب کی خاطر اولیاء اللہ کے لئے نامزد کیا جائے تو یہ حلال

اور طیب ہیں۔ اور یہی بات حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔ پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بددیانتی ہے۔ کہ آپ کے احبار و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ حق ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں۔ تو باطل۔ باقی رہا اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے نذر ماننا تو ہم اس بارے میں اپنا مسلک کئی بار واضح کر چکے ہیں کہ تقرب بطور عبادت شرک ہے۔ اور ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں۔ صدر الافاضل نے اپنی اس تفسیر میں بھی ایصال ثواب کا ذکر کیا ہے۔ پس اس صورت میں اس طرح نذر ماننا کہ۔

”اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر ماننا ہوں کہ میں فلاں جانور تیرا قرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کروں گا۔“

اور پھر وہ اس نذر کا ثواب کسی شخص یا بزرگ کو پہنچائے۔ تو اس کے جواز میں کسی کلام نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ اپنے والد کے حالات میں ذکر فرماتے ہیں۔

در قصبہ ٹھانسنہ بنیارت مخدوم
اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت
تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت
کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چچہ کھا کر جانا
پھر حضرت بیچ گئے یہاں تک کہ آدمیوں کا
نشان منقطع ہو گیا۔ ساتھی اکتا گئے اس وقت
ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شرابی
کا طبق لئے ہوئے آئی۔ اور کہا کہ میں نے نذر
مانی تھی کہ جو وقت میرا خاوند آئے گا مخدوم
اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچاؤں
گی وہ اسی وقت آیا۔ میں نے اپنی
نذر پوری کی۔

در قصبہ ٹھانسنہ بنیارت مخدوم
اللہ دیا رفتہ بوندہ شب ہنگام بود
در آل محل فرمودند۔ مخدوم ضیافت
مایکند چیزے خوردہ روید تو قف
کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد
و ملال بر باران غالب آمد آنگاہ زنی
بیاید طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت
نذر کردہ بودم کہ اگر ززوج من بیاید
ہماں ساعت ایں طعام پختہ با
نیشندگان در گاہ مخدوم اللہ دیا
رسانم دیں وقت ملایفائے نذر کردم
(انفاس الحاقین ص ۴۴)

اللہ اکبر! کیسا عبرتناک منظر ہے کہ اہل سنت پر نذر و نیاز کی آڑ میں شکم پروری کا الزام رکھنے والوں کے مزعوم اکابر نذر و نیاز کے چاول اور شیرینی کے منتظر ہیں بیٹھے ہیں اب سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ نذر جلب منفعت اور دفع ضرر کے اعتقاد پر مبنی نہ تھی، ہم نے باقاعدہ ثبوت ہم پہنچا کر ثابت کر دیا ہے کہ آپ کے فتویٰ کے نزدیک براہ راست آپ کے اکابر آرہے ہیں۔ ہمیں تو خیر سے آپ ہمیشہ ہی کہتے رہتے ہیں۔ اب اپنی خبر لیجئے۔ یا عقیدہ بدلئے، یا شجرہ نسب بدلئے ورنہ حرام خوردوں کی مصنوعی اولاد بنیئے۔ جو آسان معلوم ہو سکے۔ ہاتھ کو ڈالئے، ہم تو آپ کی ہدایت میں خوش ہیں۔ اور ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو ہدایت عطا فرمائے۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کی عبارت پر

سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ | سرفراز صاحب کی پانچویں تحریف ملاحظہ فرمائیں۔

خامسا۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو لکھا ہے کہ کیونکہ ما اہل بی کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو ما ذکیتہم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ والا ما ذکیتہم سے حلال ہوگا۔ یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے اس لئے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق ہیں۔ بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے۔ مثلاً وما اکل السبع وغیرہ اگر سب کے ساتھ ملحق ہے۔ تو ان میں میت اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود ابواب دون ذبح کے مر چکا ہو۔ وہ حرام ہے مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو۔ وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں جس چیز کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائے گا (معاذ اللہ) جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر ذبح کرنے سے کیونکہ حلال ہو سکتا ہے اور خنزیر کی طرح ذبح کرنے سے

حلال ہو سکتا ہے۔ (تفہیم ص ۱۴۸)

سرفراز صاحب نے یہ جاہلانہ اعتراض کہ صدر الافاضل کی طرف جو گند اچھا لاپے۔ اس نے ان کی عاقبت کو اس طرح ناپاک اور نجس بنا دیا ہے کہ وہ ذلت کی نکاہوں میں بھی رسوا ہو گئے ہیں۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ نے نہ تو بالخصوص مردار اور خنزیر کو استثناء لاحق کیا اور نہ بالعموم یہ فرمایا کہ تمام مذکورہ اشیاء کو استثناء لاحق ہوگا حتیٰ کہ میت اور خنزیر کو بھی لاحق استثناء لازم آئے پس سرفراز صاحب نے جہالت عناد اور دروغ گوئی کے پیش نظر جو صدر الافاضل کی عبارت پر یہ رد کیا ہے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء سے ملحق نہیں۔ یہ اس وقت وارد ہوتا۔ جب صدر الافاضل سب اشیاء کے ساتھ لاحق استثناء کا دعویٰ کیا ہوتا۔ اور بعض یعنی وما اہل جہ امور کے ساتھ استثناء کا لاحق کل کے ساتھ لاحق کو مستلزم ہے۔ تو پھر یہ الزام مشترک ہے۔ کیونکہ بعض امور (وما اکل السبع) کے ساتھ لاحق استثناء تو آپ بھی مانتے ہیں۔ ممکن ہے۔ سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو جو مخنقہ سے لے کر وما اکل السبع تک پانچ چیزوں کو استثناء لاحق کرتے ہیں اور جنہوں نے تصریح کی ہے۔ دم۔ میت۔ خنزیر اور وما اہل لغير الله جہ کو استثناء لاحق نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ وما اہل لغير الله جہ کو جن مفسرین نے استثناء لاحق نہیں کیا۔ وہ ما اھل کو ما ذبح پر محمول کرتے ہیں۔ پس الاما ذکیتہم لاحق کرنے کا مفاد جب ما اہل سے حاصل ہو گیا۔ تو اب الاما ذکیتہم کا لاحق کرنا محض تحصیل حاصل ہے اور یہ بات اس مفہوم میں صریح ہے کہ اگر ما اھل کو ذبح پر محمول نہ کیا جائے تو اب اس کو الاما ذکیتہم کا لاحق صحیح ہوگا۔ کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے عالمگیر رحمہ اللہ کے استاد گرامی ملا جیون رحمہ اللہ کی تفسیرات احمدیہ سے وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے وما اہل جہ

کو الاماذ کیتم کے لائق نہ ہونے کی علت اہل کا یعنی ذبح ہونا قرار دیا ہے۔
ملاحظہ فرمائیے۔

ولا يجوز ان يكون استثناءهما
تقدّمهما ايضا يعني من الميتة و
الدم ولحم الخنزير وما اهل لغير
الله به كما نص به في المزاہدی
لان هذه الاشياء حرام لذاتها
لولا يحققها الحل في حال من الاحوال
يبدل عليه ذكر هامدرا في القرآن
بدون الاستثناء لاهما صانرا
يتصور فيها الذكوة لان الميتة
هي التي ماتت بلا ذبح والدم
ظاهرا والخنزير لما كان لحمه حراما
مطلقا لولا يحتاج الى الاستثناء
ومعنى ما اهل ما ذبح فكيف
يتصور فيها الذكوة ثانيا۔

اور ما تقدم سے استثناء کرنا جائز نہیں یعنی
مردار خون لحم خنزیر اور ما اهل
لغير الله بہ سے جس طرح اس پر علامہ
زاہدی نے تصریح کی ہے۔ کیونکہ یہ
اشیاء لذاتہا حرام ہیں جنہیں کسی حال میں
حلت لائق نہیں ہوتی اور قرآن میں ان کا
ذکر متعدد بار بغیر استثناء کے کیا گیا ہے
اور یہ اس پر کافی دلیل ہے نیز ان امور
میں ذبح کا معنی غیر متصور ہے کیونکہ مردار
توبلا ذبح مرگیا اور خون کا مذبح نہ ہونا
بالکل ظاہر ہے اور خنزیر مطلقا حرام ہے۔
پس اسے مذبح ہونے کیلئے الاماذ کیتم کے
استثناء کی حاجت نہیں اور ما اہل کا معنی ما ذبح
ہے پس اسے ما نکیتم لائق کہے دوبلا ذبح کرنا کس
طرح متصور ہو سکتا ہے۔

منصف مزاج آدمی کے لئے ملا جیون رحمہ اللہ کے اس کلام میں ہدایت کا
وافر مواد موجود ہے۔ البتہ خواہ مخواہ کی صدا اور عناد کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے
اور اگر سرفراز صاحب کو اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو لیجئے اب تفسیر روح المعانی
سے علامہ آلوسی کی صریح نص پیش کرتے ہیں۔ کہ یہاں استثناء وما اهل لغير
الله بہ کی طرف راجع ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔
وعن علی کرم الله تعالى وجهہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس

وابن عباس راضی اللہ تعالیٰ
عنہما ان الاستثناء راجع الى جميع
ما تقدم ذكره من المحرمات سوى
ما لا يقبل الذكاة من الميتة
والدم ولحم الخنزير وما
اكل السبع علی تقدیر ابقائہ علی
طاهرہ۔

رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں
استثناء تمام محرمات کی طرف راجع ہے
سوا ان چیزوں کے جو ذکاة کو قبول نہیں
کرتیں اور وہ یہ ہیں مردار لحم خنزیر خون
اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو۔
اور اس کے کھانے کے بعد جانور زندہ
نہ بچا ہو۔

اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت علی
اور ابن عباس کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان میں چارہ کی طرف استثناء راجع
نہیں ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) لحم خنزیر اور (۴) درندے کا کھایا ہوا۔ اور
جن پانچ چیزوں کی طرف حضرت علی اور ابن عباس نے استثناء راجع کیا ہے۔
وہ یہ ہیں (۱) ما اهل لغير الله بہ (۲) متخففة (۳) مؤفوفة (۴) متروية (۵)
نطيحة۔ اس حوالے سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ صدر الافاضل کی طرح
صاحب روح المعانی حضرت علی اور حضرت ابن عباس نے بھی دما اهل لغير
الله بہ کو الاماذ کیتم کا استثناء لائق کیا ہے اور اس لحوق پر سرفراز صاحب اس
طرح برہم ہوئے ہیں۔

”یہ ہے فرق مخالف کے مفسر کی قرآن دانی حقیقت یہ ہے کہ جب

انسان خوفِ خدا سے بے نیاز ہو جائے اور بدعات کا شیدائی بن
جائے اور من مانی کا رویوں پر اتر آئے۔ تو دینی معاملات میں قدم قدم پر
ٹھوکر کھائے گا اور دنیا و آخرت میں عند اللہ اور عند الناس رسوا ہوگا۔“

(تنقید متین ص ۱۴۹)

اب آپ ہی سوچیے کہ ٹھوکروں پر ٹھوکر ماری کون کھایا ہے۔ اور دنیا و آخرت
کی رسوائی کس کا حصہ اور مقدر ہے۔ بحمد اللہ ہم نے صدر الافاضل کے کلام سے

وہ غبار دور کر دیا ہے۔ جو سرفراز صاحب کی مجرمانہ جبارت اور سچی کاذب کا حاصل تھا۔ حلقہ لعنت میں گرفتار گھڑوی کے دامن میں سوائے کذب و افتراء کے اور ہے بھی کیا۔ جس سے وہ اہل حق کے سامنے آسکیں۔

سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ | سرفراز صاحب کی چھٹی جہاد ملاحظہ ہو۔

ایصال ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے، لیکن آخر میں جن جن کو بزرگوں کو ہی کیوں اس کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے اپنے مال باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں۔ ان کو یہ کیوں اس نہیں آتا۔ (تنقید متین ص ۱۴۹)

سرفراز صاحب کو خواہ مخواہ بزرگوں سے عداوت ہے۔ ورنہ رشتہ داروں اور بزرگوں اور وارثوں کو بھی ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ یہ لغو اعتراض سرفراز صاحب اس کتاب میں متعدد بار کر چکے ہیں۔ اور اس کے جواب میں مکمل تفصیل ہم نے دے دی ہے۔

سرفراز صاحب مار کھانے کے شوق میں بار بار پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اب کی مار کی گردان سے اپنے آپ کو طفل تسلیاں دینا چاہتے ہیں۔

عید میلاد النبی

صدر الافاضل رحمہ اللہ ایوم اکملت لکم دینکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

شان نزول بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک یہودی آیا۔ اور اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ کی کتاب میں ایک آیت ہے اور وہ ہم پر نازل ہوئی ہوئی تو ہم روز نزول کو عید مناتے فرمایا کوئی آیت ہے اس نے یہی آیت والیوم اکملت لکم دینکم پڑھی آپ نے فرمایا میں اس دن کو جانتا جس میں یہ نازل ہوئی تھی۔ اور اس کے مقام نزول کو بھی پہچانتا ہوں۔ وہ مقام عرفات کا تھا اور دن جمعہ کا۔ آپ کی مراد اس سے یہ تھی کہ ہمارا وہ دن عید ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے بھی ایک یہودی نے ایسا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس روز یہ نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں جمعہ۔ عرفہ۔

مسئلہ:- اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا جائز اور صحابہ سے ثابت ہے ورنہ حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما صاف فرماتے کہ جس دن کو کوئی خوشی کا واقعہ ہو۔ اس کی یادگار قائم کرنا۔ اور اسی کی خوشی سے عید منانا ہم بدعت جانتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عید میلاد منانا جائز ہے کیونکہ وہ اعظم نعم الہی کی یادگار و شکر گزاری ہے اور ص ۱۸۴ میں فرمایا کہ یعنی ہم اس کے نزول کے دن کو عید منائیں۔ اس کی تعظیم کریں۔ خوشیاں منائیں تیری عبادت کریں۔ شکر بجالائیں۔

مسئلہ:- اس سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو۔ اس

دن کو عید منانا اور خوشیاں منانا عبادتیں کرنا۔ شکر الہی بجالانا طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین نعمت ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ پر دن عید منانا اور میلاد شریف پر ہر گھر شکر الہی بجالانا اور اظہار فرح اور سرور کرنا مستحسن و محمود ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ کے اس ایمان افروز عبارت پر سرفراز صاحب نے اس طرح تنقید کی ہے۔

سوال صرف یہ ہے کہ اہل بدعت جس طرح دینی رنگ اور مذہبی چہرے دے کر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے اسراف سے جشن میلاد مناتے ہیں جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں۔ اور عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماعات کراتے۔ اور جس کے لئے وہ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں۔ اور ان کو دین اور کارِ ثواب ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ یہ کاروائی کس صحابی سے منقول ہے؟ حضرت عمرؓ سے مروی ہے یا ابن عباس سے یا کسی دیگر صحابی سے یا معاذ اللہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت نہ تھی آخر کیا وجہ ہے کہ وہ تو یہ کاروائی نہ کریں۔ اور آج یہ مختزع کاروائی دیکھتے دیکھتے دین کا ثواب اور اہلسنت والجماعت کا شعار قرار پائے۔ صحیح اور صریح حوالہ سے اس کا ثبوت درکار ہے اور انشاء اللہ قیامت اہل بدعت کی پوری جماعت اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔ (تنقید متین ص ۱۵۳)

سرفراز صاحب نے جس عیاری سے کام لے کر یہ تنقید کی ہے۔ اس کا تبلیس میں بہر حال کوئی جواب نہیں۔ صدر الافاضل نے اپنی تفسیر میں نہ تو لاکھوں روپیہ کے اسراف کو مستحسن قرار دیا ہے اور نہ مردوں کے اختلاط

کو ہمارے نزدیک اسراف اور مرد و زن کا اختلاط دونوں ہی مذموم ہیں۔ اور جلوس کی بعض بے اعتدالیوں اور غیر شرعی امور پر علماء اہلسنت کے اعلانات اور بانیان جلوس کے اشتہارات میں خصوصی نوٹ۔ ان غیر شرعی امور سے اجتناب اور پرہیز کی تلقین کے سلسلہ میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ صدر الافاضل نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ثابت ہے اور جو آپ نے تشریف کی ہے نہ اس کا اہلسنت یا صدر الافاضل نے دعویٰ کیا ہے نہ اس کی ہم کو ضرورت ہے بلکہ ان خرافات کی تردید میں ہمیشہ علماء اہلسنت زبان و قلم سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔

رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی پیدائش پر خوشی منانا کیا اسراف ہے؟ ابولہب نے نسبی رشتہ سے حضور کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا اور توہم سے کو آزاد کر دیا۔ اور یہی عمل اس کے لئے تخفیف عذاب کا موجب ہوا۔ اور اگر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ایسا ہی دکھ ہے کہ آپ یوم ولادت پر تمام ملک میں مانمی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو بے ادبی معاف۔ ہمیں کہنے دیجئے کہ آپ کی یہ ذہنیت ابولہب سے کہیں بدتر ہے۔ اور عید میلاد کی روشنی سے اگر آپ کی آنکھیں دکھتی ہیں تو آپ دوزخ کی آگ سے اپنی آنکھیں چھٹی کیجئے گا ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ آپ اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسوں میں روشنی اور جھنڈیوں کا انتظام کرتے ہیں۔ غیر ملکی مہانوں کی آمد اور چودہ اگست اور تیس مارچ کو پورے ملک میں چراغاں ہوتا ہے اور جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ ان مواقع پر آپ کیوں اپنے ہونٹ سی کہ مد اہنت بلکہ منافقت اختیار کرتے ہیں یا شرک و بدعت کے فتوے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی کے ساتھ مختص ہیں۔ مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت مل کر ہی اس گھٹی کو سلجھا دے لے حیرت ہے کہ ۱۹۷۶ء میں حرمین سے جب نجدی امام آئے تو دیوبندی اور وہابی حضرات کی قیادت میں پورے ملک اندر زبردست اسراف کیے۔ دیشیوں جھنڈیوں اور بے شمار خرافات کا اہتمام کیا گیا۔

کہ چراغاں اور جھنڈیوں کا یہ اسراف غیر ملکی مہمانوں اور نجدی اماموں کی آمد قومی منوں پر ان کے مذہبی تبلیغی جلسوں اور اپنے مولویوں کے استقبال میں کس طرح جائز ہے اور رسول اللہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کے لئے یہی امور بدعت کیسے ہو جاتے ہیں۔ کیا ان دنیاوی امور اور آپ کے مولویوں کا مرتبہ رسول اللہ سے زیادہ ہے۔

دینی اور دنیاوی امور کا فرق راہ سنت میں سرفراز صاحب نے اس کے جواب میں ایک عذر لنگ پیش کیا ہے کہ بدعت صرف امور دینیہ کے ساتھ مختص ہے گویا کہ ان کے ہاں جلسوں میں علماء جو وعظ کرتے ہیں۔ وہ سب بے دینی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو خود ہی اپنے مقام کا احساس ہو گیا ہم اگر کچھ عرض کرتے تو آپ براماتے لیکن غیر ملکی مہمانوں کی آمد اور قومی ایام کو جو آپ نے امور دینیہ سے خارج کر دیا اس سے ہم کو اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ خالص عیسائی نظریہ ہے جس نے کلیسا اور قصر سیاست کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ ہمارے ہاں سیاست بھی دین ہے اور عبادت بھی حکومت اور شریعت کی اس اسرائیلی تقسیم کو آپ مسلمانوں پر پیش کر کے اپنے سابقہ آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔

اور اگر امور دینیہ سے ذکر اذکار اور خالص عبادات مثلاً نماز، زورہ راد ہیں، تو ظاہر ہے کوئی مسلمان بھی عید میلاد پر اظہار خوشی کو اس قسم سے نہیں سمجھتا۔ پس اس کا بدعت اور حرام ہونا کس طرح لازم آئے گا۔ بدعت سیئہ کا لفظ رٹنے کے لئے سرفراز صاحب نے سیکھ لیا ہے، اور اس کا معنی سمجھنے کی انہیں آج تک توفیق نہ ہوئی، سادہ لوح عوام اور جاہل مریدوں کے ایمان کو دونوں ہاتھوں سے نوٹنے کے لئے ہر کار خیر کو بدعت کہنا۔ اہل تنفیص کا پرانا حربہ ہے۔ اب ہم بدعت کی صحیح تعریف پیش کرتے ہیں۔

بدعت کی تعریف علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۴ھ بدعت کی

تعریف فرماتے ہیں۔

باغما احد ث علی خلاف الحق
المتلقى عن رسول الله صلى الله عليه
وسلم من علم او عمل او حال بنوع
شبهه واستحسان ووجعل دینا
قویما وصراطا مستقیما۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۳)

بدعت اس نوپیدا شدہ امر کو کہتے ہیں۔ جو
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کردہ
شریعت کا مخالف ہو۔ عام ازہی کہ وہ نیا
کام نظری ہو۔ یا عملی یا مالی ہو اور یہ مخالفت
کسی شے یا استحسان پر مبنی ہو۔ اور اس کو
دین قویم بنالیا جائے۔

پس بدعت سیئہ میں مرکزی طور پر دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نیا کام شریعت کے مخالف ہو۔ دوسرا یہ کہ اسے دین کا جزو بنالیا جائے۔ اب آپ اس معیار پر معمولات اہل سنت کو دیکھئے۔ تو ان میں کوئی ایسا عمل نہیں پائیں گے۔ جو شریعت کے مخالف ہو۔ اس کے برعکس ہر عمل میں کتاب و سنت کی روح کار فرما ہوگی اور ہر وہ چیز منشاء اسلام کے مطابق اور کتاب و سنت کی اصل کے تابع ہوگا۔ راہ سنت میں سرفراز صاحب نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کسی عمل نو کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ اس کا منشاء اسلام میں موجود ہے یا نہیں۔ ائمہ مجتہدین کا کام ہے۔ سرفراز صاحب کا یہ قول بھی ان کی جہالت کا شاہکار ہے۔ علم اور تحقیق سے تہی دست و قلاش بزم خویش محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ائمہ مجتہدین کے ساتھ صرف اصول کلیہ مختص ہیں اور کتاب و سنت اور آئمہ کے اصول کلیہ کی روشنی میں اجتہاد استخراج اور استنباط کی راہیں آج بھی امت پر کشادہ ہیں۔ فقہاء کے سات مراتب کی تفصیل اس دعویٰ پر واضح دلیل ہے لیکن یہ بات سمجھنا حجروں میں بیٹھ کر امت رسول پر شرک کا فتویٰ لگانے والوں کے بس میں نہیں ہے۔

جشن میلاد جشن میلاد پر اظہار خوشی کے لئے جھنڈیوں۔ چراغوں اور جلوس کے بارے میں سرفراز صاحب نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ:-

”بتاؤ صحابہ کرام نے اس طرح جشن منایا تھا؟ یا یہ حضرت عمر سے مروی

ہے یا حضرت ابن عباس سے یا کسی اور صحابی سے؟

بہالت اور بد نصیبی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہہ دے کہ ٹینک اور طیاروں سے جہاد کرنا بدعت ہے۔ ورنہ بتلاؤ کہ کیا حضرت عمر سے ٹینک مروی ہے یا حضرت ابن عباس سے یا دیگر صحابہ سے جملہ کی اس جماعت کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خوشی منانے اور جنگ کے طریقے ہر دور میں مختلف ہوتے ہیں جس طرح جہاد میں جنگ کرنا رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے۔ اب اس تفصیل کی احتیاج نہیں کہ جنگ کن ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے اسی طرح یوم ولادت پر اظہار مسرت اور اس کا اہتمام رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے اور اس کی تفصیل ہر دور کے مزاج اور زمانہ کی رفتار کے مطابق ہوگی۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی شرعی بے اعتدالی نہ پائی جائے۔ اور سرفراز صاحب کی جماعت جو میلاد کی خوشی پر چراغاں اور جھنڈیوں کو بدعت سیئہ اور حرام قرار دیتی ہے اس کا صحیح اور صریح حوالہ کتاب و سنت سے درکار ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ قرار دینے کے لئے بالخصوص اس چیز کی حرمت یا کراہت پر نئی مخصوص لافی ضروری ہے (شامی ج ۱ ص ۶۸۴) اور انشاء اللہ مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت تا قیامت اس کا ثبوت نہیں کر سکتی۔ دیدہ باید۔

ممکن ہے سرفراز صاحب یہ کہیں کہ ٹینک اور طیاروں سے جنگ اگرچہ صحابہ کے زمانہ میں نہیں ہوتی لیکن اس کو قرآن سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے (اعداء والہم ما استطعتم من قوۃ) (کفار کے خلاف جو بن پڑے حال کرو) پس ان جدید طرز کے ہتھیاروں کا استعمال بدعت نہ ہوا اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمۃ فبذلک
آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت
کے حصول پر خوشی مناؤ۔

اور جب مطلقاً فضل اور رحمت کے حصول پر فرحت و مسرت کا حکم ہے تو رحمۃ اللعالمین

کے حصول پر خوشی منانا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی رحمت تو ہمیں سال کے ہر دن بلکہ ہر لمحہ حاصل ہے۔ پھر اس یوم ولادت پر اظہار مسرت میں کیا خصوصیت ہے جواب یہ ہے کہ اس دن کی خصوصیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے دیکھئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ کے بارے میں فرماتا ہے۔ و سلام علیہ یوم ولدہ اور حضرت یحییٰ پر سلام ہو ان کی پیدائش کے دن) حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ (والسلام علی یوم ولدت) مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن)۔ حدیث شریف میں ہے۔

عن ابی قتادۃ قال سئل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن
صوم الاثنين فقال فیہ ولدت
وفیہ انزل علی۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو قتادہ بیان کرتے ہیں۔ کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے
روزے رکھنے کا سبب پوچھا گیا آپ نے
فرمایا اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن پر قرآن
کریم نازل ہوا۔ مشکوٰۃ ص ۱۶۹

دیکھئے اپنے لئے سلامتی کی دعا ہر روز مانگی جاسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ ان کے یوم میلاد کو سلام بھیجتا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی اسی دن اپنے لئے سلامتی کی دعا مانگتے تھے حضور علیہ السلام نے پیر کے دن کو روزے کے لئے خاص کر لیا تھا۔ کیونکہ اسی دن آپ پیدا ہوئے تھے۔ ان تمام قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ حضور سرور کائنات کی ولادت پر سال کے ہر دن اور ہر رات میں خوشی منانا جائز ہے لیکن یوم میلاد کو خاص تزیین حاصل ہے۔

آئیے اب ہم بدعت کے موضوع پر آپ کے سامنے دیوبند کے مسلم پیر حاجی اماد اللہ مہاجر کی تحقیقی پیش کرتے ہیں۔

اور انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔ کما یظہر من التأمل من قولہ علیہ السلام
من احداث فی امرنا ہذا ما لیس منہ فہو ردالحدیث

پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت مقصودہ نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہ مباح جانتا ہے۔ مگر ان کے اسباب کو عبادت جانتا ہے۔ اور ہیئت سبب کو مصلحت سمجھتا ہے۔ تو بدعت نہیں مثلاً قیام کو لذتہا عبادت اعتقاد نہیں کرتا۔ مگر تعظیم ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت جانتا ہے اور کسی مصلحت سے اس کی یہ ہیئت محبت کر لی۔ اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر مصلحت خاص ذکر ولادت کا وقت مقرر کر لیا۔ مثلاً ذکر ولادت کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے مگر مصلحت سہولت دوام یا کسی مصلحت سے بارہ ربیع الاول مقرر کر لی اور کلام تفصیل مصالح میں از بس طویل ہے۔ ہر محل میں جدا مصلحت ہے۔ رسائل مواید میں بعض مصالح مذکور بھی ہیں۔ اگر تفصیلاً کوئی مطلع نہ ہو تو مصلحت اندیشاں پیشین کا اقتدار ہے۔ اس کے نزدیک یہ مصلحت کافی ہے۔ ایسی حالت میں تخصیص مذموم نہیں۔ تخصیصات اشغال و مراقبات و تعینات رسوم مدارس و خانقاہ جات اسی قبیل سے ہیں۔ اور اگر ان تخصیصات کو قربت مقصودہ جانتا ہے مثل نماز روزہ کے تو بے شک اس وقت یہ امور بدعت ہے۔ مثلاً لو اعتقاد کرتا ہے کہ اگر تاریخ معین پر مولود نہ پڑھا گیا یا قیام نہ ہوا یا شیرینی کا انتظام نہ ہوا۔ تو ثواب ہی نہ ملا۔ تو بے شک یہ اعتقاد مذموم ہے غرض دونوں صورتوں میں تعدی مردود ہے اور اگر ان امور کو ضروری سمجھنے واجب شرعی نہیں سمجھتا بلکہ ضروری بھی سمجھنے موقوف علیہ بعض البرکات جانتا ہے۔ جیسے بعض اعمال میں تخصیص ہوا کرتی ہے۔ کہ ان کی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر خاص مرتب نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض عمل کھڑے ہو کر پڑھے جاتے ہیں۔ اگر پیٹھ کمر پڑھیں تو وہ اثر خاص نہ ہوگا۔ اس اعتبار سے اس قیام کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور دلیل اس

توقف کی موجدان اعمال کا تجربہ یا کشف و الہام ہے۔ اسی طرح کوئی عمل مولد کو ہیئت کذائیہ موجب بعض برکات یا آثار کا اپنے تجربہ سے یا کسی صاحب بصیرت کے وثوق پر سمجھے اور اس معنی کے قیام کو ضروری سمجھے۔ کہ یہ اثر خاص بدون قیام نہ ہوگا۔ اس کے بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں اور اعتقاد ایک امر باطن ہے۔ اس کا حال بدون دریافت کئے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا۔ محض قرائن تنجیہ سے کسی پر بدگمانی اچھی نہیں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۴۱۵)

حاجی صاحب کی اس طویل عبارت میں تقریباً وہ تمام ابحاث آگئیں جن کو ہم پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً تعین سے مراد تعین شرعی نہیں۔ تعین عرفی ہے۔ اور یہ تعین جائز ہے اور قرائن کے سبب سے راجح ہے اور جائز امور کو حرام کہنا مذموم ہے۔ اور مذموم کا لفظ بھی گول مول ہے حقیقت میں اللہ کے حلال کو حرام کرنا کفر ہے اور رسول اللہ کی شریعت بدلنا ہے۔ العیاذ باللہ!

سرفراز صاحب اور ان کے حکیم الامت کی جواز میلاد پر شہادت

سرفراز صاحب کے حکیم الامت اشرف علی صاحب کا ارشاد ہے۔ عمل مولد شریف بہ ہیئت و قیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ممنوع ہے تو فی حد ذاتہ مباح ٹھہرا۔ (طریقہ مولود ص ۱۳ بحوالہ باب جنت ص ۱۲۴)

اور یہی بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ فی نفسہ میلاد کتاب و سنت سے ثابت ہے اور قیود مخصوصہ فی حد ذاتہ مباح ہیں۔ سرفراز صاحب سمجھتے ہیں۔

”علاوہ ازیں عمل مولد شریف بہ ہیئت و قیود مخصوصہ سے کیا وہ عمل مراد ہے جو بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے

دن آپ کے لئے ایصالِ ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا اور اسی طرح کی بعض دیگر چیزیں یا مفتی صاحب آپ کے زمانہ کا میلاد مراد ہے کہ اس کے لئے جلوس ہو اور بنیڈ باجے ساتھ ہوں اور فرض نمازوں کے اوقات میں بھی جلوس جوش و خروش کے ساتھ چلتا رہے

(باب جنت ص ۱۲۵)

خدا کا شکر ہے کہ آپ نے حضور کی پیدائش کے دن ایصالِ ثواب کو مان لیا۔ ورنہ اب تک تو آپ یہی کہتے آئے تھے کہ تعین بدعت ہے اور بزرگوں کو ایصالِ ثواب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ تو نیکیوں سے پہلے ہی مالا مال ہیں۔ بہر حال ہم بھی یہی کچھ چاہتے ہیں کہ آپ یوم میلاد کو ایصالِ ثواب اور آپ کے فضائل بیان کرنے کا جواز اور استحسان مان لیں اور رہا جلوس تو وہ مولوی اشرف علی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے تحت مباح کی مدین آتا ہے کیونکہ وہ نہ مامور بہ ہے اور نہ منہی عنہ۔ اور جن خرافات کا آپ نے ذکر کیا ہے یعنی بینڈ باجہ اور نماز کو ترک کرنا تو ہم ان سے کلیتہً بیزار ہیں اور پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ہم اس کی تردید کے لئے اپنی کوشش کرتے رہتے ہیں آپ خواہ مخواہ خلطِ مبحث اور مخالطہ آفرینی کر کے ان امور کو ذکر کرتے ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس کی حدیث اور عید میلاد سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین صاحب کا عید میلاد کو حضرت عمر اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث پر قیاس کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔ کیونکہ حجہ اور عرفہ کے دن کو حضرات صحابہ کرام نے از خود متعین و مقرر نہیں کیا اور نہ خود اپنی مرضی سے عید بنایا اور منایا ہے۔ بلکہ ان دنوں کی تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی۔ جس کا اعلان حضرت محمد صلی اللہ علیہ

نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کی طرف مقرر کردہ دنوں پر اپنی طرف سے عید میلاد کے دن اور اس دن کے اہتمام اور اس کے جشن کو قیاس کرنا باطل اور فاسد قیاس ہے۔ (تنقید متین ص ۱۵۵)

جہالت کا پلندہ کیا ہے یہ عنقریب ناظرین پر واضح ہو جائے گا۔ یوم حجہ اور یوم عرفہ کا دن بعض نعمتوں کے حصول کی بنا پر عید قرار پایا ہے۔ اور ہم نے یوم حجہ اور یوم عرفہ کے عید ہونے پر عید میلاد کو قیاس نہیں کیا۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جب یوم حجہ اور یوم عرفہ۔ بعض نعمتوں کے حصول کی بنا پر عید قرار پایا تو بارہ ربیع الاول کا دن جس میں ہمیں کائنات کی سب سے عظیم نعمت حاصل ہوئی۔ بطریقِ اولیٰ عید قرار پائے گا۔ اور یہ قیاس نہیں ہے۔ جہالت تو یہ ہے مخالفین کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیاس میں مساوات ہوتی ہے۔ اور یہاں مساوات نہیں۔ بلکہ عید ہونے کی علت عید میلاد میں اقویٰ اور اولیٰ درجہ میں پائی گئی ہے۔ اس کو دلالتِ النص کہتے ہیں۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس قاعدہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ماں باپ کو اف کھنے سے روکا گیا ہے۔ پس انہیں اف کھنا حرام ہے اب کوئی شخص اپنے ماں باپ کو مارنا پٹینا شرمِ کرم ہے اور کہے کہ اف کھنا حرام ہے جس کی تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور اس کا اعلان حضور کی زبان فیض ترجمان سے ہوا مارنے پٹینے سے کب منع کیا گیا ہے پس اُف پر مارنے پٹینے کو قیاس کرنا باطل اور فاسد قیاس ہے۔ تو بتائیے۔ ایسے شخص کی بات کون مانے گا۔ پس جس طرح جب ماں باپ کو اف کھنا حرام ہے تو مارنا پٹینا بطریقِ اولیٰ حرام پایا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب حجہ کا دن چند نعمتوں کی وجہ سے عید قرار پایا۔ تو یوم میلاد جو کائنات کی سب سے عظیم نعمت اور رحمت کا حامل ہے۔ بطریقِ اولیٰ عید قرار پائے گا۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

قال الراغب العيد ما يعاد مرة
بعد اخرى وخص في الشريعة
بيوم القطر ويوم النحر ولما كان
ذلك اليوم مجعولا للسرور
في الشريعة كما نبه النبي عليه
الصلوة والسلام بقوله ايام
متى ايام اكل وشرب وبعال
ما يستعمل العيد في كل يوم
فيه مسرة.

(مرقات ج ۳ ص ۲۲۳)

امام راغب نے فرمایا کہ عید لغوی اعتباراً
سے اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار بار بار لوٹ کر
آئے اور اصطلاح شرع میں عید فطر اور
عید الاضحیٰ کو کہتے ہیں اور جبکہ یہ شریعت
میں خوشی منانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے
جس طرح اس پر نبی علیہ السلام نے اپنے
اس فرمان میں متنبہ کیا ہے کہ ايام منی
کھانے پینے اور راز و اجیات کے دن
ہیں تو عید کا لفظ ہر مسرت کے دن
میں متعمل ہونے لگا۔

اب فرمائیے امام راغب اصفہانی اور ملا علی قاری کے بارے میں کیا فتویٰ
ہے۔ صدر الافاضل سے تو آپ کو یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے یوم میلاد کو عید قرار دیا
ہے۔ اور ان اکابر نے تو ہر خوشی کے دن پر عید کے اطلاق کی تصریح کر دی ہے۔
ملا علی قاری کے بعد شیخ محقق
یوم میلاد کے عید ہونے کی شہادت عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ
کی عبارت ملاحظہ فرمائیے کہ وہ بالخصوص یوم میلاد کو عید فرماتے ہیں۔

قال ابن الجوزي فاذا كان هذا
ابولهب الكافر الذي نزل
القرآن بدمه جوزي في الناس
لفرحه ليلة مولد النبي صلى الله
عليه وسلم فما حال المسلم من امته
يسر بمولده ويبذل ما اتصل اليه
قدوته في محبته صلى الله عليه وسلم

ابن جوزی نے کہا کہ پس جب کہ وہ
ابولہب جس کی مذمت پر قرآن نازل ہوا
اسے نبی علیہ السلام کی ولادت پر
خوشی کرنے کے سبب جہنم میں جزا دی گئی
تو آپ کی امت شریفیہ کے اس سلمان کی جنازہ
کا کیا عالم ہو گا۔ جو آپ کی پیدائش پر خوشی
اور اظہار سرور کرے۔ اور مقدور بہر

انما كان جزاءه من الله الكريم
ان يدخله بفضل الله الحميم
جنات النعيم ولا يزال هلل لاسلام
يحفون بشهر مولده صلى الله عليه
وسلم ويحلون الولائم ويتصدقون
في ليلته بانواع الصدقات ويظهرون
السورس ويزيدون في المبرات
ويتننون بقرآن مولده الكريم
ويظهر عيده من مكانه كل فضل
عظيم وما جرب من خواصه انما
امان في ذلك العام وبشرى عاجل
ينيل لبغيتته والامر فرحم الله امرؤ
اتخذ ليلالي شهر مولده المبارك
اعبادا ليكون استغاثة على من
في قلبه مرض وعناد ما ثبت
بالسنه من ۶۰)

سرفراز صاحب شہادت

سسی سے آپ کی محبت میں خرچ کرے۔ اور
مجھے اپنی حیات کی قسم اس کی جزا اس کے
سوا کچھ نہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل
و کرم سے جنات نعیم داخل فرمائے گا۔ اور
ہمیشہ سے اہل اسلام نبی علیہ السلام کی ولادت
کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے ہیں وغیریں
کرتے ہیں۔ راتوں کو صدقہ و خیرات کرتے ہیں
اظہار مسرت اور نیکیوں میں زیادتی کرتے
ہیں اور آپ کی ولادت مبارکہ کے واقعات
پڑھتے ہیں اور ان پر اس وجہ سے فضل ظاہر
ہوتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ محفل
میلاد کی برکت سے سارا سال امن رہتا ہے
اور مطلوب حاصل ہونے کی جلد بشارت ملتی ہے
پس خدا فضل کرے۔ اس شخص پر جس نے ماہ ربیع
الاول کی ہر شب کو عید بنا دیتا تاکہ غفلت نبی کے
منکروں و تنقیص سالک شیعہ پر یہ خوشی مزید گراں
گزرے اور ان کا اندرونی غنا پڑھے۔

حضرت شیخ محقق اور محدث ابن جوزی کی یہ
عبارت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔

سرفراز صاحب اور ان کی پوری جماعت کے تو من ایمان کے لئے یہ کلام
برق صاعقہ سے کم نہیں۔ اب آخر میں ہم فضلاء کچھ کے ایک اور شبہ کا ازالہ
کئے دیتے ہیں۔ سرفراز نے لکھا ہے علامہ ابن امیر الحاج المالکی نے
اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے (تفہیم ص ۱۵۴)

اس کا جواب شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی زبان سے سماعت فرمائیے۔
ولقد اختلف ابن الحاج في المدخل
في الانكار على من احداثه الناس
من البدع والاهواء والخنايا والآلات
المحرمة عند عمل مولد الشريف
اور ابن الحاج نے مدخل میں ذکر مولد کے
وقت آلات محرمہ کے ساتھ غنا کو
بدعات منکرہ اور خواہشات نفسانیہ
پر سخت انکار کیا ہے۔

(ما ثبت بالسنة ص ۶۰)

اور واضح بات ہے کہ جن امور کو صاحب مدخل نے منع فرمایا ہے وہ کسی کے
نزدیک بھی جائز نہیں۔ یہ سرفراز صاحب کی سخت مغالطہ افرینی ہے کہ انہوں نے محض
ابن الحاج کا نام لے کر لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔

سرفراز صاحب نے نہ تو حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت پیش کی اور نہ صاحب
مدخل کی اصل عبارت پیش کی اور اپنے باطل نظریات کو صاحب مدخل اور حضرت مجدد
الف ثانی کے سر منڈھنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ شیخ محقق کے کلام سے معلوم ہوتا ہے
کہ صاحب مدخل نے بدعات محرمہ پر رد کیا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اسی
طرح حضرت مجدد الف ثانی کا بھی بدعات محرمہ پر محمول ہے نہ کہ نفس انعقاد محفل پر
اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ صاحب مدخل نے نفس انعقاد میلاد کو بدعت کہا
ہے۔ تو گذارش ہے کہ جب انعقاد کے میلاد کے جواز کو ہم قرآن و حدیث اور علماء
اسلام بلکہ خود دیوبندیوں کے حکیم الامت کے کلام سے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان تمام
کے مقابلہ میں صاحب مدخل کی کیا حیثیت ہے۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ
نفس انعقاد میلاد بدعت ہے تو معاف کیجئے گا۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد الرحیم جو
نفس انعقاد میلاد کو جائز سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے۔ کیا انہیں بھی بدعتی قرار دے
کر جہنم میں پہنچائے گا؟

دیکھئے شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبد الرحیم کے بارے میں لکھتے ہیں :-
اخبرني سيدي الوالد قال كنت
ميرے والد مکرم فرماتے ہیں کہ میں ایام

اصنع في ايام المولد طعاما صالحة
بالبني صلى الله عليه فلو نفيتم لي
سنة من المستين شيئا اصنع بها
طعاما فلو اجد الاحصاء مقلبا
فقسمته بين الناس فدائيه صلى الله
وسلم وبين يديه هذه الحمص
مبتحها بشاشار درمين ص ۴۱
(انفاس العارفين ص ۴۱)
مولود شریف میں کھانا پکایا کرتا تھا۔ تاکہ
آپ سے نیاز مندی کا تعلق رہے۔
ایک سال میرے پاس کچھ نہ تھا۔ جس سے
میں کھانا پکا سکوں۔ پس میں نے بھنے ہوئے
چنوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ تو میں نے ان کو
لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور
کے پاس وہ چنے رکھے اور آپ بچہ
خوش ہیں۔

کیا سرفراز صاحب بتلا سکیں گے کہ شاہ عبد الرحیم نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں
میں سب ایام مولود کو کیوں ایصال ثواب کے لئے خاص کر لیا تھا۔ نیز اس التترام کے
ساتھ کہ ایصال ثواب کے لئے اگر اور کچھ نہ ہو تو بھنے ہوئے چنوں کو ہی تقسیم کر دیا
جائے۔ یہ کس طرح مستحسن ہوگا۔ آپ تو کہتے ہیں کہ :-
مستحب پر اصرار کرنا غیر مستحسن ہے۔ (تنقید تین ص ۵۲)
شاہ عبد الرحیم کے بعد آئیے۔ اب آپ کو تمام علماء دیوبند کے مسلم پیر کا فیصلہ بھی
سنوادیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

”اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ
برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں“

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۶)

اور اب بھی اگر آپ نفس میلاد کے انعقاد کو بدعت کہیں تو لیجئے خود آپ کی
زبان سے ہی کلموائے دیتے ہیں۔

”بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے دن ایصال
ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا“ (باب جنت ص ۱۲۴)
اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اس مسئلہ کے اصولی مباحث کو

کتاب سنت اور مبتدعین دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ میلاد شریف میں جو کچھ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس کا ذکر با دلائل کر دیا گیا ہے باقی رہنے غیر شرعی امور مثلاً مردوزن کے مخلوط اجتماعات غش گانے۔ آلات مخریہ اور دوسرے فواحش تو نہ ان کا انعقاد میلاد میں دخل ہے۔ نہ وہ ہمارے ذمہ ہیں۔ سرفراز صاحب نے خواہ مخواہ ان کا ذکر کر کے مخالطہ آفرینی کی کوشش کی ہے۔ والی اللہ المشتکی علماء دیوبند پہلے کہا کرتے تھے کہ یوم میلاد النبی منانا کنھیٹا کے جنم نئی کروٹ | منانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں۔

پس یہ ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل نبود کے کہ سانگ کنھیٹا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں (فتاویٰ میلاد و عرس ص ۱۱)

اس عبارت کو خلیل احمد ابنٹھیوی نے براہین قاطعہ ص ۱۵۲ مطبوع دیوبند میں نقل کر کے اس عبارت کی تصدیق و توثیق کی ہے۔

اور مودودی صاحب نے بھی محفل میلاد کے انعقاد، عید میلاد النبی اور جلوس کے بارے میں کچھ کم پڑہ سرائی نہیں کی چنانچہ لکھتے ہیں:

سب سے پہلے تو آپ کو یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ۔ اسلام میں عید میلاد النبی کا تصور بھی ہے یا نہیں اس تہوار کو جسے ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاتا ہے حقیقت میں اسلامی تہوار ہی نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت اسلام میں نہیں ملتا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی اس دن کو نہیں منایا۔ افسوس اس تہوار کو دیوالی اور دسہرہ کی شکل دے دی گئی ہے لاکھوں روپیہ

برباد کیا جاتا ہے۔ (تذیل ۲ جولائی ۱۹۶۶)

اب دیکھئے ۱۳۹۹ھ میں دیوبند اور جماعت اسلامی کے علماء اور رہنماؤں نے کس جوش و خروش سے یوم عید میلاد النبی منایا عید میلاد کے جلسوں سے خطاب کیا اور جلوس کی قیادت کی۔

جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ جسارت لکھتا ہے۔

پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے بعد قومی اتحاد نے وہ مثبت مقصد حاصل کر لیا ہے جس کے لئے اس نے انتھک اور مسلسل تحریک چلائی تھی وہ آج یہاں مسجد نیلا گنبد پر نماز ظہر کے بعد قومی اتحاد کے زیر اہتمام عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے تھے اس موقع پر قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں محمد طفیل، وفاقی وزیر قدرتی وسائل چودھری رحمت الہی اور مسلم لیگ چیمپ گروپ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے بھی خطاب کیا تقریروں کے بعد مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں نے مسجد نیلا گنبد میں ہی نماز عصر ادا کی جس کے بعد ان رہنماؤں کی قیادت میں عظیم الشان جلوس مختلف راستوں سے مسجد شہداء پنجہ کو ختم ہوا جہاں شرکاء جلوس نے مولانا مفتی محمود کی رفاقت میں نماز مخریہ ادا کی

(روزنامہ جسارت ۱۱ فروری ۱۹۶۹)

جماعت اسلامی اور دیوبندی ارکان پر مشتمل قومی اتحاد کی حکومت کے دور میں عید میلاد النبی کے موقع پر روزنامہ جنگ کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیے۔

جشن عید میلاد النبی آج جوش و خروش سے منایا جائے گا۔ تقریبات کا آغاز ۲۱ توپوں کی سلامی سے ہوگا رگورنر کی صدارت میں جلسہ ہوگا شہر سمیر میں جلوس نکالے جائیں گے نشتر پارک آرام باغ اور دیگر علاقوں میں جلسے ہوں گے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۹ فروری ۱۹۶۹)

روزنامہ حریت کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں!

اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد قومی اتحاد کی تحریک کا مثبت مقصد حاصل ہوگا۔ مفتی محمود معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں کچھ وقت لگے گا۔ عید میلاد کے موقع پر مفتی محمود کی قیادت میں عظیم الشان جلوس۔

(روزنامہ حریت ۱۱ فروری ۱۹۶۹)

روزنامہ مشرق کی ایک خبر ملاحظہ ہو۔

لاہور ۹ فروری (پپا) قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود اور نائب صدر
نوبزادہ نصر اللہ خاں کل یہاں عید میلاد النبی کے جلوس کی قیادت کریں گے
یہ اجلاس نیلا گنبد سے نکل کر مسجد شہداء پر ختم ہوگا۔

(روزنامہ مشرق کراچی ۱۰ فروری ۱۹۷۹)

اب جماعت اسلامی اور دیوبند علماء و خود فیصلہ کر لیں کہ یہ یا تو عید میلاد النبی کے
جلسے اور جلوس وغیرہ کرنے اور دن کو نہاتے کے بارے ان کے فتوے غلط اور باطل
یا ان کا موجودہ کردار باطل اور منافقت پر مبنی ہے۔

تفویض احکام

یا ایھا الذین امنوا تسئلوا عن اشیاء کے شان نزول میں صدر الافاضل رحمہ
اللہ نے فرمایا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ
میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کیا ہر سال فرض ہے حضرت
نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی۔ تو ارشاد فرمایا کہ جو میں بیان نہ کروں۔
اس کے درپے نہ ہو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔
مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حضور کو مفوض ہیں۔ جو فرض فرمادیں وہ فرض
ہو جاوے۔ نہ فرمائیں تو نہ ہو۔

اب آپ اس عبارت پر سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیں۔
تنقید۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے مسئلہ کے عنوان میں جو لکھا ہے۔
وہ سراسر باطل اور روح اسلام کے قطعی خلاف ہے۔ (اولاً) اس لئے
کہ رسول اور نبی کے معنی پیغام رسال اور خبر دینے والے کے ہوتے ہیں
یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام کر دیا۔ رسول کا کام یہ ہے کہ وہ وحی
پاکر لوگوں کے سامنے ان احکام کی حلت و حرمت پیش کر دے اور ان کو
ان احکام کی اطلاع دے کہ خبردار کر دے کہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے
کا صلہ یہ ہوگا۔ اور خلاف ورزی کرنے کا وبال دنیا و آخرت میں یوں
بھگتنا پڑے گا۔ رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں تاکہ وہ
اپنی طرف سے جس فرض کو چاہیں نافذ کر دیں یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ
کریں۔ (تنقید متین ص ۱۵۷)

مقام نبوت | سرفراز صاحب نے پرویزی زبان سے جس طرح اس عبارت

میں منکرین حدیث کی ترجمانی کی ہے۔ وہ درمندان ملت سے مخفی نہیں ہے منصب رسالت کو صرف خبر رسانی میں بند کر دینا مقام نبوت سے جہالت اور غفلت رسالت سے عناد کی بدترین مثال ہے۔ آئیے۔ اب ہم آپ کے سامنے کتاب سنت اور اقوال علماء کی روشنی میں مقام نبوت کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید اعلان ہے۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك
فيها شجرين هوش لا يجدوا
في انفسهم حرجا مما قضيت
يسلموا تسليما۔

آپ کے رب کی قسم اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے اختلافی معاملات میں آپ کی حاکمیت تسلیم نہ کریں اور پھر اپنے لیے اس کے خلاف کوئی تلخی بھی نہ پائیں۔

اور ہم نے کسی سول کو نہیں بھیجا مگر اسلئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے

وما ارسلنا من رسول الا
ليطاع باذن الله۔

قرآن مجید کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

قد ان كنتم تحبون الله
فاتبعوني يحبك الله ويغفر لكم
ذنوبكم والله غفور رحيم۔

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو پھر ان مومنین کو اللہ اور رسول کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔

وما كان لمومن ولا مؤمنة
اذا قضى الله ورسوله امرا ان
يكون لهم الخيرة من
امرهم۔

بالتحقیق اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ رسول کو ان میں انہیں میں سے مبعوث فرمایا کہ جو ان پر قرآن پاک کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

لقد من الله على المؤمنين
اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم
يتلوا عليهم اياته ويزكيهم
ويعلمهم الكتاب
والحكمة (الآیت)

مذکورہ بالا آیات سے جو فوائد حاصل ہوئے۔ وہ یہ ہیں۔ نبی علیہ السلام کی حاکمیت واجب التسلیم ہے۔ واجب الطاعت ہے۔ جب آپ کسی کام کا حکم فرمائیں۔ تو اس کو نہ ماننے کی کسی مسلمان کو گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کو اپنی پسند کا معیار قرار دیا۔ آپ کو تعلیم اور تہذیب کا منصب عطا فرمایا۔ اس کے برعکس سرفراز و خاص کا ارشاد ہے کہ۔

”نبی کا کام ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے احکام کی حلت و حرمت پیش کرے رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طرف سے جس فرض کو چاہیں نافذ کر دیں یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں۔“

نبی علیہ السلام کے اختیارات | ملا علی قاری رحمہ اللہ اور شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

ومن ثم عدد امتنا من خصائصه
عليه السلام انه يخصص من
شاء بما شاء كجعله شهادة
خزيمة بن ثابت شهادتين
رواه البخاري وكتر خيصة
في النياحة لامر عطية في
ال فلان خاصة مرواه مسلم
قال النوري للشارع
ان يخصص من العموم
ما شاء وبالتضحية
بالعناق لابی بردة
بن نيار وغيره۔

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام نے اس بات کو نبی علیہ السلام کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ آپ جس کو چاہیں جس حکم کے ساتھ چاہیں خاص کر لیں جس طرح آپ نے خزمہ بن ثابت کی تنہا شہادت کو دو شہادتوں کے قائم کر دیا (بخاری) حالانکہ اختلافی معاملات میں قرآنی حکم سے ایک مرد کی گواہی جائز نہیں) اور جس طرح آپ نے ام عطیہ کو آل فلاں کیلئے نوحہ کرنے کی اجازت دیدی (مسلم) جبکہ بالعموم نوحہ کرنا ممنوع تھا (ابن عساکر) نودی نے فرمایا کہ شارع علیہ السلام کے لئے جائز ہے کہ وہ عموم احکام میں سے جسے چاہیں خاص فرمائیں اور جس طرح ابی بردہ بن نیار کو اپنے ایک سال سے کم عمر کے بچے کی قربانی کی اجازت دیدی

و فتح الملہم ج ۲ ص ۹۶
 ویدہ عرفان کے لئے عظمت کے یہ چمکتے ہوئے ستارے ہیں جس اختیار کو ائمہ کرام نے نبی علیہ السلام کی خصوصیت اور فضیلت ثابت کرنے کے لئے بیان کیا اسی اختیار کا انکار کر کے اور نبی علیہ السلام کی اس فضیلت کو رد کر کے سرفراز صاحب نے اپنی جس فرومایہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔
 ملا علی قاری امام نودی اور دیگر ائمہ اہل سنت کے علاوہ فریق مخالف کے شیخ اسلام شبیر احمد عثمانی کا یہی عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام عموم احکام میں سے جس کو چاہیں خاص فرمائیں۔ اب اگر آپ کے نزدیک یہ عقیدہ باطل اور رافضیوں کا خاصہ ہے۔ تو گستاخی معاف اس تیر کا پہلا نشانہ اپنے شیخ الاسلام کو بنائیے۔ اس سے ائمہ اہلسنت کو ہدف نہ بنائے گا۔ جن فاسد عقائد کا سرفراز صاحب نے آج اظہار کیا ہے وہ نبی علیہ السلام پر چودہ سو سال پہلے منکشف تھے اور آپ نے غیر مبہم الفاظ میں ان کی نشان دہی فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

الا یوشک رجل شعبان علی
 اریکتہ یقول علیکم ہذا القرآن فما
 وجدتم فیہ من حلال فخللوا وما
 وجدتم فیہ من حرام فحدوا و
 ان ما حرم رسول اللہ کما حرم
 اللہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۹)

تحت تنقیص پر ممکن ہو کر نبی علیہ السلام کے تشریحی اقتیارات اور خصوصی فضیلتوں کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کا حریف بنانے کی کوشش کی ہے بلکہ سرفراز صاحب کو تو اپنی ہوائے نفسانی سے بغیر کسی صریح دلیل کے میلاد و عرس۔ ایصال ثواب وغیرہ امور کو ناجائز قرار دے کر حلال کو حرام اختیار ہے اور سرور کائنات کو کسی شے کی فرضیت اور وجوب کے نافذ کرنے کا بھی اختیار

نہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تفویض کا ثبوت | حضرت امام مسلم اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی
 اللہ علیہ وسلم قال لولا اشق علی
 المؤمنین و فی زہیر علی امتی لا
 مرھم بالسوال عند کل صلوة۔
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام
 سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر میں
 مسلمانوں پر دشوار نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز
 کے مسواک کا حکم دیتا۔
 اس آیت کی شرح میں سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی
 لکھتے ہیں۔

ای وجوباً کما فی المرقاة۔ فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۵

ملا علی قاری حنفی اور شبیر احمد عثمانی کے بیان کی روشنی میں اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ نبی علیہ السلام کو مسواک واجب کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی مانع نہ تھا۔ کہ آپ اس حکم کو امت پر دشوار سمجھتے تھے۔ پس بجا اللہ یہ امر ثابت ہو گیا کہ غیر وحی شدہ امور میں فرضیت اور وجوب کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض تھے۔ کہ آپ جس طرح چاہیں مشروع فرمائیں۔

مسلم شریف کی جس حدیث کا صدر الافاضل رحمہ اللہ نے تذکرہ فرمایا ہے۔ اسی حدیث کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔

قال الطیبی قیل دل علی ان
 الا یجاب کان مفوضا الیہ ورد
 بان قولہ لو قلت لعمرو من ان
 یكون من تلقا نفسہ او بوحی
 نازل او بدای یرا ان جو نہ نا
 لہ الاجتہاد ذکرہ الطیبی
 طیبی شافعی نے بیان کیا کہ بعض لوگوں نے
 کہا کہ احکام کو واجب کرنا آپ کی طرف
 مفوض ہے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ حج ہر
 سال فرض ہونے کے جواب میں آپ کا ہاں فرمانا
 عام ہے کہ آپ اپنی طرف سے کہا ہو یا وحی
 سے یا اجتہاد سے اس بات کو طیبی نے انکوکا

وفيه ان التفويض اليه ايضا
اعرفلا يكون مردوداً -
فرمان ہاں عام ہے اسی طرح تفویض بھی عام ہے یعنی احکام کا ایجاب آپ کی طرف وسیا بھی مفوض
ہے اور اجتہاد بھی آپ کی اپنی مرضی سے پس تفویض کا قول مردود نہیں ہو سکتا -
ملا علی قاری کی اس عبارت سے یہ امر ظاہر ہوا کہ ملا علی قاری بھی احکام کو مفوض مانتے
ہیں۔ پس اگر احکام کو تفویض کی مد میں شمار کرنا خالص جہالت تھی تو اب ملا علی قاری پر
کیا فتویٰ لکائیے گا؟

اور یہ ہیں تمام علماء ہند کے واحد استاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی جن کے دم
کرم سے ہندوستان میں علم حدیث پھیلا۔ یہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں -
وظاہر اہل حدیث درآں است کہ
احکام مفوض اند باخضرت چنانکہ
مذہب بعضی است -
جس طرح بعض علماء کا مسلک ہے -

(اشعة اللمعات)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں -
ایں بر مذہب مختار کہ مے گویند احکام
مفوض است بآں حضرت ہر چہ خواہد
کند و ہر کہ خواہد بخند و ہر کہ خواہد
تخصیص نماید ظاہر است -
صحیح اور مختار مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ
احکام نبی علیہ السلام کی طرف مفوض ہیں جو
چاہیں کریں اور جو چاہیں نہ کریں اور جس
کو چاہیں خاص فرمائیں -

(اشعة اللمعات ج ۲ ص ۱۲۳)

ان حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ شیخ محقق کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے - احکام
آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہیں - اب دیکھئے کہ سرفراز صاحب مستند علماء
میں سے کس کس کو جاہل بنا کر اپنی عاقبت سنوارتے ہیں - اب آخر میں ہم مخالفین کے
شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی کا حوالہ پیش کرتے ہیں اور سرفراز صاحب کی دانت

سے توقع ہے کہ وہ انہیں بھی خالص جاہل بنانے سے دریغ نہیں کریں گے شبیر احمد عثمانی
دیوبندی مسلم کی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں جس کے ذیل میں صدر الافاضل نے
فرمایا کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں -

قیل دل علی ان الايجاب كان
مفوضا اليه - (فتح الملم ج ۳ ص ۳۷۴)
کہا گیا ہے کہ احکام کو واجب کرنا نبی علیہ السلام
کی طرف مفوض ہے

سرفراز صاحب نے زیر نظر مضمون میں
منصب نبوت پر دوسرا حملہ ان الفاظ
سے کیا ہے -

ثانیاً اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص خانگی مصلحت
کے پیش نظر صرف اپنی ذات مقدسہ کے لئے حلف اٹھا کر شہد حرام
کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تنبیہ نازل ہوئی - یا یہاں
الذی لو تحرم ما احل الله لك - (تفہیم ص ۱۵۸)

فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ حلال کو حرام کرنا کفر ہے - پس یہ عناد نبوت
کا کیسا شرمناک مظاہرہ ہے کہ سرفراز صاحب بغیر کسی تاویل کے ایک کفر خالص
کو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کی جسارت کر رہے ہیں -
دیکھئے امام رازی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں -

البحث الثاني تحريم ما احل الله
تعالى غير ممكن لما ان الاحلال
تدرجيه جانب الحل والتدرجيم تدرجيه
جانب الحرمه ولا مجال للاجتماع
بين التدرجيتين فكيف يقال لو
تحرم ما احل الله - نقول المراد من
هذا التحريم هو الامتناع عن
بحث ثانی یہ ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کی
تحریم غیر ممکن ہے اس لئے کہ حلال کرنا جانب
حلت کی تدریج ہے اور تحریم جانب حرمت
کی تدریج ہے پس ان دونوں تدریجوں کے اجتماع
کی کوئی گنجائش نہیں پھر اس آیت کا کیا معنی
ہوگا ہم جواب میں کہتے ہیں کہ اس تحریم
سے سراد انوار مطہرات سے نفع

الانتفاع بالازواج لا اعتقاد كونه
حراما بعد ما احل الله تعالى فالنبي
(صلى الله عليه وسلم) امتنع عن الانتفاع
معها مع اعتقاده بكونه حلالا
ومن اعتقد ان هذا التحريم هو
تحريم ما احل الله تعالى بعينه
فقد كفر فكيف يضاف
الى الرسول صلى الله عليه
وسلم مثل هذا۔

نہ حاصل کرنا ہے نہ کہ اللہ کے حلال
کرنے کے بعد اس کی حرمت کا اعتقاد
کرنا۔ پس نبی علیہ السلام ازواج سے
نفع حاصل کرنے سے رک گئے تھے
باوجود اس کی حلت کے اعتقاد کے اور
جس شخص نے یہ اعتقاد کیا۔ یہ تحريم بعينه
اللہ کے حلال کردہ کی تحريم ہے پس وہ شخص کافر
ہو گیا لہذا نبی علیہ السلام کی طرف اس اعتقاد کی
نسبت کس طرح کی جاسکتی ہے۔

نوٹ۔ مفسرین کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ تحریم کس امر پر واقع ہوئی
بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اور
ازواج سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اور بعض سے ثابت ہے کہ تحریم شہد پر واقع
ہوئی۔ امام رازی کا یہ کلام پہلی صورت پر مبنی ہے اور دوسری صورت کا بھی یہی حکم
ہے۔

سرفراز صاحب نے اس بحث میں جس قدر گفتگو کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے
کہ آپ نے حلال کو حرام کر دیا اور اس آیت میں اس حلال کو حرام کرنے سے روکا گیا
پس ثابت ہوا کہ احکام مفوض نہیں ہیں اور امام رازی کی تقریر سے جواب واضح
ہو گیا ہے کہ یہ گفتگو جس شبہ پر قائم ہے۔ وہ شبہ باطل اور بے بنیاد ہے کیونکہ آپ
نے حلال کو حرام نہیں کیا۔ بلکہ یہ تو کفر صریح ہے۔ البتہ آپ نے اپنے آپ کو ایک
حلال چیز سے نفع حاصل کرنے سے حلال سمجھتے ہوں روک لیا تھا۔ اور یہ امتناع عن
الحلال تو ہر آدمی کو مفوض ہے۔ چہ جائیکہ حضور کو مفوض نہ ہو۔

سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۵۸ پر نبی علیہ السلام پر یہ افترا باندھا کہ
آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا اور ص ۱۵۹ پر ایک روایت اس طرح نقل کی۔

انی لست احرم حلالا الخ میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔
سرفراز صاحب اپنی عبارت کے توازن کو دو صفحوں میں بھی قائم نہ رکھ سکے۔ کہ
ص ۱۵۸ پر انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضور نے ایک امر حلال کو حرام کر لیا۔ اور ص ۱۵۹ پر
کہا کہ حضور نے کسی حلال کو حرام نہیں کیا۔ لیکن چلئے ہم اس تعارض سے بھی قطع نظر کئے
بیٹے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو حضور کے قول پر بھی اعتبار نہیں۔
حضور تو قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

والله مالي ان احرم ما احل الله۔ خدا کی قسم میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔
پھر آپ کو حضور کی قسم پر بھی اعتبار نہ آیا؟ جو آپ بار بار کہتے ہیں کہ حضور نے
حلال کو حرام کر لیا تھا۔

احادیث میں سرفراز صاحب کا شبہ | مقام تبوت پر تیسرا جملہ
سرفراز صاحب نے احادیث
کے مفہوم میں خیانت اور تحریف کیا ہے۔ ہم قارئین کی عدالت میں احادیث کے
ان الفاظ کو پیش کرتے ہیں جو سرفراز صاحب کے استدلال کا مرکزی نقطہ ہیں۔

(۱) انی لست احرم حلالا ولا احل حراما۔ نہ میں حرام کو حلال کرتا ہوں نہ
حلال کو حرام۔

(۲) انما یس لی تحریما ما احل الله لی۔ میرے لئے اس چیز کو حرام کرنا جائز نہیں جسے
اللہ نے میرے لئے حلال کر دیا۔

(۳) والله مالي ان احرم ما حل الله لی۔ خدا کی قسم میرے لئے اللہ کے حلال کردہ کو
حرام کرنا جائز نہیں۔

ان احادیث کو نقل کر کے سرفراز صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور کو چونکہ
اللہ کے حلال کو حرام کرنے کا اختیار نہیں لہذا تفویض احکام کا بطلان ہو گیا۔

مخالفین کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تفویض احکام کا مطلب یہ ہے کہ غیر مفوض
احکام میں شیا طیبہ کو حلال اور اثیاء نجیثہ کو حرام قرار دیا جائے۔ نہ یہ کہ اللہ کے حلال

کردہ کو حرام یا حرام کردہ کو حلال کیا جائے کیونکہ یہ تو کفر خالص ہے اور اس میں جو ازیا عدم جواز کا نزاع دیوبند کے کسی فاضل سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

سرفراز صاحب نے اس دعویٰ پر ایک اور حدیث پیش کی ہے جس کے استدلال کا بنیادی نقطہ پیش خدمت ہے۔

الا انی لا احل الا ما
احل الله في كتابه و
لا احرم الا ما حرم الله
عز وجل في كتابه۔
تجوڑ میں نہیں حلال کرتا کسی شئی کو مگر
جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا
اور حرام نہیں کرتا کسی شئی کو مگر جسے اللہ
نے اپنی کتاب میں حرام کیا۔

یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے ورنہ ان بے شمار احادیث سے تعارض لازم آئے گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر اشیاء کی حرمت یا حلت کو بیان فرمایا۔ اور ان کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور ان کی حرمت صرف حدیث رسول سے ثابت ہے۔ اس معنی کو وہ خود ہی حل کر رہے۔ کہ درندوں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے اب کیا چیز مانع ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ میں تو ان کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں۔ دیوبند کے اکابر نے کوسے کو حلال کیا اور اصغر نے درندوں اور گدھوں پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ آدم برسر مطلب۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے۔ اور اس کا صاف اور بے غبار مفہوم یہی ہے کہ وحی جلی سے القا کردہ اور مخصوص احکام میں حلال اور حرام وہی ہیں جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اور یہ بات ہمارے دعویٰ کے کسی طرح منافی نہیں ہے۔

علماء امت اور تفویض احکام
سرفراز صاحب نے رسول اللہ صلی

علیہ وسلم سے تفویض کی نفی کرنے کے لئے علماء امت کے چند حوالے پیش کئے ہیں چنانچہ امام عبد الوہاب شہرانی مرجع الصوفیہ شیخ اکبر کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

نحن نعلم ان الشارع هو الله تعالى
والى ان قال فانما صلى الله عليه
وسلم مبلغ عن الله احكامه فيما
اراد الله تعالى لا ينطق قط عن نفسه
(تفہیم ص ۱۶۲)
ہم یقین جانتے ہیں کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی
کی ذات ہے (پھر آگے فرمایا) جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے تھے
جن امور کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے آپ اپنی طرف
سے آپ کوئی بات نہیں کرتے تھے۔

اس عبارت میں کہیں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ غیر مخصوص احکام حضور کو مفوض نہیں ہیں۔ بلکہ منقولہ عبارت کا سیاق و سباق جو مفہوم پیش کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور نے جن امور کو مباح کیا۔ وہ مباح ہی رہیں گے۔ کیونکہ اگر ان میں کوئی خدشہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دیتا اور آپ اسے مباح نہ فرماتے۔ پس وہ تمام احکامات جنہیں آپ نے صادر فرمایا منشأ الوہیت کے مطابق ہیں۔ چنانچہ امام شہرانی اس منقولہ عبارت سے پہلے شیخ اکبر کا کلام نقل کرتے ہیں۔

ایا ان تدری امور قد اباحها
الشارع صلى الله عليه وسلم فتكره
ذلك (الى ان قال) واما اليوم فقد
نشأ في غالب الناس ويقولون
لو ادرك ذلك رسول الله صلى الله
عليه وسلم منع الناس منه (الى ان
قال) ولو كانت اباحت ذلك الامر
خاصة بقوم دون اخيرين بينها تعالى
على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم
فرمادیتا۔ کہ اباحت عارضی ہے۔
جن امور کو شارع علیہ السلام نے مباح کیا ہے
انہیں ناپسند کرنے سے سچو اور اس مانہ میں یہ امر
کثیر الوقوع ہے لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر حضور صلی
اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کو پایا لیتے۔ تو
آپ بھی مباح نہ فرماتے اور لوگوں کو منع
کرتے (پھر اس کے بعد جواب میں فرمایا)
اگر ایسا بھی ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان
فرمادیتا۔ کہ اباحت عارضی ہے۔

اس کلام میں بھی تصریح موجود ہے کہ نبی علیہ السلام شارع ہیں اور یہ کہ بعض احکام کو آپ نے مباح فرمایا رہا یہ سوال کہ آگے چل کر وہ الشارع ہو اللہ کہہ کر شارعیت کا حصر اللہ تعالیٰ میں کر رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضور کی شارعیت چونکہ

اللہ کے تقرر سے ہے۔ اس لئے آپ کی شاعری کا رجوع بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور اصلاً شارع نہیں ہیں۔ ورنہ خود شیخ کے کلام میں تضاد لازم آئے گا۔

آئیے اب امام شحرافی کے کلام سے منوائے دیتے ہیں کہ بعض احکام حضور کو مفوض ہیں۔ دیکھئے امام شحرافی فرماتے ہیں۔

فان ما فرضه الله تعالى اشد مما فرضه رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذات نفسه
جس چیز کو اللہ تعالیٰ فرض کرے اسکی فرضیت اس سے زیادہ اہم ہے کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فرض کریں۔

(میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۱۲۴)

سرفراز صاحب نے تین عبارتیں پیش کی ہیں۔

(۱) ابو جعفر النخاس سے۔

وهكذا سبيل الاحكام
انما تكون من قبل الله عز وجل
اور احکام کا یہی طریقہ ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

(۲) ابن ہمام سے۔

الحاكم لا خلاف في
ان الله رب العالمين
اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حکم دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

(۳) محب اللہ بہاری سے۔

لاحكم الا من الله
حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

(تنقید متین ص ۱۶۳)

ان تینوں عبارتوں کا محل اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ کا حکم دینا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے تقرر سے ہے اس لئے وہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے متصور ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو اصلاً کسی حکم دینے

کا اختیار نہیں۔

علامہ مبنی صاحب عمدة القاری سے

التخليل والتحرير من
عند الله لا مدخل لبشر فيه
کسی چیز کو صلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ہے کسی بشر کا اس میں دخل نہیں ہے۔
(تنقید متین ص ۱۶۳)

یہ عبارت بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے۔ کیونکہ حضور نے بیشمار چیزوں کو حرام فرمایا۔ اور ان کی نسبت اپنی طرف کی چنانچہ درندے اور نچوٹ سے شکار کرنے والے پرندے۔ پالتو گدھے وغیرہ اسی قبیل سے ہیں نیز حضور نے فرمایا ان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ۔

(مشکوٰۃ ص ۲۹)

(رسول اللہ کا حرام کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ حرام کرے) یوں نہیں فرمایا۔ ان ماحرم رسول اللہ ہو ماحرم اللہ (جس چیز کو رسول اللہ نے حرام کیا۔ یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا) اس لئے لامحالہ علامہ عینی کا کلام محل تاویل میں ہے۔ پس کہا جائے گا کہ یہ حصر اضافی ہے۔ اور اگر رسول اللہ کی تحریم کو اللہ تعالیٰ کی تحریم کی طرف لوٹایا جائے۔ تو وہ حصر حقیقی بھی ہو سکتا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کلام بھی اسی فہرست میں پیش کر دیا اور اس کلام سے بزم خویش تفویض کا رد کر دیا۔ حالانکہ شیخ محقق صاف صاف اعلان فرماتے ہیں۔ کہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض ہیں اور صحیح مذہب یہی ہے۔

سرفراز صاحب شیخ صاحب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسناد تحریم بہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ازہرت آں یا شد کہ دے
رسانید و اعلام کردیم آنا زیرا کہ حاکم بشرائع و احکام خدا تعالیٰ
است و حکم دے قدیم است۔ انبیاء علیہم السلام رسانید احکام اند

داشغہ المعات ج ۲ ص ۱۷۸ - تنقید تین ص ۱۶۳

الجواب - نجانے سرفراز صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ کس مصلحت اور حکمت کے پیش نظر نہیں کیا۔ ہر حال قارئین کی سہولت کے پیش نظر ہم اس کا ترجمہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔

(مکہ کی) تحریم کا اسناد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کے احکام پہنچانے والے ہیں کیونکہ شریعتوں اور احکام کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کا حکم قدیم ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام ان احکام کے پہنچانے والے ہیں۔

ہم پہلے اشغہ المعات سے نقل کر چکے ہیں کہ شیخ کے نزدیک صحیح مذہب یہی ہے کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں۔ اور قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

شیخ محقق فرماتے ہیں۔
و مذہب صحیح و مختار آنست کہ احکام مفوض است بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کہ و ہر چہ خواہد حکم کند و بردیگرے مباح گرداند و این را امثلہ بسیار است

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۸۳)

غالباً اب یہ بات قارئین کرام پر روشن ہو گئی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم شائع ہونا اس بات کے قطعاً منافی نہیں کہ احکام حضور کو مفوض ہوں کیونکہ شیخ صاحب نے تصریح کی ہے کہ احکام کا بنانے والا اور شارع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ احکام حضور کو مفوض ہیں پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا واقع اور شارع ہونا تفویض کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ تمام عبارتیں جو سرفراز صاحب نے

اس مدعا پر پیش کی ہیں۔ ان کے مطلوب کو ثابت نہیں کرتیں۔

اس پوری بحث میں صرف شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی دو عبارتیں ایسی ہیں جو تفویض کے بظاہر خلاف ہیں لیکن اس سے ہم کو ضرر نہیں پہنچتا کیونکہ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے کب یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ مسئلہ اتفاقی اور اجتماعی ہے۔ لہذا بعض کا اختلاف ہمیں مضرب نہیں۔ ہم نے پہلے تصریح کی ہے کہ مذہب مختار یہ ہے کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جیسا کہ ہم شیخ محقق سے نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ غیر مختار مذہب پر اعتماد کریں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے تفویض سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

زیرا کہ منصب پیغمبری رسالت و کیونکہ رسول اللہ کا منصب بس احکام پہنچانا اور ایلیٰ گریست نہ تیا بت خدا۔ ایلیٰ کا کام کرنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا اور آپ کے مسلک کے اصل بانی ابن تیمیہ سمجھتے ہیں۔

وقد اقام الله مقام نفسه اللہ تعالیٰ نے حضور کو امر نہی خبر دینے فی امر و نہیہ و اخبارہ و بیانہ اور بیان کرنے میں اپنا نائب مقرر کیا ہے۔

(الصارم المسلول ص ۴۱)

اب دیکھئے۔ آپ کا ایک گروہ کتاب ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں دوسرا کتاب ہے کہ نائب نہیں ہیں۔ اب آپ کس کی بات مانیں گے اور کس کو رد کریں گے۔

اسی بحث میں سرفراز صاحب سمجھتے ہیں۔ شیخ افسوسناک خیانت
عبدالقادر جیلانی باطل فرقوں میں شیعہ کے مفوضہ

فرقہ اور عقیدہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

المفوضہ فہم المقاتلون از اللہ فوض تدبیر الخلق علی الائمہ وان اللہ تعالیٰ اقدار النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خلق العالم فرقة اور عقیدہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔ ان باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ مفوضہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تدبیر ائمہ کو تفویض کر دی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان

و قد بیر - (عنیۃ الطالبین ص ۲۲۱ - طبع رفیق عام لاهور)
کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی قدرت عطا کی ہے۔

اہلسنت والجماعت کے مشہور متکلم اور فلسفی علامہ سید شریف جرجانی الحنفی المتوفی ۸۱۶ھ علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب شرح مواقف میں لکھتے ہیں۔
المفوضۃ قانوا ان اللہ فوض خلق الدنیا الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ای اللہ خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفوض الیہ خلق الدنیا فہو الخلائق بھا وبھا فیہا۔
مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور دنیا و ما فیہا کی پیدائش آپ کو تفویض کر دی ہے اب دنیا و ما فیہا میں جو کچھ ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا ہے۔

(شرح مواقف ص ۵۴ - طبع نول کشور)

ملاحظہ فرمائیے کہ مولوی نعیم الدین صاحب کا قارورہ کس جماعت سے

جاملاب ہے - (تفتیشین ص ۱۶۷)
تحریف خیانت اور بددیانتی کی یہ انتہائی بدترین مثال ہے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ و تعالیٰ اور علامہ جرجانی نے شیعہ کے فرقہ مفوضہ سے ان لوگوں کو شمار کیا ہے جو جہان کی پیدائش اور خلق اور تدبیر کو نبی علیہ السلام کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ کساں صفت خلق کی تفویض اور کساں احکام کی تفویض کیا ان دونوں کا سرفراز صاحب کفون نظر نہیں آتا۔ ہم بحث استعانت میں امر کی تحقیق کر چکے مخلوق کا کوئی فرد بھی کسی امر کی تخلیق نہیں کرتا۔ اور جبکہ اہلسنت کے نزدیک اعراض کا خلق بھی غیر خدا کے لئے جائز نہیں، چہ جائیکہ تمام جہان کے خلق کی نسبت غیر خدا کی طرف جائے پس غیر مخصوص احکام میں تفویض کو تخلیق عالم پر قیاس کرنا محض غلط اور باطل ہے۔

والی اللہ الممشتکی

امتناع کذب

اللہ مملک السموات والارض وما فیہن وهو علی کل شئی قدير۔
اللہ ہی کے لئے ہے اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے۔ سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔
مآذق کو ثواب دینے پر اور کاذب کو عذاب دینے پر بھی۔

مسئلہ - قدرت ممکنات سے متعلق ہوتی ہے۔ نہ کہ واجبات اور محالات
یعنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر ممکن الوجود پر قادر ہے (جمل)

مسئلہ کذب وغیرہ عیوب و قبائح۔ اللہ سبحانہ و تبارک و تعالیٰ کے لئے محال ہیں۔ ان کو تحت قدرت بنانا اور اس آیت سے سند لانا غلط اور باطل ہے۔

سرفراز صاحب صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں
مولوی نعیم الدین صاحب اس عبارت میں الفاظ کا چکر دے کر کذب وغیرہ عیوب و قبائح کا جملہ استعمال کر کے اپنے جماعتی تحریک اور گروہ بندی کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر مشرک کی مغفرت اللہ تعالیٰ قدرت کے تحت داخل نہ ہوتی۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اگر تو ان کو بخش دے، تو زبردست حکیم ہے اور چونکہ خلف و عید اور امکان کذب اور امکان تطیر وغیرہ مسائل نہایت دقیق بے حد مشکل اور افہام و تفہیم اور دلائل کے لحاظ سے خالص منطقیانہ پہلو کے حامل ہیں۔ اور عوام اس کے سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔ اس لئے اہل بدعت چند دیگر مسائل کی طرح ان کو بھی اہل حق کے خلاف عامۃ المسلمین

کو نفرت دلانے کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اہل بدعت ان کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے جو مختصر کہ خوارج مناطقہ اور فلاسفہ وغیرہ کا ہے۔ (تنقید متین ص ۱۷۰)

سرفراز صاحب نے کذب کو اہلسنت علماء کی طرف منسوب کر کے انہوں نے اپنی روایتی دروغ گوئی کا جیسا سوز مظاہرہ کیا ہے۔ اگر سرفراز صاحب میں ہمت تھی تو اکابرین اہلسنت اور مفسرین کرام میں سے کسی کی صریح اور منصوص عبارت پیش کرتے جس سے ثابت ہوتا کہ اکابر اہلسنت اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ رشید احمد گنگوہی اور محمود حسن کی عبارت پیش کر کے ان سے امکان کذب پر استدلال کرنا جہالت اور حماقت کی آخری منزل ہے۔ بزرگم خورشید محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ طائفہ دیوبند ہی تو اس بدعت کا ذمہ دار ہے اور مجرم کے قول اس کی برأت پر شاہد بنانے کی مجلسبازی دیوبند کی چار دیواری میں تو چل سکتی ہے میدان استدلال میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

امکان کذب میں مکذبین کی عبارتوں کا تضاد | حقیقت یہ ہے کہ مکتب دیوبند

نے جب کذب کی بدعت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تو انہیں ہر جانب سے طاعت ہوئی۔ اور جب انہیں اس باطل عقیدہ پر ہر طرف سے مذمت کی بلخار کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے آپ کو رسوائی سے بچانے کے لئے مختلف طریقے ایجاد کئے چنانچہ کبھی تو صاف طور پر امکان کذب کے عقیدہ کا ہی انکار کر دیا۔

دیکھئے جامعہ مدنیہ لاہور کے مہتمم حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

”اس مسئلہ کو توڑ مڑ کر اور غلط تفسیر کر کے علماء دیوبند کی طرف منسوب

کر دیا گیا۔ اور امکان کذب کا عنوان دے دیا گیا“ (سلسلہ علماء دیوبند ص ۴۰)

یہ عبارت اس معنوم میں واضح ہے کہ امکان کذب ایک غلط عقیدہ ہے حامد میاں صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ امکان کذب ایک غلط تعبیر ہے جسے علماء دیوبند

کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ آئیے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ تعبیر کس نے کی ہے۔ سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”اور اس مسئلہ کو اہل حق خلف وعید اور امکان کذب سے تعبیر کرتے ہیں“

(تنقید متین ص ۱۷۱)

کیا یہ بات اب بھی تشریح طلب ہے کہ دیوبند کے تمام چھوٹے بڑے ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور وہ رنگ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں جھوٹ ان لوگوں کی رگ و پے کا خون اور دل کی دھڑکن بن چکا ہے جھوٹ ان کا دین ایمان اور زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ پھر کوئی ممکن تھا کہ یہ اپنے خدا کو بغیر جھوٹ کے رہنے دیتے۔ چنانچہ اسے بھی اپنا ہمرنگ ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ نہیں تو جھوٹ کا امکان ہی مے دیا۔ اور کون جانتا ہے کہ یہ ان کی معراج کا پہلا درجہ ہو اور تدریج امکان سے تعبیر تک پہنچنا ہی ان کا منہاٹا نظر ہو۔ آئیے اب ہم آپ کو دیوبندی قلابازوں کا ایک اور کرشمہ دکھائیں۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”یہ لوگ حقیقت کذب امکان کذب اور صورت کذب میں جو دقیق فرق

ہے اس کو یا تو سمجھتے ہی نہیں۔ اور چشم پوشی کر کے غلط ملط اور گڈمڈ کر

دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک ادنیٰ سمجھ والا آدمی بلکہ مبتدی طالب علم لفظ کرنے اور کر سکنے میں بخوبی فرق سمجھ سکتا ہے۔ اور کرتا ہے اور کر

سکتا ہے میں اہل لسان کے نزدیک فرق بالکل نمایاں ہے“

(تنقید متین ص ۱۷۲)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک خدا جھوٹ بولتا نہیں بول سکتا ہے۔ اس فرق کو انہوں نے کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ سے ادا کیا ہے اور حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

”کہ اب اسے غلط خواہوں نے یہ جامہ پہنایا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ

جھوٹ بول سکتا ہے“

(سلسلہ علماء دیوبند ص ۵۹)

دیکھئے حامد میاں کو اعتراف ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ بول سکتا ہے کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔ اور اس غلط عقیدہ سے دیوبندیوں کو بری کر رہے ہیں اور سرفراز صاحب اس غلط عقیدہ پر اصرار کر رہے ہیں۔ اسے اہل حق کا مسلک بتلاتے ہیں اور اسی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عظمت بیان کرتے ہیں۔ ان دونوں میں سے کون جھوٹا ہے۔ اسے ہم قارئین کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔ ہمارے نزدیک دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ حامد میاں تقیہ کرنے کی وجہ سے اور اپنا باطل عقیدہ چھپانے کی وجہ سے جھوٹے ہیں یا دیوبندیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید کی جرات نہ رکھنے کی وجہ سے جھوٹے ہیں۔ اور سرفراز صاحب اس عقیدہ کو اہل سنت کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹے ہیں۔

① انتزاع کذب جہوڑ معتزلہ اور اہلسنت کا متفق مسلک ہے

سرفراز صاحب نے انتزاع کذب کی بحث میں جگہ جگہ یہ تاثر دیا ہے کہ انتزاع کذب معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور امکان کذب اہلسنت کا مسلک ہے اور اس طرح سرفراز صاحب نے تاریخ کو جھٹلا کر اپنے جھوٹے مسلک کو سچا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے اگر ہم اس چوڑے پیش کرنا شروع کر دیں تو ایک عظیم دفتر درکار ہوگا۔ سردست بحر العلوم کی ایک عبارت قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جس سے سرفراز صاحب کے جھوٹ کا راز فاش ہو جائے گا۔

والمعتزلة قالوا ثانيا انما
لولا اى كون الحكم عقليا لما امتنع
الكذب منه تعالى
للعقل بغيره واذ اجاز الكذب عليه
معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر حسن وقوع کو
عقلی نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا کذب عقلاً
محال نہیں ہوگا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا
کذب ممکن ہوا تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹے

فلا یمتنع اظہار المجزۃ علی اید
الکاذب ولو اکتفی بہ لکفی فیستد
باب المنبوء وهو مفتوح والجواب
انما اى المذکور نقص فیجب
تنزی تعالیٰ عنہ کیف وقد مر
انما لا نزاع فیہ فانه عقلی باتفاق
العقلاء فالملزمة ممنوعة۔
(مسلم النبوت مع فرائح الرحمت ص ۲۴) اور محال عقلی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ کذب کا محال ہونا صرف معتزلہ کا مسلک نہیں بلکہ سب کا متفق علیہ مسلک ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب متنع بالذات اور محال عقلی ہے۔ اور مذہبن کے اس جھوٹ پر صریح رد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال عادی اور متنع بالغير ہے۔ اس کی مزید تحقیق اُن مذہب صفحات میں کر دی گئی ہے۔

امام رازی اور امتناع کذب | سرفراز صاحب نے امام رازی پر بھی یہ افترا باندھا ہے کہ وہ امکان کذب کے معتقد ہیں۔ انہوں نے ان کا جس عبارت سے امکان کذب ثابت کیا ہے اسے ہم بدیہ ناظرین کے جیتے ہیں۔ دیکھئے سرفراز صاحب کے امکان کذب پر نویں دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۹) حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ نہ تو طاعت پر ثواب واجب

ہے اور نہ معصیت پر عتاب ضروری ہے بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا

فضل اور احسان ہے (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۵) (تفہیم ص ۱۸۲)

قارئین کرام! آپ نے سرفراز کی نقل کردہ عبارت تو ملاحظہ فرمائی جس سے سرفراز صاحب نے بزعم خویش یہ ثابت کر لیا کہ امام رازی امکان کذب کے معتقد

ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے امام رازی کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے تصریح کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے۔ اور آگے چل کر انشاء اللہ ان کی وہ عبارت بھی پیش کریں گے جس میں انہوں نے امکان کذب کے قائل کے بارے میں فرمایا کہ "قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے" سخت حیرت ہے۔ کہ امام رازی تو فرمائیں کہ امکان کذب کا قائل کافر ہے۔ اور سرفراز صاحب اس کفر کو خود امام کے سر منڈھ ہے ہیں۔ گویا امام رازی خود اپنے آپ کو کافر بنا رہے ہیں۔ غالباً اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔ ع

چہ دلا اور راست دُرے کہ بکھن چراغ دارد۔

ملاحظہ فرمائے۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں۔

الکذب والخلف في قولہ کذب اور خلف اللہ تعالیٰ کے قول محال۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱) میں محال ہے۔

نیز فرماتے ہیں

فالخلف في كلام الله تعالى محال۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا خلاف ہونا محال ہے (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۱۵)

ایک اور جگہ فرمایا۔

الکذب نقص والمنقص على الله محال۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۳۴) کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے۔

مزید فرمایا۔

انقلاب خبر الله كذا محال۔ اللہ تعالیٰ کی خبر کا جھوٹا ہونا محال ہے (تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۶)

یہ بھی فرمایا۔

والا لا نقب خبر الله الصدق كذا با و خذاك محال۔ اللہ تعالیٰ کی سچی خبر کا جھوٹا ہونا محال ہے۔

الغرض امام رازی نے اس کثرت سے امتناع کذب پر تصریحات کی ہیں اور اس پر دلائل پیش کئے ہیں کہ ان کو شمار کرنا ایک مستقل رسالہ چاہتا ہے۔

امتناع کذب پر دلائل | سرفراز صاحب نے امتناع کذب کی بحث میں بار بار یہ شکایت کی ہے کہ یہ مسئلہ خالص علمی اور منطقی طرز کا ہے۔ اور انہام و تفہیم کے لحاظ سے بے حد دقیق اور مشکل ہے۔ اس لئے ہم نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ دلائل کی تقریر کو آسان اور سادہ انداز میں پیش کیا جائے تاکہ مکذہبن کو کسی قسم کا کوئی شکوہ نہ رہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن اصدق من الله حديثا۔ اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچی بات کہنے والا ہے۔

مکذہبن باری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صادق ہونا یا اس معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا تو نہیں۔ بول سکتا ہے (یعنی ممکن بالذات اور متمنع بالغير) گزارش یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی معنی کے اعتبار سے صادق ہیں کہ جھوٹ بولتے تو نہیں۔ لیکن بول سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ وہم لاحق (ہوا ہے) کہ انبیاء کرام سے گناہوں کا صدور محال ہے اس لئے یہ عبارت عصمت انبیاء کے خلاف ہے اس وہم کو دور کرنے کے لئے گزارش یہ ہے کہ علامہ تفتازانی متوفی ۷۲۰ھ نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے۔

وحقيقة العصمة ان لا يخلق الله تعالى في الجدا الذنب مع بقاء عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ میں اس کی قدرت اور اختیار کے باوجود

قدرت و اختیار و
وہذا معنی قولہم
معنی لطف من اللہ
تعالیٰ یحملہ علی
فعل الخیر ویزجر
من الشر مع
بقاء الاختیار تحقیقاً
لا ابتلاء و لهذا
قال الشیخ ابو
منصور الماتریدی
العصۃ لا تزیل المختہ
وبہذا یظہر فساد
قول من قال انہا
خاصیۃ فی نفس الشخص
او فی بدانہ یمتنع
بسببھا صدور الذنوب عنہ
کیف ولو کان الذنب
ممتنعاً لما صح تکلیفہ ترک الذنب
ولما کان مثاباً علیہ
شرح عقائد نسفی ص ۱۵۷
مطبوعہ نور محمد احمد المطابع کراچی

گناہ نہ پیدا کرے اور منکلیں
نے جو کہا ہے کہ عصمت اللہ تعالیٰ
کا لطف ہے جو بندہ کو خیر پر
برا نیختہ اور شر سے روکتا ہے
اس قول کا بھی یہی مطلب ہے۔
اسی وجہ سے شیخ ابو منصور
ماتریدی نے فرمایا ہے کہ عصمت
سے بندہ کا مکلف ہونا زائل
نہیں ہوتا ان تصریحات سے
ظاہر ہو گیا کہ جن لوگوں نے
دشیعہ حضرات عصمت کی یہ تعریف کی
ہے کہ وہ انسان کے دل میں ایسی
خاصیت ہے جس کی وجہ سے انسان
کا صدور محال ہو جاتا ہے یہ تعریف
فاسد ہے کیونکہ اگر کسی انسان
سے گناہوں کا صدور محال ہو تو
تو اس کو نہ گناہوں کے ترک کرنے
کے ساتھ مکلف کرنا
صحیح ہوگا اور نہ ترک گناہ پر
وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

مسائل اعتقاد میں احاطہ اہلسنت کے امام شیخ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ ہیں
اور انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ انبیاء کرام سے گناہ ممکن ہیں لیکن وہ کرنے نہیں ہیں مفتی احمد
یاد خاں مرحوم نے بھی لکھا ہے کہ نبوت کے بعد انبیاء کرام سے خطا و نسیا نا گناہ کبیرہ
صادر ہو سکتے ہیں اور عمداً بعض ایسے متعثر بھی جو خیس نہ ہوں ملاحظہ فرمائیے
لکھتے ہیں۔

انبیاء کرام گناہ کبیرہ سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے
پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد ہاں نسیا نا خطا صادر ہو سکتے ہیں
الی ان قال اور وہ متعثر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں (جاء
الحق حصہ اول ص ۲۷۷)

مفتی صاحب کی اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ انبیاء سے گناہوں کا صدور ممکن ہے اور
یہ مفتی احمد یاد خاں مرحوم ومن اصدق من اللہ حدیث کی تفسیر میں لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ اللہ
تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر اور رب
تعالیٰ تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا واجب بالذات ہونا چاہیئے ورنہ اللہ
کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہوگا (نور العرفان ص ۱۴۴) مفتی صاحب نے جو کچھ
اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے یہ بعینہ وہی ہے جو توضیح البیان میں زیادہ آسان طریقہ اور وضاحت سے مذکور ہے۔
پس اللہ تعالیٰ کا صدق انبیاء علیہم السلام کے صدق کے برابر ہوگا کیونکہ دونوں جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول
سکتے ہیں۔ اور یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن پاک کا یہ ارشاد
ہے۔ ومن اصدق من اللہ حدیثاً اور یہ انتقام انکاری ہے جس کا
حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔ یعنی نہ تو جھوٹ بولتا ہے
اور نہ بول سکتا ہے۔ پس صدق میں نہ کوئی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ اس کے
برابر ہے۔ لیکن مکذبین کی بدعت سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم
السلام دونوں کا کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہو یعنی جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن
بول سکتے ہیں۔ اس آیت کو یہ کامعنی اسی وقت صحیح ہوگا جبکہ اہلسنت کے طریقہ

پر یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ساری مخلوقات سے زیادہ سچے انبیاء علیہم السلام ہیں لیکن ان کے کام میں بھی کذب ممکن بالذات متمنع بالغير ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بول سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انبیاء سے بھی زیادہ سچا ہے کیونکہ اس کے کلام میں کذب متمنع بالذات اور محال عقلی ہے یعنی وہ نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

اما اصحابنا فدلہم انما لوکان کاذبا لکان کذبا قدیما ولوکان کذبا قدیما لامتنع زوال کذبا لامتناع عدم علی المقدم ولو امتنع زوال کذبا قدیما لامتنع کوثره صادق لان وجود اخذ الضدين بمنع وجود ضد الاخر فلوکان کاذبا لامتنع ان یصدق لکنہ غیر متمنع لانا نعلم بالضرورة ان کل من علم شیئا فانما لا یمتنع علیہ ان یتحکم علیہ بحکم مطابق للسلوک علیہ والعلم بحدہ الصفة ضروری فاذا کان امکان الصدق قائما کان امتناع الکذب حاصلًا محالًا۔

تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱

علامہ نقاشانی امتناع کذب پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
اما ادلائب اجماع العلماء واما ثانیاً

برکف امتناع کذب پر پہلی دلیل یہ ہے کہ

فیما تو ان من اخبار الانبیاء علیہم السلام الثابت صدقہم بدلالة معجزات من غیر توقف علی ثبوت کلام اللہ تعالیٰ فضلا عن صدقہ واما ثانیاً فان الکذب نقص باتفاق العقلا و هو علی اللہ تعالیٰ محال لما فیہ من اماوة العجز والجهل والعبت واما امر بخلافه لواقصف فی الازل بالکذب فی خبر ما۔ لامتنع صدقہ فیہ لان ما ثبت قدما امتنع عدمه لکن نعلم بالضرورة ان من علم النسبة لا یمتنع علیہ ان یخبر عنها علی ما ہی علیہ۔

(شرح مقاصد ج ۲ ص ۱۰۳)

ومن اصدق من اللہ حدیثا لاحدا اصدق منه فی اخبارہ و وعدہ و وعیدہ لاستحالة الکذب علیہ تعالیٰ (تفسیر دارک)

علامہ بیضاوی اسی آیت کے فرماتے ہیں۔

انکار ان یکون احدا اکثر صدقا منه فانه لا یتطرق الکذب الخیر بوجه لان نقصه هو علی اللہ محال۔

اجماع علماء سے کذب محال ہے دوسری یہ کہ اخبار انبیاء علیہم السلام سے تو اثبات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے اور ان اخبار کا صدق معجزات ثابت ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے حتیٰ کہ در لازم آئے تیسری یہ کہ کذب کے نقص ہونے پر تمام عقلا کا اتفاق ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے چوتھی یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ازل میں کذب سے متصف ہوتا تو اس کا صدق متمنع ہو جاتا کیونکہ ازل و صف قدیم ہوتا ہے اور قدیم پر عدم متمنع ہے۔ حالانکہ ہم بدانتہا جانتے ہیں کہ جو کسی نسبت کو جانتا ہو اس کے لئے اس کے مطابق خبر دینا متمنع نہیں ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص نہ وعدہ میں سچا ہے نہ وعید میں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کذب محال ہے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں انکار فرماتا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو کیونکہ اس کی خبر میں کذب کسی طرح راستہ نہیں پاسکتا اس لئے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ

(انوار التنزیل)

علامہ خازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ولای جونی علیہ الذب اللہ تعالیٰ کے لئے کذب ممکن نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل فرماتے ہیں۔

لا ینتدق الذب الی خبرہ بوجہ کذب اللہ تعالیٰ کی خبر کی طرف راستہ نہیں پاسکتا
لانما نقص وھد علی اللہ محال۔ کیونکہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ

(تفسیر روح البیان) پر محال ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ متوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں۔

والکذب علیہ محال۔ کذب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۱۴)

فاضل سیالکوٹی فرماتے ہیں۔

الکذب فی کلامہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب بالاجماع
باطل بالاجماع۔ باطل ہے۔

(حاشیہ عبدالحکیم علی النجاشی ص ۲۰۱)

امام ابن ہمام فرماتے ہیں۔

یستجیل علیہ صفات النقص اللہ تعالیٰ پر صفات نقص محال ہیں مثل جہل
کالجہل والکذب (مسارہ ص ۳۹۳) اور کذب کے۔

علامہ عبدالحزیز برہاردی فرماتے ہیں۔

واعلم ان اھل الملل اجمعوا علی جان کو کہ تمام اہل مذاہب کا اس بات پر اجماع
ان الذب من اللہ سبحانہ محال ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کذب محال

(نبراس ص ۲۱۹)

استحالة کذب پر علماء اسلام کی ہمیشہ تصریح

موجود ہیں، ہم نے ان میں سے چند عبارات

محال عقلی یا محال عادی

پیش کرنے پر اکتفا کی ہے۔ مکذبین سے جب کچھ نہیں بن پڑتا۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ان
عبارات میں محال سے مراد محال عقلی نہیں۔ بلکہ محال عادی ہے اور وہ کذب کے
جواز اور امکان کے منافی نہیں ہے۔ لہذا امکان کذب کی نفی ثابت نہیں ہوئی

الجواب۔ اولاً تو محال کا معنی متباہر محال بالذات اور محال عقلی ہے اور لفاظ
میں اصل یہی ہے کہ ان کو معانی متباہرہ پر محمول کیا جائے۔

ثانیاً محال کا معنی محال بالغیر کرنا بوجہ خلاف اصل ہونے کے محتاج الی
القربہ ہے اور جب عبارات میں کوئی قریبہ صارفہ نہیں ہے، نہ حالی نہ مقالی۔ تو
اس کو مجاز پر محمول کرنا قطعاً باطل ہے۔ پس جن عبارتوں میں مطلقاً محال کا ذکر کیا
گیا ہے، اس سے مراد یقینی طور پر محال عقلی ہے۔

ثالثاً، یہ کہ یہاں محال سے مراد محال عقلی ہونے پر تصریحات موجود ہیں جیسا
کہ ہم عنقریب نقل کریں گے۔

رابعاً۔ جو دلائل ہم نے کتب کلامیہ سے نقل کئے ہیں۔ ان کا مطلب محال
عقلی ہے۔ نہ کہ محال عادی۔ دیکھئے شرح مقاصد جلد ۲ ص ۱۰۴۔ شرح مواقف ص ۶۰
تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱۔

خامساً۔ اس شبہ کی اس وقت کوئی حیثیت ہو سکتی تھی۔ جب کتب کلامیہ اور
تفاسیر میں وقوع کی نفی کی جاتی۔ لیکن جب کہ کتب کلامیہ اور تفاسیر میں امکان اور جواز
کی نفی کی ہے تو ثابت ہوا کہ کذب باری محال عقلی اور محتج بالذات ہے۔ اب ہم
آپ کے سامنے وہ عبارات لاتے ہیں جن میں جواز اور امکان کی نفی پر روشن تصریح
موجود ہے۔

علامہ جلال الدین دوانی فرماتے ہیں۔

ولای صح علیہ الجہل ولا الذب اللہ تعالیٰ کیلئے نہ جہل ممکن ہے نہ کذب

(شرح عقائد جلد ۱ ص ۲۸)

نیز فرماتے ہیں۔

الكذب نقص والنقص عليه محال
فلا يكون من الممكنات ولا يشمله
القدر (شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۶۲)
علامہ خازن فرماتے ہیں۔

ولا يجوز عليه الكذب
(تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۷۸)

امام رازی فرماتے ہیں۔

فإذا جاز عليه الخلف فقد
جوز الكذب على الله ولهذا خطأ
عظيم بل يقرب من أن يكون كفرًا
(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۹۲)

ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

الصحيح ان الدعا بالمغفرة
للمشركين كفر لعدم جواز عقل
وشرعاً (مطفاً) (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۸)

واضح رہے کہ مشرک کی مغفرت اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کو مستلزم
ہے جب مغفرت مشرک محال عقلی ہوئی تو کذب بھی محال عقلی ہوا۔ کیونکہ مستلزم
محال ہوتا ہے۔

بجملہ ائمہ اہل سنت نے تصریحات علماء اہل سنت سے یہ ثابت کر دیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کا کذب عقلاً ممکن نہیں اور محال بالذات ہے، لہذا ثابت ہوا
کہ باقی عبارتوں میں بھی محال سے مراد محال بالذات ہے۔

قارئین کرام ہم نے امتیاع کذب کو نصوص قطعیہ اقوال مفسرین اور اجماع
اہل سنت سے ثابت کر دیا۔ اس کے برعکس اہل دیوبند کے پاس امکان کذب

کے عقیدہ پر نہ کوئی نص قطعی ہے اور نہ مستند اکابر اسلام میں سے کسی کا صاف اور
صریح قول ملے کے وہ عموم قدرت اور خلف وعید سے لوگوں کو مغالطہ دیتے
ہیں۔ اور ہم سطور ذیل میں انشاء اللہ العزیز ان کی تمام غلط فہمیاں دور کر دیں گے۔

عموم قدرت سے دبیانہ کو دھوکا
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
ان الله على كل شيء قدير
اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ چنانچہ مکذبین کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر
قادر ہے تو اپنے جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے چلئے امکان کذب ثابت ہو گیا۔
الجواب۔ علامہ بیضاوی اس آیت کے تحت شئی کا معنی بیان کرتے ہوئے
فرماتے ہیں۔

ای شئی وجودہ وما شاء الله
وجودہ فہو موجود فی الجملة
وعليه قوله تعالى ان الله على كل
شئی قدير۔ الله خالق كل شئی فہما
على عمومهما بلا مشنویت و
المعتزلة لما قالوا الشئی ما یصح
ان یوجد وهو لیم الواجب الممكن
او ما یصح ان یعلم ویخبر عنه فیعم
الممتنع ایضاً لزمہم التخصیص فی
الموضعین بدلیل العقل۔
(انوار التنزیل ج ۱ ص ۲۸)

علامہ بیضاوی کی اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک جس
چیز کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے (وہ فی الجملہ موجود ہوگی) پس اگر اللہ تعالیٰ کی

اپنے کذب پر قدرت مافی جائے۔ تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا کذب کسی نہ کسی مرتبہ میں موجود ہو۔

ثانیاً اگر یہ مان لیا جائے کہ جس چیز کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا بھی ممکن ہے۔ تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا سیاہی اور سفیدی کے ساتھ متصف ہونا بھی ممکن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ ممکن ہے محمود حسن صاحب کی طرح سرفراز صاحب بھی کہہ دیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا تمام قبائح کے ساتھ اتصاف جائز ہے۔ تو سیاہی اور سفیدی کے ساتھ بھی موصوف ہونا جائز ہو جائے تو کیا حرج ہے جو اباً گذارش ہے کہ آپ کی جان پھر بھی نہیں چھوٹی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو موت کے پیدا کرنے پر بھی قدرت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حیات اور موت کا خالق ہے اور جب آپ کے نزدیک قدرت علی الکذب کی وجہ سے خدا کا کذب ممکن ہے تو لازم آئے گا کہ قدرت علی الموت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی موت بھی ممکن ہو۔ اور جس کی موت ممکن ہو۔ اس کا وجود واجب نہیں ہوتا۔ پس لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہے۔ اور جس کا وجود واجب نہ ہو۔ وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ کو اس سے کیا۔ آپ امکان کذب پر اصرار کیجئے۔ چاہے خدا کی خدائی سے انکار ہو جائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سرفراز صاحب! خدا جانے بھی دیجئے اور اللہ تعالیٰ کے وجوب صدق پر ایمان لا کر امکان کذب سے توبہ کیجئے۔

خلف وعید اہل دیوبند کا مغالطہ
عموماً اہل دیوبند خلف وعید سے یا تو خود مغالطہ کھاتے ہیں یا جان بوجھ کر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ حقیقت خواہ کچھ ہو۔ بہر حال ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب کو عذاب دینے کی وعید فرمائی ہے اور بعض شاعر کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان کو عذاب نہ دے باوجود وعید کے عدم عذاب پر قدرت بعینہ کذب پر قدرت ہے۔ چلنے پھٹی ہوئی۔ امکان

کذب ثابت ہو گیا۔ یہ ہے وہ خلف وعید جس سے دیوبندی امکان کذب ثابت کرتے ہیں۔ دیوبندوں نے اس استدلال میں جو مغالطہ کھایا ہے اسے زائل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ خلف وعید کی تحقیق کریں تاکہ حق اپنے جیہ پہلوؤں کے ساتھ واضح ہو جائے۔

اہل سنت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا سب کچھ بخش دے گا جس کے لئے چاہے کہ صاحب گناہ کبیرہ جو بغیر توبہ کے مر گیا ہو، اسے بھی اللہ تعالیٰ بخش دے گا معتزلہ نے اس کا انکار کیا کیونکہ گناہ گاروں کے بارے میں قرآن کریم میں آیات وعید موجود ہیں۔ اور اگر گناہ گاروں کی بخشش بلا توبہ مان لی جائے تو ان آیات کا خلاف لازم آئے گا۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ لا یغفر ان یشرک بہ الی ان قال ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء من الصغائر والکبائر مع التوبۃ او بد و فہا خلافاً للمعتزلۃ (شرح عقائد نسفی ص ۸۰)
اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے سوا سب کچھ بخش دے گا۔ خواہ صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ۔ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔

اب اہل سنت پر یہ اعتراض باقی رہا کہ جب صاحب گناہ کبیرہ کی مغفرت مان لی تو ان آیات کا خلاف لازم آگیا۔ جن میں گناہ گاروں کی وعید بیان کی گئی ہے پس اہل سنت ماترید یہ نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ خلاف تب لازم آتا۔ اگر آیات وعید اپنے عموم پر ہوتیں یعنی ہر گناہ گار کو عذاب ہوگا۔ حالانکہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں بلکہ آیات عفوان کی مخصوص ہیں پس آیات عفو اور آیات وعید دونوں کے محل علیحدہ علیحدہ ہونگے۔ یعنی بعض گناہ گاروں کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اور بعض کو بخش دے پس کسی تعارض لازم نہیں آیا۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

وقد كثرت النصوص في العفو
فيخص المذنب المذنب المذنب
عن عمومات الوعيد -
(شرح عقائد نسفی ص ۸۱)

اور عفو میں کثیر نصوص وارد ہیں پس جو
گنہ گار بلا توبہ بخشے جائیں گے۔ ان
کی آیات وعید سے تخصیص کر لی جائے
گی۔

اور بعض اشاعرہ نے اس کے جواب میں کہا کہ جسے عذاب کی دھمکی دی جائے
اور پھر بعد میں اس کو سزا نہ دی جائے تو یہ محض کرم ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ گنہ گار کو
کو معاف کر دے گا۔ اور اگر آیات وعید کا خلاف واقع ہو جائے۔ تو کوئی حرج
نہیں۔ کیونکہ خلف وعید بوجہ کرم ہونے کے جائز ہے۔
علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

وزعم بعضهم ان الخلف في
الوعيد كرم فيجوز من الله
تعالى - (شرح عقائد نسفی ص ۸۱)

اور بعض لوگوں (اشاعرہ) نے اس سوال کے
جواب میں کہا کہ خلف وعید کرم ہے اور
وہ اللہ تعالیٰ پر جائز ہے۔

اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ
جو لوگ خلف وعید کو مانتے ہیں وہ
محض خلف وعید کے امکان کو نہیں مانتے بلکہ اس کو بالفعل مانتے ہیں کیونکہ گنہ گار کو
کو مغفرت بالفعل حاصل ہوگی۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ہے۔ و يغفر ما دون ذلك
لمن يشاء من الصغائر والكبائر مع التوب اوجدها الله تعالى شرک
کے ماسوا تمام گنہ بخش دے گا خواہ گنہ صغیر ہوں یا کبیرہ۔ توبہ کی ہویا نہ کی ہو۔ اور
اشاعرہ کے نزدیک خلف وعید گنہ گاروں کی مغفرت پر مترتب ہے پس چونکہ یہ
مغفرت بالفعل ہے۔ تو خلف وعید جو اس پر مترتب ہے۔ وہ بھی بالفعل ہوگا
اور آپ چونکہ کذب کو خلف وعید کا لازم سمجھتے ہیں۔ پس لازم آئے گا کہ اللہ
تعالیٰ کے کلام میں کذب بالفعل واقع ہو۔ اور خدا بالفعل جھوٹا ہو (العیاذ باللہ)
پس اب دیوبندیوں سے گزارش ہے کہ اگر وہ کذب کو واقعی خلف وعید کی فرع

سمجھتے ہیں تو امکان کا پیوند لگا کر لوگوں کو دھوکا نہ دیں بلکہ صاف طور پر خدا کو بالفعل
کاذب کہا کریں۔

احناف ماتریدی مذہب لکھتے ہیں اور شوافع
مکذبین سے دوسری گزارش

نے اشعری مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اب ہم
دیوبندی حضرات سے پوچھتے ہیں کہ جب وہ اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں تو انہوں
نے خلف وعید کے مسئلہ میں حنفیوں کے ماتریدی مذہب چھوڑ کر شافعیوں کے اشعری
طریقہ کو کیوں اختیار کیا۔ کیا اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ انہیں اپنی کم فہمی سے بعض
اشاعرہ کے مذہب میں کذب کا چور دروازہ نظر آگیا تھا۔

ماتریدیہ اور محققین اشاعرہ نے خلف وعید
خلف وعید پر محققین کا رد
کو رد کر دیا ہے۔ کیونکہ آیات وعید کا خلاف
ماننا اللہ تعالیٰ کے قول کو بدلنا اور بالفعل قول بالکذب کرنا ہے۔ کیونکہ خلف
وعید پر اللہ تعالیٰ کا کلام بالفعل کاذب ہو جائے گا۔
علامہ تفتازانی اشعری فرماتے ہیں۔

المحققون على خلافه كيف و
لهو تبديل للقول وقد قال الله
تعالى وما يبذل القول لذي -
(شرح عقائد ص ۸۱)

اور محققین نے خلف وعید کا انکار کیا
کیونکہ خلف وعید میں اللہ تعالیٰ کے قول کو
بدلنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے
قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اور امام فخر الدین رازی اشعری فرماتے ہیں۔
قولہ تعالیٰ فلن يخلف الله تعالی
عهدی دل علی ۲ نہ سبحانہ منزه
عن الکذب فی وعدہ ووعدہ قال
اصحابنا لان الکذب صفة نقص
والنقص على الله محال وقالت

اللہ تعالیٰ کا قول فلن يخلف اللہ عہدہ
اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے
وعدہ اور وعید دونوں میں کذب سے
منزه ہے۔ اہلسنت کی دلیل یہ ہے کہ کذب
نقص ہے۔ اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے

المختزلة لانه سبحانه عالو بقبح
القبیح وعالم بكونه غنيا عنه والكذب
قبیح لانه كذب والعالم بقبیح القبیح
وبكونه غنيا عنه یتخیل ان یفعل
فذل علی ان الكذب منه سبحانه
محال فلهذا قال فلن یخلف الله عهدہ
فان قبل العهد هو الوعد وتخصیص
المشیء بالمشیء یدل علی نفی ما عدا
فلما خص الوعد بانہ لا یخلفه علمنا
ان الخلف فی الوعد جائز ثم العقل
یطابق ذالك لان الخلف فی الوعد
لؤم وفي الوعد کرم قلنا الدلالة
المذكورة قائمة في
جميع انواع الكذب
تفسير کبرج ص ۳۸۳

اور تمت کلمات ربک صدقاً وعدلاً کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

من صفات کلمۃ اللہ کونہا
صدقاً وعدلاً والدلیل علیہ ان
الکذب نقص النفس علی اللہ محال
الی ان قال واعلم ان هذا الکلام
کما یدل علی ان الخلف فی وعد اللہ
تعالی محال فهو ایضاً یدل علی ان
الخلف فی وعیدہ محال بخلاف

اللہ تعالیٰ کے کلمات کی صفت صدق
ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے
اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اور یہ کلام
جس طرح خلف وعید کے محال ہونے
پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح خلف
وعید کے استحالة پر بھی دلالت کرتا
ہے بخلاف واحدی کے۔

فی تفسیر قولہ تعالیٰ ومن یقتل
مؤمناً متعدياً فجراًہ جہنم خالد
فیہا ان الخلف فی وعید اللہ جائز
وذالك لان وعد اللہ ووعدہ
کلمۃ اللہ فلما دللت هذا الایۃ علی
ان کلمۃ اللہ یجب کونہا موصوفۃ
بالصدق علم ان الکذب کما انہ
متنعم فی الوعد کذا الذک ممتنع فی
الوعد لا تفسیر کبرج ص ۱۳۴

نیز امام رازی ومن یقتل مؤمناً متعدياً کے تحت احدی
کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لان الوعد قسم من اقسام
الخبر فاذا جوز علی اللہ الخلف فیہ
فقد جوز الکذب علی اللہ وهذا
خطا عظیم بل یقرب من ان یکون
کفر ا فان العقل اجمعوا علی انہ
تعالی منزہ عن الکذب ولا انہ
اذا جوز الکذب علی اللہ فی الوعد
لاجل ما قال ان الخلف فی الوعد
کرم فلم لا یجوز الخلف ایضاً فی
وعید الکفار وایضاً اذا جاز الخلف
فی الوعد لغرض لکرم فلم لا یجوز الخلف
فی القصص والاخبار لغرض المصلحت

وعید خبر کی ایک قسم ہے پس جب اللہ
تعالیٰ کے لئے اس کی خبر میں خلف کو جائز
مانا گیا تو اللہ تعالیٰ پر کذب کو جائز مانا
گیا اور یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ قریب
بہ کفر ہے کیونکہ تمام عقلاء کا اس پر
اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب سے منزہ
ہے اور نیز جب کرم کی بنا پر وعید مؤمنین
میں خلف جائز رکھا گیا ہے تو پھر وعید
کفار میں خلف کیوں جائز نہیں۔ مزید
براں یہ کہ جب کرم کی بنا پر وعید
میں خلف جائز ہے۔ تو مصلحت کی بنا پر
قصص اور اخبار میں خلف کیوں جائز نہیں

ومعلوم ان فتح هذا الباب يفضي الى
الطعن في القرآن وكل الشريعة -
اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی جرأت قرآن بلکہ
تمام شریعت میں طعن کا دروازہ کھولتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۹۲)

مکذبین سے بیسری گزارش
بعض اشاعرہ کے قول خلف وعید کو
باغبار ظاہر کے محققین اہلسنت نے رد
کر دیا ہے۔ پس اب مکذبین سے گزارش ہے کہ آپ نے اس باطل اور مردود قول پر
اپنے مسلک کی عمارت قائم کر کے کیا اہل فہم کو یہ سوچنے کا موقعہ نہیں دیا کہ جس مذہب
کی بنیاد ہی فاسد ہے اس کی عمارت کے فساد کا کیا عالم ہوگا۔

کیا اشاعرہ امکان کذب کے قائل ہیں
اس تحقیق سے یہ امر ظاہر ہو گیا
کہ بعض اشاعرہ نے جو خلف

وعید کا قول کیا ہے۔ اس کو جمہور اہل سنت نے رد کر دیا۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے
کہ کیا جن اشاعرہ نے خلف وعید کا قول کیا۔ وہ قول بالکذب بھی کرتے ہیں جس طرح
مولوی اینٹھوی۔ مولوی گنگوہی اور مولوی محمود حسن صاحب اور تمام وہابی دیوبندی
مکذبین نے اپنی جہالت سے سمجھا کہ یہ مسئلہ توقدما میں مختلف فیہ ہے اور امکان کذب
خلف وعید کی فرع ہے۔ پس ہم واشکاف الفاظ میں یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ
اشاعرہ اور ماتریدیہ میں کذب کے محال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

دیکھئے کمال الدین بن ابی شریف جو اشعری المذہب فرماتے ہیں۔

لا خلاف بین الاشعرية وغيرهم
في ان كل ما كان وصف نقص في
حق العباد فالبارئ تعالى منزّه
عنه وهو محال عليه تعالى والكذب
وصف نقص في حق العباد الى ان
قال فهو مستحيل في حقه عز وجل -
اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس
بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر
وہ شے جو بندوں کے حق میں وصف نقص
ہو وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور کذب
بندوں کے حق میں وصف نقص ہے۔
پس وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

(مسامرہ ص ۲۰۶)

مسامرہ کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں امتناع
کذب کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خلف وعید کے
مسئلہ پر انہیں قول بالکذب لازم کیا گیا۔ تو انہوں نے کذب سے اپنی برأت کا اظہار
کیا اور کہا کہ آیات وعید انشاء بخلاف پر محمول ہیں اور انشاء میں صدق و کذب کا
احتمال نہیں ہوتا۔ پس خلف وعید سے کذب لازم نہیں آتا۔

بعض محققین نے اور جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات وعید
اصرار عدم توبہ یا عدم عفو یا مشیت کے ساتھ عند اللہ متعبد ہیں۔ یعنی جس آیت
میں گنہ گار کو عذاب دینے کی وعید کی گئی ہے اس کے بعد شرط محذوف ہے مثلاً
میں گنہ گار کو ضرور عذاب دول گا۔ اگر اس کو معاف کروں یا اگر چاہوں تو یا اگر وہ توبہ
نہ کرے اور محصیت پر مصر رہے۔ پس اب اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر کے
عذاب نہ دے یا اپنی مشیت یا اس کی توبہ کی وجہ سے عذاب نہ دے۔ تو اس
کے کلام کا خلاف لازم نہیں آیا۔ البتہ ظاہری اور صوری طور پر اسے خلف وعید
کہا گیا ہے۔ کیونکہ کلام میں شرط کا ذکر نہیں۔ اور علماء محققین نے شرط کے حذف
کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر شرط کو کلام میں صراحتہ ذکر کر دیا جاتا تو گنہ گار
گناہوں پر دلیر ہو جاتے۔ اب ہم آپ کے سامنے اپنے اس بیان کی تائید میں علماء
محققین کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

دیکھئے مشہور اصولی علامہ محب اللہ بھاری اپنی شمرہ آفاق تصنیف مسلم
النبوت پر واجب کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

وقيل ما وعدنا لعقاب على تركه
ولا يخرج العفولان الخلعت في
الوعيد جائد دون الوعد ودبان
ايعاد الله تعالى خبر فهو صادق
اور بعض لوگوں نے واجب کی تعریف
میں کہا کہ واجب وہ فعل ہے جس کے فعل
پر عذاب یا جائے اور عفو اس تعریف سے
خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ خلف وعید جائز ہے

قطعا ونحو یز کو نہ انشاء للتخويف
کما قيل عدول عن الحقيقة بلا
موجب على انه مثله تجرى في
الوعيد فينسب باب المعاد اقول
لو تردد على بطلان العفو مطلقا
والكلام في خروجه بعد
تسليم وجوده فلا بد ان
يقال ان الاعداد في كلامه
تعالی مقید بعدم العفو۔

(مسلم الثبوت ص ۲۶)

خلف وعید سے جو بظاہر کذب لازم آتا ہے اس کے علامہ محب شہبازی
نے دو جواب دیئے ہیں، ایک آیات وعید کو عدم عفو سے مقید کر کے۔ دوسرا
ان آیات کو انشاء تخويف پر محمول کر کے پھر دوسرے جواب پر یہ اعتراض قائم
کیا کہ یہ آیات اخبار ہیں اور اخبار کو بلا موجب انشاء پر محمول کرنا عدول عن الحقيقة
ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح تو کوئی آیات وعدہ کو بھی انشاء ترغیب پر محمول کر سکتا
ہے۔ علامہ بحر العلوم کھنوی نے فواتح الرحموت میں اس اعتراض کا جواب دے
کر انشاء تخويف والے جواب کی تصویب فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں۔

فالحق ان الموجب للعدول
منحقق وهو ثبوت جواز العفو
لاهل الكبار والغیر المشرک وثبوت
قطعيا جلیا مثل الشمس على نصف
النهار فلا بد من العدول عن

الظاهر في الوعيدات التي لغير
الكفرة فاما بالنقيض او جعله
لانشاء التخويف واما الوعد
فلا موجب فيه فيبقى على الحقيقة
(فواتح الرحموت ص ۲۳)

علامہ محقق جلال الدین رقم طراز ہیں۔

قلت ان حملت آيات الوعيد
على انشاء التهديد فلا خلف لانه
حينئذ ليس خبرا بحسب المعنى
وان حمل على الاخبار كما هو الظاهر
فيمكن ان يقال بتخصيص المذنب
المغفوس عن عموماً الوعيد
بالدلائل المفضلة ولا خلف على
هذا التقدير ايضا فلا يلزم تبديل
القول واما اذا لم يقل باحد هذين
الوجهين فيشكل التخصيص عن
لزوم التبديل والكذب اللهم
الا ان يحمل آيات الوعيد على
استحقاق ما وعد به لا على وقوعه
بالفعل وفي الآية المذكورة اشارة
الى ذلك حيث قال فخذاه جهنم
خالدا فيها۔

شرح عقائد دوانی ج ۲ ص ۶۳

ضروری ہوا۔ پس یا تو آیات کو مقید کیا
جائے گا یا ان کو انشاء تخويف پر محمول کیا جائے
گا۔ رہا وعدہ تو اس میں چونکہ حقیقت سے
عدول کرنے کا کوئی موجب نہیں تو وہ اپنی
حقیقت پر رہے گا۔

میں کہتا ہوں اگر آیات وعید کو انشاء
تخويف پر محمول کیا جائے تو خلف لازم
نہیں آئے گا کیونکہ یہ اس وقت معنوی طور
پر خبر نہیں ہوں گی اور اگر ظاہر کے اعتبار
سے انہیں اخبار پر ہی محمول کیا جائے تو پھر
یہ آیات عام مخصوص عن بعض کے
قبیل سے ہیں اور دوسرے دلائل کی وجہ
سے عموماً وعید سے مذنب مغفور کی
تخصیص کر لی جائیگی اور اگر یہ دونوں وجہیں
نہ کی جائیں تو لزوم کذب اور خلف سے
چھٹکارا مشکل ہے البتہ اگر یہ کہا جائے کہ
آیات وعید میں سزا کے وقوع کی خبر نہ مقصود
نہیں بلکہ سزا کا استحقاق بیان کرنا مقصود ہے
(یعنی کسی شخص نے گناہ کیا تو وہ اس سزا کا مستحق ہے
نہ کہ اسے یہ سزا ملے گی پس عفو کی تقدیر پر کذب لازم
نہیں آئے گا) چنانچہ آیریم فخرہ جہنم خالد فیہا میں
اس کا اشارہ موجود ہے۔

علامہ محقق شرح عقائد دوانی اس بحث میں نیز فرماتے ہیں -

والوجه في دفعه ان آيات الوعيد مشروطة بشروط معلومة من الآيات الاخر والاحاد يثبت منها الاصداس وعدم التوبة منها عدم عفوہ تعالى فيكون في قوة الشرطية فلا يلزم الكذب اصلا -

اور اس اشکال کا رفع اس طرح ہے کہ آیات وعید مشروطہ کے ساتھ مقید ہیں جو دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہیں مثلاً اصرار عدم توبہ اور عدم عفو وغیرہ اور یہ اخبار قضایا شرطیہ کی قوت میں ہیں پس انتفاء شرط کی تقدیر پر انتفاء مشروط (عقاب) اصلاً کذب کو مستلزم نہیں ہے -

(شرح عقائد دوانی ج ۲ ص ۲۹)

شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں -

و یجوز انہ کہ خلاف وعدہ وعید او قطعاً نرود والا کذب اخبار او لازم آید تعالیٰ عن ذالک جوالبش آنت کہ بقریہ اقتضاء کرم در اخبار وعید شرط مشیت مقدر بود اگرچہ تصریح بدان نکرده باشند و خبر وعدہ ختماً مقضیاً باشد و آیات احادیث کہ درینجا تصریح بمشیت وقوع یافتہ است نیز قریبہ آں تواند بود یا خود را از اخبار وعید استحقاق عذاب است نہ وقوع بالفعل یا لمرد بدل انشاء وعید است نہ حقیقت اخبار پس کذب

اور بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ وعدہ اور وعید کا خلاف قطعاً ممکن نہیں ورنہ اخبار میں کذب لازم آئے گا - اس کا جواب یہ ہے کہ اقتضاء کرم کے قریبہ سے وعید مشیت کے ساتھ مشروط ہے اور وعدہ کی خبر یقینی طور پر پوری ہو اور جن آیات و احادیث میں مشیت کی تصریح ہے وہ نیز اس امر پر قریبہ ہیں یا پھر آیات وعید میں وعید سے مراد سزا کا استحقاق ہے نہ کہ سزا کا وقوع اور فعلیت اور یا آیات وعید انشاء و تخلف پر محمول ہیں و حقیقت میں

تبدیل لازم نہ آید -

(تکمیل الایمان ص ۴۳)

علامہ خیالی فرماتے ہیں

اخبار نہیں ہیں حتیٰ کہ کذب یا تبدیل

لازم آئے -

میں کتنا ہوں کہ شاید بعض اشاعرہ کی مراد

یہ ہے کہ کریم جب کسی سزا کی خبر دیتا ہے

تو اس کی شان کے لائق یہ ہے کہ اس سزا کو

اپنی مشیت پر موقوف کر دیتا ہے اگرچہ

اس شرط کی تصریح نہیں کرتا - بخلاف وعدہ

کے پس نہ کذب لازم آیا اور نہ تبدیل -

واقول لعل مرادہم ان الکرم

اذا اخبرہ بوعد فاللائق بشارتہ

ان یبني اخبارہ علی المشیۃ وان

لو یصرح بذالک بخلاف الوعد

فلا کذب ولا تبعا یل -

(حاشیہ خیالی ص ۱۴۶)

اور علامہ عبد العزیز پرہاروی اشاعرہ کی طرف سے لزوم مکان کذب

کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں -

اشاعرہ نے جو کہا ہے کہ خلف وعید کرم

ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کریم جب

کسی سزا کی خبر دیتا ہے تو اس کے کرم سے

بعید نہیں کہ وہ اس سزا کو اپنی مشیت پر

موقوف کرے اگرچہ وہ اس تعلیق کی تصریح

نہیں کرتا تا کہ عاصی محصیت پر دلیر نہ

ہو جائے لیکن جب وہ کسی انعام کی بشارت

دیتا ہے تو اس کی شان کے لائق البقا اور

پورا کرنا ہے - قوت قلوب میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جس سے

اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے تو اس کو پورا فرماتا ہے

اور جس کو کسی عمل پر سزا کی خبر دیتا ہے تو اس

معنی قولہم الخلف فی الوعد

کرم ان الکرم اذا اخبر بالوعد

فلا یبعد من کرمہ ان یحلقہ

بالمشیۃ وان لم یصرح بها لئلا

یغتر بها العاصی اما اذا اخبر

بالوعد فاللائق بحالہ الابقاء

والانجاس وقال فی قوۃ القلوب

روینا عن رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم من وعد

اللہ علی عمل توا با فہو

منجز لہ من وعدہ علی

عقدہ فہو فیہ بالخیار

میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے۔

(نبراس ص ۳۶۶)

علامہ بیضاوی اور شیخ ابوسعود اپنی تفسیروں میں لایمخلف اللہ المیعاد کے تحت فرماتے ہیں۔

واستدل به الوعيدية واجيب بان وعيد الفسق مشروط بعدم العفول لئلا يخل مفصلته كما هو مشروط بعدم التوبة وفاقا۔

اس آیت سے وعید یہ نے وعید لازم ہونے پر استدلال کیا اور اس کا جواب یہ ہے کہ فساق کی وعید دلائل مفصلہ کی بناء پر عدم عفو کے ساتھ مقید ہے جس طرح وہ عدم توبہ کے ساتھ بالاتفاق مقید ہیں۔

اور امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

فاما قولك لو لم يفعل لصار كاذبا ومكذبا بالنفسه فجاربه ان هذا انما يلزم لو كان الوعيد ثابتا جزما من غير شرط وعندى جميع الوعيدات مشروط بعدم العفو فلا يلزم من تركه دخول الكذب في كلام الله تعالى (تفسير كبير ج ۲ ص ۶۰۹)

بر حال تیرا یہ قول کہ اگر اللہ تعالیٰ فاسق کو عذاب نہ دے تو وہ کاذب ہو جائے گا۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آتا ہے جبکہ وعید جزا ثابت ہوتی ہے اور کسی شرط پر موقوف نہ ہوتی اور میرے نزدیک تمام آیات وعید عدم عفو کے ساتھ مختص ہیں پس ترک عذاب سے اللہ تعالیٰ کے کلام کا کاذب ہونا لازم نہیں آتا۔

خلف وعد کی بحث میں ہم نے جو عبارات پیش کی ہیں اور ان سے جو جوابات مستنبط ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عفو کی تقدیر پر آیات وعید کا خلاف لازم نہیں آتا اور یہ اس لئے ہے کہ یہ آیات عام مخصوص عنہ البعض ہیں۔ ثانیاً: اس لئے کہ یہ آیات عدم عفو وغیرہ سے مقید ہو کر قضا یا شرطیہ کی قوت میں ہیں۔

ثالثاً: اس لئے کہ یہ انشاء تخلیف پر محمول ہیں۔

رابعاً: اس لئے کہ ان آیات میں وقوع عقاب کی خبر نہیں بلکہ استحقاق عقاب کی خبر ہے۔ اور ان چاروں جوابوں کو ہم نے بکثرت علماء کے حوالوں سے پیش کیا ہے اور بیشتر علماء کی عبارات کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔

مکذبین سے چوتھی گزارش

سطور گذشتہ میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے اس سے واضح ہو گیا کہ خلف وعید اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے اور خلف وعید سے جو معنی بعض اشاعرہ نے لیا ہے، وہ نہ کذب کا عین ہے اور نہ کذب کو مستلزم ہے۔ کیونکہ وہ خلف وعید کو انشاء تخلیف پر محمول کرتے ہیں اور انشاء صدق و کذب کا احتمال نہیں رکھتا اور اہلسنت مانترید یہ نے آیات وعید کو عدم عفو یا مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے اور اس طور پر صرف ظاہر اور صورتہ خلف وعید رہ جاتا ہے۔ اور یہ نہ کذب کا عین ہے نہ اس کو مستلزم ہے۔ پس دیوبند کے اہل علم پر عقل انگشت بدندان ہے۔ جنہوں نے اپنی کتابوں میں کچھ دیا ہے کہ مسئلہ امکان کذب قداما^① میں مختلف فیہ رہا ہے۔ اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے۔

دیکھئے خلیل احمد صاحب اینٹھوی لکھتے ہیں۔ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ بلکہ قداما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے کہ نہیں۔ الیٰ ان قال اور امکان کذب کہ خلف وعید کی فرع ہے جو قداما میں مختلف

فیہ ہو چکا ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۶)

اور اسی مضمون کو رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی فتاویٰ رشیدیہ میں بیان کیا ہے اور امکان کذب کو خلف وعید کی فرع قرار دیا ہے۔ حالانکہ ہم دلائل کثیرہ سے واضح کر چکے ہیں کہ خلف وعید کسی کے مذہب پر بھی نہ کذب کا عین ہے نہ اس کو مستلزم ہے نہ اس پر متفرع ہے۔

مکذبین سے پانچویں گزارش ہم سطور سابقہ میں امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ امکان اور جواز کذب کا

قول قریب بہ کفر ہے۔

دیکھئے امام رازی فرماتے ہیں۔

اما اذا جوز علی الله الخلف فيه فقد جاز
الکذب علی الله وهذا خطأ عظیم
بل یقرب من ان یکون کفرا۔
خلف وعید کو جائز رکھنا کذب کو جائز رکھنا
ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ پر کذب جائز رکھا
اس نے کفر کے قریب قول کیا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۹۲)

پس مکذبین سے گزارش ہے کہ وہ آنکھوں دیکھتے مکھی نہ کھائیں اور جس چیز کو
علماء اہلسنت نے کفر کہا ہے۔ اس کو اپنا عقیدہ نہ بنائیں۔

عموم قدرت اور خلف وعید سے عام طور پر مکذبین اور ابناء بدعت عوام
الناس کو مغالطہ دیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ذرا اس پر کھیل کر گفتگو
کی جائے۔ اس کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جنہوں
نے مغالطہ عامۃ الورد کے قبیل سے تیرہ مغالطہ دیئے ہیں۔ اور بزعم خوشیل مکان
کذب کو ثابت کر لیا ہے۔

سرفراز صاحب کا پہلا مغالطہ سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ "اللہ
تعالیٰ قرآن کریم میں یہ ارشاد فرمایا

ہے کہ :-

ولئن شئنا لنذہبن
بالذی اوجینا الیک ثورا
تجد لك بها عیسا وکیلا الراحۃ
من ربك ان فضلہ کان
علیک کبیرا (پ ۱۵۔ نبی اسرائیل) (تفہیم ص ۱۴)
اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز
کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے
اپنے واسطے اس کے لادینے کو ہم پر کوئی
ذمہ دار مگر مہربانی سے تیرے رب کی
بخشش تجھ پر بڑی ہے۔

اور اس آیت سے سرفراز صاحب نے مندرجہ ذیل مطلب کشید کیا ہے۔
"نہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے نبوت اور وحی چھینی ہے اور نہ یہ مقام
آپ سے چھیننے کا اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں لیکن اس بالا
مضمون میں یہ امر واضح کر دیا ہے کہ اگر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ
آپ سے یہ مقام چھیننا چاہے تو اس پر قادر ہے۔

(تفہیم ص ۱۴۴)

اس آیت کریمہ میں نبوت سلب کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر سرفراز صاحب
نے جب دیکھا کہ اگر سلب نبوت کا لفظ قرآن میں نہ بڑھایا گیا تو دیوبندی بدعت
پیوند زمین ہو جائے گی۔ پس اپنے عقیدہ فاسد کو ثابت کرنے کے لئے سلب
نبوت کا چور دروازہ نکال لیا اور اس تحریف کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ
"جب وہ خبر دے چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تا
قیامت دہلکہ قیامت میں بھی ہے گی) تو اس خبر کے خلاف قدرت
تسلیم کرنے سے اس کے کلام میں کذب کا احتمال اور امکان پیدا
ہوتا ہے" (تفہیم ص ۱۴۴)

یہ ہے سرفراز صاحب کی سیدہ زوری اور ڈھٹائی کیونکہ وہ اپنے ان
خیالات میں منفر د ہیں۔ اس لئے اپنی اس جسارت پر وہ اہل علم کی تائید پیش
کرنے سے قاصر رہے۔۔۔ اب ہم اس آیت کے تحت مفسرین کرام کی
تفاسیر تفویض قلم کرتے ہیں۔

علامہ ابی السعود اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ولئن شئنا لنذہبن بالذی
اوجینا الیک) من القرآن الذی لھو
شفاء ورحمتہ للمؤمنین وھدیۃ
للعلوم التي اوتیتموھا وثبتت ان
اور اگر ہم چاہیں تو آپ سے اس قرآن کریم
کو لے لیں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی
ہے جو شفاء ہے اور مؤمنین کے لئے رحمت
ہے اور تمام علوم کا منبع ہے۔ اور ہم نے

عليه حين كما دوا ليفتنونك عنه
ولولا لك دت تدكن اليه وشيئا
قليلا الى ان قال والمراد من
الذهاب به المحو من المصاحف
والصدوس - (تفسير البوسود)

اور امام رازی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں -

المراد بهذا الاذهاب ازالته
العلم به عن القلوب وازالة النفوس
الذاتية عليه عن المصحف -
قرآن کریم میں جو لفظ ہیں بالذی اور حینا
وارد ہے - اس سے مراد دونوں اور مصفا
سے علوم کو محو کر دینا ہے -

(تفسیر کبیر)

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں -

والمحني ان شئت اذهبنا بالقرآن
ومحوها من المصاحف والصدوس -
(انوار التنزيل)
مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو قرآن کو
لے جائیں اور اس کو مصاحف اور سینوں
سے محو کر دیں -

جلالین شریف میں ہے -

ای القرآن بان نمحوه من
الصدوس والمصاحف -
یعنی وحی سے مراد قرآن ہے پس اگر ہم چاہیں
تو اس کو صدور و مصاحف سے محو کر دیں -

ان تفاسیر کے حوالوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ جہاں پر علوم اور قرآن کو
سینوں اور مصاحف سے محو کرنے کا ذکر ہے - نہ کہ سلب نبوت کا بیان ہے
جس پر سرفراز صاحب نے عقیدہ امکان کذب کی بنیاد رکھی ہے -

سرفراز صاحب کا دوسرا مغالطہ | سرفراز صاحب لکھتے ہیں -

ام يقولون افترى على الله كذبا
کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ

فان يشاء الله يختم على قلبك
ويمحوا الله الباطل ويحق
الحق بكلماته انه عليهم بذات
الصدوس -
سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے
دل پر اور مٹا دے اللہ جھوٹ کو اور ثابت
کر دے سچ کو اپنی باتوں سے اس کو معلوم
ہے جو دلوں میں ہے -

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر
(معاذ اللہ) مہر لگا دے - وحی نبوت بند بلکہ سلب کر دے -

(تنقید متین ص ۱۴۴، ۱۴۵)

سرفراز صاحب نے اس جگہ بھی دل کھول کر قرآن میں تحریف کی ہے اور
ترجمہ و تفسیر میں من مانی کا روائی کر کے بزرگم خویش پر ثابت کر لیا کہ اللہ تعالیٰ
نے قرآن کریم میں آپ کی نبوت سلب کرنے پر قدرت کا اظہار فرمایا - اور یہ
بھی خبر دی ہے کہ قیامت تک آپ کی نبوت باقی رہے گی - لہذا سلب
نبوت کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے - چلئے چھٹی ہوئی - امکان کذب
ثابت ہو گیا -

الجواب - اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ سلب وحی یا
سلب نبوت کیا جاسکے - ہمارے نزدیک اس آیت کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے
فان يشاء الله يختم على قلبك اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت
و حفاظت کی مہر فرما دے -

علامہ جلال الدین اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں

(فان يشاء الله يختم)
يبريط (على قلبك) بالصبر على
اذا هم بهذا القول وغيره و
قد فعل -
یعنی اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو آپ کے دل پر مشرکین
کی نازیبا باتوں پر صبر کی مہر لگا دے تاکہ آپ
مشرکین کی نازیبا باتوں پر تکلیف نہ باتوں پر صابر ہو
جائیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے
دل کو ایسا کر دیا -

(تفسیر جلالین)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ نسفی فرماتے ہیں۔

قال مجاهد ای يربط على قلبك
بالصبر على اذاهم وعلى قولهم
افتري على الله كذا بآئلا خله
مشقة بتكني يهمل
مجاہد نے کہا معنی یہ ہے کہ کفار کی ذہنیوں
پر آپ کے دل کو صابر بنائے اور ان کے قول
افترا علی اللہ کذب پر تاکہ ان کی تکذیب پر
آپ کو مشقت نہ ہو۔

(مدارک التنزیل)

علامہ خازن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای يربط على قلبك بالصبر
حتى لا يشق عليك اذاهم
فولهم انت مفتر (باب التأويل)
یعنی آپ کے دل کو ایسا صابر بنادے
کہ اس پر کفار کی اذیتیں اور ان کا آپ
کو مفتری کہنا شاق نہ گذرے۔

خازن مدارک اور جلالین کی عبارتوں سے بجد اللہ یہ امر واضح ہو گیا کہ نہ
سلب نبوت کا خود قرآن میں ذکر ہے اور نہ مفسرین کرام کے اذہان میں
یہ ناپاک محنی موجود تھا جسے بنیاد قرار دے کر سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ
کے لئے کذب جیسے نقص کا امکان ثابت کیا ہے۔ بعض مفسرین نے بختہ
علی قلبک کی اور بھی کئی تفسیریں کی ہیں۔ ہم انہیں بھی پیش کر کے اس مسئلہ
کو بالکل بے غبار کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

استبعاد للافتراء عن مثله بالاشعار
على انه انما يفتري عليه
من كان محتوما على قلبه جاهلا
بربه فاما من كان ذا بصيرة و
معرفة فلا وكانه قال ان يشاء
الله خذ لانك يختم على قلبك
مشرکین کے اس قول کے جواب میں کہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا
ہے اللہ تعالیٰ کا فان يشاء اللہ ختم علی قلبک
فرمانا ان کے اس افترا کو آپ صریحاً شخصیت سے
بہت بے حد قرار دینا ہے کیونکہ اللہ پر افتراء
کرنے کی جرات تو وہ شخص کر سکتا ہے جس

لتجدرى بالافتراء عليه و

قيل يخنو على قلبك

يسك القرآن والوحى

عنه او يربط عليه

بالصبر فلا يشق

عليك اذاهم

(انوار التنزیل)

کے دل پر ہر گز ہوا اور وہ اپنے رب جابل ہو

لیکن جو صاحب معرفت و بصیرت ہو اس سے یہ

افتراء ہونا محال ہے پس گویا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا کرنا چاہتا

تو آپ کے دل پر ہر گز گدیتا تاکہ آپ اس پر افتراء

کرتے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ سے

نزدل قرآن یا وحی روک لیتا اور بھٹی تفسیر کی گئی کہ

اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر صبر کی مہر لگا دے۔

اب آپ پورے غور سے علامہ بیضاوی کی نقل کردہ تینوں تفسیروں کو ملاحظہ
فرمائیں کسی تفسیر میں بھی سرفراز صاحب کے ناپاک عقیدہ کی گنجائش نہیں ہے پہلی
تفسیر میں واضح ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو نبی علیہ السلام
اس پر افتراء کرنے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے
ہیں۔ کہ انبیاء کے کلام میں کذب ممکن بالذات اور منتہی بالغیر ہونا ہے دوسری
تفسیر پر معنی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وحی یا قرآن کو روک لیتا اور اساک
وحی یا قرآن اس ممکن ہی نہیں۔ بلکہ حقیقت ثابتہ ہے۔ کئی مواقع پر پیشتر حکمتوں کے
پیش نظر وحی روک لی گئی۔ اور تیسری تفسیر کی تفصیل ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں پس
بجد اللہ ثابت ہو گیا کہ قرآن شریف کی اس آیت کریمہ میں اس ناپاک عقیدہ کا نام
و نشان تک نہیں۔ جسے ثابت کرنے کے لئے سرفراز صاحب نے قرآن میں بنوہر
زیادتی کی اپنی طرف سے الفاظ داخل کئے اور پھر تفسیر بالرای کر کے اپنے لئے
آخرت کی مخصوص وادی میں جگہ بنائی۔

سرفراز صاحب کا تیسرا متعالطہ | سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ
کے جھوٹ کو ممکن ثابت کرنے
کے لئے تیسری مرتبہ کہا اور قرآن کریم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

دعا نقل کی جس کے بنیادی الفاظ یہ ہیں ومن عصافی فانک غفور رحیم جو میری نافرمانی کرے تو تو اس کو بخشنے والا مہربان ہے اور اس کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مشرک اور بت پرست کی جس کا خاتمہ کفر یہ ہو چکا ہو مغفرت کا کیا سوال ہے۔ رب اعزت کا قطعی فیصلہ جب یہ ہے کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرك به الیہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو نہیں معاف کریگا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ تو پھر مشرک کی بخشش کا کیا سوال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مضمون میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو بھی بخشنا چاہے تو اس کو قدرت ہے۔ (تفہیم ص ۱۷۶)

اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کی مغفرت ان اللہ لا یغفر ان یشرك به الیہ کے کذب کو مستلزم ہے اور چونکہ یہ مغفرت ممکن ہے۔ اس لئے اللہ کے کلام ان اللہ لا یغفر ان یشرك به الیہ کا کذب ممکن ہو گیا۔

اس کلام میں سرفراز صاحب نے انگنت وجوہ سے اپنی جان اور ایمان پر ظلم کیا ہے اور ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں تحریف کی ہے دوسرے یہ کہ خدا کے لئے نقص ثابت کرنے کی مذموم سعی کی۔ ثالثاً یہ کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تقدس و عصمت پر جاہلانہ حملہ کیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حضور مشرکوں اور کافروں کی بخشش کی دعا کی۔ حالانکہ مشرکوں کے حق میں دعا کرنا محصیت ہے۔ بلکہ بقول علامہ شامی کفر ہے۔

ملاحظہ ہو سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما کان للنبی والذین امنوا ان
یستغفروا للمشركین ولو کانوا اولی
قربی من بعد ما تبین لهم انهم
اصحاب الحجیم وما کان استخفاف
بینہم علیہ السلام اور باقی مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں
کہ وہ کافروں کی سزائے جہنم ظاہر ہونے کے بعد
کسی مشرک کے حق میں دعا مغفرت کریں اگرچہ ان کے
رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے

ابراہیم لابیہ الاعن موعداً
وعدھا ایادہ فلما تبین لہ انہ
عد واللہ تبرأ منہ
چچا آذر کے حق میں دعا کرنا ان کے وعدہ ایمان کی
وعدہ سے تنہا پھر حیان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن
ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

قرآن شریف کی یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے کہ مشرکین کے حق میں مغفرت کی دعا کرنا محصیت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ برأت کا ذکر فرما رہا ہے کہ وہ مشرکین سے بیزار تھے! اور آذر کے حق میں جو انہوں نے دعا کی وہ اس امید پر کی تھی کہ یہ وعدہ اسلام کو لوہا کرے گا۔ اور جب اس نے وعدہ پورا نہ کیا۔ تو اس سے بیزار ہو گئے۔ اب آپ سرفراز صاحب کو دیکھئے کہ ان کا نہ قرآن پر ایمان ہے۔ نہ خدا کی بات کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور بیک جنبش قلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگنے کا جرم ثابت کر کے ان کے دامن عصمت کو داغدار کر رہے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ خدا کے لئے کذب کا امکان ثابت کرنے کے لئے سرفراز صاحب کہاں تک پہنچ گئے اور کس طرح آیات قرآنی کو ہوائے نفسانی سے بازیچہ اطفال بنا لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے علی الاعلان محصیت کا ثبوت اپنی کتاب میں چھاپ دیا اور ورق کے وزنی سیاہ کر ڈالے۔
اب ہم آپ کے سامنے اسی آیت کی تفصیل ہم رازی کے قلم سے پیش کرتے ہیں۔

واحتجہ اصحابنا بحدۃ الایۃ
علی ان ابراہیم علیہ السلام ذکر
ہذا الکلام والغرض منہ الشفاعۃ
فی حق اصحاب الکبائر من امتہ
والدلیل علیہ ان قولہ ومن
عصافی فانک غفور رحیم صریح فی
طلب المغفرة والرحمة لا ولشک
العصاة فنقول اولئک العصاة اما
ہمارے اصحاب اہل سنت نے اس
آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے
کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا
سے اپنی امت کے گناہگار مسلمانوں
کی شفاعت کی ہے اور اس پر دلیل
یہ ہے کہ من عصافی فانک غفور رحیم
گناہگاروں کی شفاعت پر صریح نص
ہے اب یہ گناہگار یا مومن ہوں گے یا کافر۔

۱۱ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا یُکْفِرُوْنَ بِالَّذِیْ اٰمَنُوا مِنْ قَبْلِیْمْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُکْفِرُونَ
 کَذٰلِکَ اَلَمْ یَاۤتِیْکُمُ الرِّسَالُ مِنْ قَبْلِیْمْ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُکْفِرُونَ
 (الاول) اِنَّمَا عَلَیْهِ السَّلَامُ بَیْنَ فِی
 مَقْدَمَتِ هَذِهِ الْاٰیَةِ اِنَّمَا مَبْدَا
 عَنْ الْکُفْرِ وَهُوَ قَوْلُهُ اٰجِبْنِیْ وَبَنِیْ
 اِنْ نَجِدَ الْاَصْنَامَ وَاٰیَتَا قَوْلِهِ
 فَمَنْ تَبِعْنِیْ فَاِنَّهُ مِنْیْ یَدُلُّ
 مِمَّنْ هُوَ مِنْهُ عَلٰی اَنْ مِنْ لَمْ یَتَّبِعْهُ عَلٰی
 دِیْنِهِ فَاِنَّهُ لَیْسَ مِنْهُ وَلَا یُکْفِرُ
 بِاصْلَاحِ مَهْمَا تَه (والثانی) ۱۱
 الْاٰمَةُ مَجْمَعَةً عَلٰی اَنْ الشَّفَاعَةِ فِی
 اسْقَاطِ عَذَابِ الْکُفْرِ غَیْرِ جَائِزَةٍ
 وَلِمَا بَطَلَ هَذَا ثَبَتَ اَنْ قَوْلُهُ
 وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
 شَفَاعَتِ فِی الْعَصَاةِ الَّذِیْ لَا
 یُکُونُوْنَ مِنَ الْکُفَرَاءِ۔

مشہور ہے کہ گر گٹ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں نارغز و دو کو
 بھڑکانے کے لئے چھوٹکیں مار کر حق عداوت پورا کیا تھا۔ لگھڑ کے سرفراز نے بھی
 حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شفاعت مشرکین کی تہمت لگا کر اس تابیرخ کو ایک
 بار پھیر دیا ہے۔ لیکن نہ اس کی چھوٹکوں سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کوئی
 گزند پہنچ سکا۔ اور نہ سرفراز صاحب کی دشنام طرازی سے آپ کے دامن
 تقدس پر کوئی حوت آ سکتا ہے۔ بہر حال امکان کذب پر قائم کی ہوئی اس
 تفسیری دلیل کا حال بھی قارئین پر واضح ہو گیا کہ اس دلیل کی بنیاد اس

جھوٹ پر رکھی ہے کہ حضرت ابراہیم کی شفاعت مشرکین اور بت پرستوں
 کے لئے تھی۔ اور ہم نے دلائل سے واشکاف کر دیا کہ یہ دعا گتہ کار مسلمانوں
 کے لئے تھی۔ بہر حال جھوٹوں کے دامن میں جھوٹ کے سوا دھڑا ہی کیا ہے جسے
 وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکیں۔

سرفراز صاحب کا چوتھا مغالطہ | اللہ تعالیٰ کے لئے کذب قبیح کے
 امکان کو ثابت کرنے کے لئے
 سرفراز صاحب کی چوتھی جہارت یہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے۔
 فَاِنْ تَحَدَّ بِکُمْ فَاحْکُمْ عِبَادَکَ
 وَاِنْ تَخْضَعْلُوْهُمْ فَاِنْکَ ۡ اَنْتَ
 الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔
 اے اللہ اگر تو ان کو عذاب دے تو میرے
 بندے ہیں۔ اگر تو ان کو بخش دے تو تو بڑے
 حکمت اور غلبہ والا ہے۔

یہ دعا کن لوگوں کے لئے ہے سرفراز لکھتے ہیں۔
 ”یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ
 حضرت مریم کو اللہ بنا کر شرک کیا“ چنانچہ چند سطر بعد لکھتے ہیں (تفہیم ص ۱۷۷)
 سوال یہ ہے کہ جب مشرکوں کی مغفرت ہی نہیں تو پھر مشرکوں کی مغفرت کا کیا
 سوال ہے۔ (تفہیم ص ۱۷۷)

اس عبارت سے بھی سرفراز صاحب کا وہی ناپاک مقصد ہے۔ کہ
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی مشرک کے حق میں شفاعت ان کی بخشش کے امکان
 کو چاہتی ہے اور مشرکین کی بخشش کا امکان کذب کے امکان کو مستلزم ہے اور اس
 ابلیسی منطق سے وہ لوگوں کے دین و ایمان کو لوٹ لینا چاہتے ہیں۔ اب ہم آپ
 کے سامنے اس آیت کی تشریح مفسرین کی زبان سے سپرد قلم کرتے ہیں جس سے
 انباء بدعت کا یہ تار عنکبوت اپنے آپ ٹوٹ جائے گا۔
 ملاحظہ ہو علامہ سیوطی فرماتے ہیں۔

وان تخفروهم ای لمن امن منهم اور اگر تو ان میں سے مسلمانوں کو بخش دے۔

(تفسیر جلالین)

جلالین کے علاوہ خازن، مدارک، تفسیر کبیر اور ابوسعود نے بھی اس جواب پر اعتماد کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مغفرت کی یہ دعا اپنی امت کے مسلمانوں کے لئے کی تھی نہ کہ کفار و مشرکین کے لئے جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی جہالت اور رسول دشمنی سے سمجھا ہے۔ اس جواب کے علاوہ بھی مفسرین کرام نے اس کے جوابات دیئے ہیں۔

(۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس امر کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کی طرف مفسوس کر دیا کہ جو ان میں تائب ہو چکے ہیں۔ ان کی بخشش فرمائے اور جنہوں نے توبہ نہیں کی ان کو عذاب دے۔ (تفسیر کبیر و خازن)

(۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان قیامت میں نہ تھا بلکہ آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت تھا کہ اے اللہ اگر ان لوگوں کو توبہ کفر پر باقی رکھے اور انہیں عذاب دے۔ توبہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو کفر کی ظلمت سے نکال کر نور ایمان کی طرف سے لے آئے تو تو زبردست حکمت والا (خازن و کبیر)

ان تین جوابوں کے علاوہ مفسرین کرام نے اس سوال کا ایک اور جواب بھی دیا ہے۔ اور اس جواب سے ممکن ہے کہ مکذبین کو کوئی غلط فہمی پیدا ہو۔ اس لئے ہم اس جواب کو ذکر کے اس کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ خازن فرماتے ہیں۔

يجوز في حكمة وسعة ومغفرتنا ان يغفر الكفار لكنه تعالى خيرا منا لا يفعل ذلك بقولهم ان الله لا يغفر ان يشرك به (باب التاويل ج ۱ ص ۵۰۲)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ کفار کی مغفرت ممکن بالذات اور متمنع بالغير

ہے اور جس غیر کی وجہ سے کفار کی مغفرت متمنع ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قول ان الله لا يغفر ان يشرك به کا کذب ہے جو کہ محال بالذات ہے۔ اس موقع پر مکذبین کہہ دیا کرتے ہیں کہ ممکن محال کو مستلزم نہیں ہوتا بلکہ ممکن جس کو مستلزم ہو وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ پس جبکہ مغفرت کفار کذب واجب کو مستلزم ہے۔

اور مغفرت کفار ممکن ہے۔ تو کذب واجب بھی ممکن ہوگا

الجواب۔ مذکورہ بالا قاعدہ ہمیں تسلیم نہیں ہے ورنہ اس قاعدہ سے عدم واجب لازم آجائے گا۔ کیونکہ جمہور متکلمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی صفات ممکن اور جائز عدم ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ سے بالا ایجاب صادر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے لئے علت تامہ ہے۔ پس صفات کا عدم عدم واجب کو مستلزم ہوگا اور صفات کا عدم چونکہ ممکن ہے۔ لہذا لازم آئے گا کہ عدم واجب ممکن ہو۔ حالانکہ وہ محال بالذات ہے۔

ثانیا۔ یہ کہ ہر ممکن جس کو مستلزم ہو وہ ممکن نہیں ہوتا بلکہ وہ ممکن ممکن کو مستلزم ہوتا ہے جو متمنع بالغير نہ ہو۔ بخلاف اس صورت کے۔ کیونکہ یہاں مغفرت کفار بھی متمنع بالغير ہے۔ اور عدم صفات بھی۔ پس جس طرح عدم صفات متمنع بالغير ہے اور جو غیر اس کو متمنع کر رہا ہے۔ وہ عدم واجب ہے۔ جو کہ متمنع بالذات ہے۔ اسی طرح مغفرت کفار بھی متمنع بالغير ہے۔ اور جو غیر اس کو متمنع کر رہا ہے وہ کذب واجب ہے۔ اور متمنع بالغير کا تحت قدرت نہ ہونا عجز کو مستلزم نہیں ہوتا۔

علامہ خیالی فرماتے ہیں۔

ان عدم القدرة بناء على الاختناع بالخير ليس بجحد (حاشیہ خیالی ص ۶۷) عدم قدرت بر بناء امتناع غیر عجز نہیں ہے۔

سرفراز صاحب کا پانچواں اور چھٹا مغالطہ | کذب ثابت کرنے میں

پانچواں اور چھٹی دلیل دی ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لو ان الله عذاب اهل سمواته
واهل ارضه عذابهم وهو غير
ظالم ولو رحمهم كانت رحمت
خير الهمم من اعمالهم

اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوق
کو عذاب دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اس کا
اس میں کوئی ظلم نہ ہوگا اور اگر وہ ان پر اپنی رحمت کر
تو اسکی رحمت ان کیلئے ان کے اعمال سے بھی بہتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
لو بواخذنا في الله و ابن مريم بها
جنت هاتان يعني الابراهيم والنبي
تليهما العذابا ثم لم يظلمتا شيئا

اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو انگوٹھے
اور شہادت کی انگلی کی لغزش کے بدلے پھڑنا چاہے
تو میں نہ بڑے سکتا ہے پھر بھی ہم پر اسکا کوئی ظلم نہیں ہوتا۔

(تفہیم ص ۱۷۱)

ان دونوں ویلوں کا مرکزی نقطہ ایک ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو عذاب
دینے پر قدرت رکھتا ہے اور ان کو عذاب دینا خلافت وعدہ ہے اور خلافت وعدہ کذب
ہے۔ پس خلافت وعدہ کے امکان سے کذب کا امکان ثابت ہو گیا۔
الجواب۔ اولاً گذارش یہ ہے کہ اس دلیل کا مبنی تعذیب صالحین ہے اور وہ
شوائع اور اشاعرہ کا مسلک ہے۔ احناف اور ماتریدیہ کا مسلک یہ ہے کہ تعذیب
صالحین محال ہے چنانچہ محقق علی الاطلاق ابن ہمام حنفی یہی فرماتے ہیں۔

واعلم ان الحنفية لما استحالوا
عليه تعالى تكليف ما لا يطاق فهو
لتعذيب المحسن الذي استغرق عمره
في الطاعة فحالف الهوى نفسه في
رضاء مولاه امنع سبحانه انما تعالی
عن ذلك فهو من باب التنزيهات
اذا التسوية بين المسمى والمحسن
غير لائق بالحكمة في فطرة سائر

یاد رکھو کہ جب احناف کے نزدیک تکلیف
ملا یطاق محال ہے تو ان کے نزدیک
ان صالحین کی تعذیب جن کی عمر اطاعت
میں بسر ہوئی بطریق اولیٰ محال ہے اس معنی
میں کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت
بلند رہے۔ پس یہ تنزیہات کے باب سے
ہے۔ کیونکہ صالح اور غیر صالح کو برابر قرار
دینا تمام عقول کی فطرتوں سے بعید ہے۔

العقول وقد نص الله تعالى على
قبضه حيث قال ام حسبك الذين
اجترحوا السيئات ان فجعلهم
كالذين آمنوا وعملوا الصالحات
سواء خيائهم ومما هم ساء ما يحكمون
فجعلهم سبئاً (مسامرہ ص ۲۰۳)

اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس کے قبض ہونے پر
نص صریح قائم کی۔ جس مقام پر فرمایا کہ کیا
فساق نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم انکو صالحین
کے برابر کرینگے کہ ان کی زندگی اور موت برابر
ہو جائے اور یہ قبض حکم ہے پس اس آیت میں اللہ
تعالیٰ نے اس برابر کی کو قبض فرمایا ہے۔

محقق ابن ہمام کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا کہ احناف کے نزدیک تعذیب صالحین محال بالذات ہے
لہذا سرفراز صاحب کلام ہم احناف پر حجت نہیں ہے ثانیاً علی التذلل ہم اشاعرہ اور شوائع کے
مذہب پر جواب دیتے ہیں کہ تعذیب صالحین ممکن ماننے سے کذب کا امکان لازم نہیں
آتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک بھی تعذیب صالحین کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ
سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو بندوں کا استحقاق ثواب ثابت نہیں ہوتا اور
اگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ثواب کا وعدہ نہ فرمایا ہوتا تو اگر وہ سارے
جہان کو بھی عذاب دیتا تو مالک تھا۔ اور یہ اس کا ظلم نہ ہوتا لیکن اب جبکہ اس
نے اپنے فضل سے وعدہ فرمایا۔ تو جن سے اس نے وعدہ فرمایا ان سے لازماً وعدہ
پورا فرمائے گا۔ اور تخلف محال ہے لیکن یہ وجوب وعدہ کی جہت سے ہے نہ بندوں کے
استحقاق کی جہت سے اور یہی اہلسنت اور معتزلہ کے درمیان فرق ہے کہ وہ وجوب
ثواب بندے کے عمل کی وجہ سے سمجھتے ہیں اور اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے فضل سے اپنے اوپر مطیع کے ثواب کو لازم کر لیا ہے۔ پس جب اس نے ثواب کا
وعدہ فرمایا ہے تو اس کا خلاف ممکن نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کذب قبض لازم آئے۔

ثالثاً یہ کہ ان حدیثوں اس قسم کے اقوال کا مطلب یہ ہے کہ مغفرت کفار اور
عذاب انبیاء ممکن بالذات اور متمنع بالغير ہے۔ اور جو غیر اس کو متمنع کر رہا ہے
وہ اللہ تعالیٰ کا کذب ہے جو کہ محال بالذات ہے۔ مطلب جس کی مفصل تقریر
پہلے کر چکے ہیں۔

رابعاً۔ یہ کہ جن احادیث کا مطلب یہ ہے کہ صالحین کی تعذیب پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور تعذیب صالحین ممکن ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ آیات وعدہ سے قطع نظر ان کی تعذیب ممکن ہے۔ یعنی لا بشرط شئی کے مرتبے تعذیب صالحین ممکن ہے اور آیات وعدہ کا لحاظ کرنے کے بعد بشرط لشی کے مرتبے میں تعذیب صالحین محال ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تعذیب صالحین ممکن بالذات اور منتهی بالیغیر ہے۔ اور جو غیر اس کے امتناع کا سبب ہے وہ کذب واجب ہے جو کہ منتهی بالذات ہے۔

سرفراز صاحب کا ساتواں آٹھواں اور نواں مغالطہ

سرفراز صاحب نے ساتویں۔ آٹھویں اور نویں دلیلیں جو امکان کذب پر قائم کی ہیں ان سب کا مضمون واحد ہے۔ جن میں انہوں نے امام نووی۔ تاج الدین سبکی اور امام رازی کے اقوال پیش کئے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک عبادت پر ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور گناہوں پر عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے نہ اس پر ثواب واجب ہے اور نہ عذاب۔
الجواب! یہ ٹھیک ہے کہ ثواب نہ فی نفسه واجب ہے نہ بندہ کے عمل سے واجب ہوتا ہے اور ثواب محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتا ہے۔ لیکن یہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔ گفتگو اس میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ثواب کا وعدہ فرمایا تو ثواب واجب ہے یا نہیں۔ اور ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ فرمایا تو وہ واجب ہو گیا ہے اور اس کا خلاف محال ہے۔

سرفراز صاحب! مکان کذب کی دسویں دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں
دسواں مغالطہ | کتب عقائد میں بھی اس مسئلہ پر خاصی بحث موجود ہے اور

امکان کے لفظ سے بحث اور اس کا داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہونا اہلسنت کا مسلک اور اس پر قدرت نہ ہونا معتزلہ کا مسلک قبل کی کتابوں میں بالتفصیل ہے (المسائرہ مع المسارہ جلد ۲ ص ۶۵ طبع مصر و شرح موافق ص ۹۰ طبع نوکلشور وغیرہ)
(تفتیش متین ص ۱۸۲)

الجواب: مسائرہ ج ۲ ص ۶۵ پر ایسی کوئی عبارت نہیں بلکہ مسائرہ سے جلد اول دوم منقسم بھی نہیں سرفراز صاحب کو ابن ہمام کی عبارت پیش کرنی چاہئے تھی۔ وعدہ الافاضل پر تو برہم تھے کہ انہوں نے محل حوالہ پیش کیا ہے آپ نے تو محل حوالہ بھی پیش نہیں کیا بہر حال آپ کی طرف سے ہم آپ کا مدعی بن کر کہ اس کا جواب دے دیتے ہیں۔ اب ہم قارئین کے سامنے پہلے مسائرہ سے تحقیق ابن ہمام کی عبارت پیش کرتے ہیں جس پر سرفراز صاحب نے اپنے مسلک کی عمارت قائم کی ہے ملاحظہ ہوا مابن ہمام فرماتے ہیں
ثور قال ای صاحب احمد لا یوصف تعالیٰ علامہ سفی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کذب جمل و ظلم پر قادر بالقدرۃ علی الظلم و السفور و الکذب لان جوئے سے موصوف نہیں ہوتا کیونکہ محال اللہ تعالیٰ کی المحال لا یدخل تحت القدرۃ و عند المحتذلہ قدرت میں اہل نہیں ہے اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ یقدر و لا یفعل و لا یسئل فی ان سئل محال پر قادر ہے اور کرتا نہیں اس پر ابن ہمام نے کہا اور اس القدرۃ عاذا کہ وہ مذہب المعتزلت و اما میں کچھ شک نہیں کہ مذکورہ امور پر قدرت ماننا معتزلہ کا بنو تھا ثور الامتناع عن متعلقہا فہم مذہب مذہب اور ان امور پر قدرت کے باوجود انہیں نہ کرنا یہ الاشاعر الباقی (مسائرہ شرح مسائرہ ص ۲۰۹) اشاعرہ کے مسلک کے مناسب ہے۔

یہ ہے وہ عبارت جس کے پیش نظر سرفراز صاحب نے یہ مفروضہ قائم کر لیا کہ محقق کمال ابن ہمام نے اس پر تصریح کی ہے کہ امکان کذب اہلسنت اور امتناع کذب معتزلہ کا مسلک ہے، مگر ای کی سب سے بڑی جڑ یہ ہے کہ سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے کسی عبارت کا مفہوم متعین کر لیا جائے۔ تحقیق ابن ہمام نے اس عبارت میں علامہ سفی پر جرح کی ہے۔ اپنا یا اہلسنت کا مسلک بیان نہیں کیا۔ کتاب کے اخیر میں انہوں نے اہل سنت کا مسلک بیان فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں کہ:-

اول لغتہم الکتاب بالیضاہ عقیدۃ اہل السنۃ والجماعت (مسائرہ ص ۳۹۰)

(اب ہم کتاب کو اہل سنت کے عقائد بیان کرنے کے بعد ختم کرتے ہیں) پھر مسلک اہلسنت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لستجیل علیہ سمات النقص اللہ تعالیٰ پر صفات نقص محال ہیں جیسے کالجہل والکذب (مسامرہ ص ۳۹۳) جمالت اور کذب۔

اب قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب منسوخ بالذات ہے اور یہی امام ابن ہمام کا مسلک ہے اور ص ۲۰۹ پر محقق ابن ہمام نے کچھ کہا ہے اس کی حقیقت علامہ نسفی پر جرح کے سوا اور کچھ نہیں جس کی توضیح ہم بھی ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔

محقق ابن ہمام نے علامہ نسفی پر اعتراض کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ علامہ نسفی نے امکان کذب کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب منسوخ بالذات ہے حقیقت یہ ہے کہ اکثر معتزلہ کا مذہب متناع کذب ہی ہے جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے۔ لیکن بعض معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ کذب اور ظلم اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے۔ لیکن ان کا انکاب نہیں کرتا۔ ملاحظہ فرمائیے صاحب موافق نے بعض معتزلہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

سأهبط المعتزلة قال تعالى حتى ان يكذب ويظلم قادس بولنے اور ظلم پر قادر ہے۔

اور امام رازی متوفی ۷۰۶ھ ان الله ليس بظلام اللجيب کی تفسیر میں فرماتے ہیں

قالت المعتزلة هذه الآية تدل على مطالب الثالث انه سبحانه تمده بان لا يفعل الظلم فوجب ان يكون قادرا عليه خلافا لما يقول النظام وان يصح معتزلہ نے کہا کہ یہ آیت کئی مطالب پر دلالت کرتی ہے از انجملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عدم ظلم سے مدح فرمائی پس واجب ہوا کہ اسے ظلم پر قدرت ہو بخلاف مذہب نظام کے اور واجب ہوا

ذلك منه خلاف ما يقول اهل السنة (تفسیر کبیر ص ۲۶۷) مذہب اہلسنت کے۔

منقولہ بالا دو حوالوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ بعض معتزلہ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب اور ظلم پر قدرت کے قائل تھے اور نسفی نے جن معتزلہ کا مذہب بیان فرمایا ہے۔ وہ یہی معتزلہ ہیں اور اس بیان کی صحت میں کچھ شک نہیں لیکن اکثر معتزلہ کا مذہب چونکہ اس کے خلاف تھا اس لئے محقق ابن ہمام نے علامہ نسفی پر اعتراض کیا کہ معتزلہ کی طرف مطلقا ظلم اور کذب پر قدرت کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ نسفی کی عبارت پر دوسرا اعتراض محقق ابن ہمام نے یہ کیا ہے کہ ظلم اور کذب پر قدرت اشاعرہ کے مذہب کے زیادہ مناسب ہے اور اسی عبارت سے سر فراز صاحب نے یہ دھوکا کیا ہے کہ اشاعرہ اہلسنت کا مسلک اس باب میں قدرت علی الکذب ہے۔ لیکن اہل فہم حضرات پر مخفی نہیں کہ محقق ابن ہمام نے یہ جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اشاعرہ کے بار میں ان کی رائے اور اجتہاد ہے، نہ یہ کہ انہوں نے اشاعرہ کا مذہب نقل کیا ہے۔

دیکھئے علامہ ابی شریف اشعری تحریر فرماتے ہیں۔

الاخلاق بين الاشعريه وغيرهم في ان كل ما كان وصف نقص في حق العباد فالباري تعالى هنذا عنه و هو محال عليه تعالى والكذب وصف نقص في حق العباد هو مستحيل في حق عز وجل (مخصوصا) اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر وہ صفت جو عباد کے حق میں نقص ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اور کذب صفت نقص ہے پس وہ اللہ عز وجل کے حق میں محال ہے۔

(مسامرہ ص ۲۰۹)

اس عبارت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اہلسنت کذب پر قدرت کے قائل نہیں بلکہ کذب کے محال ہونے کے قائل ہیں اور محقق ابن ہمام نے اشاعرہ کی طرف

کذب پر قدرت کو اس لئے منسوب کیا ہے کہ اشاعرہ تخریب مطیع کامل کو ممکن بالذات اور منتخ بالغير قرار دیتے ہیں پس اس وجہ سے محقق ابن ہمام نے قیاس کرتے ہوئے فرمایا کہ اشاعرہ کے نزدیک کذب بھی ممکن بالذات اور منتخ بالغير ہونا چاہئے۔ حالانکہ قیاس کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ تخریب مطیع جس غیر کی وجہ سے منتخ ہے وہ کذب باری ہے پس کذب باری منتخ بالذات ہوا۔ اور تخریب مطیع بالغير۔

ثانیاً۔ یہ کہ بعض اشاعرہ نے حسن و قبح عقلی میں محل نزاع سے غفلت کی بنا پر یہ کہا کہ استحالة کذب صرف رائے معتزلہ پر تمام ہے۔ ابن ہمام اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حتی قال بعضهم ونعوذ بالله مما قال
لا یتمم استحالة النقص علیه الاعلی ساری
المعتزلة القائلین بالقبح العقلي قال امام
الحرمین لا یمکن التمسک فی تنزی الدرب
جل جلالہ عن الکذب بكونه نقصا وکل
هذا منهمو للغفلة عن محل النزاع

(مسائره مع مسامره ص ۲۰۵)
اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ محقق ابن ہمام کے نزدیک اکثر اور محقق اشاعرہ کا یہی مسلک ہے۔ کہ کذب محال عقلی ہے۔ البتہ بعض اشاعرہ نے محل نزاع سے غفلت کی بناء پر یہ کہا کہ استحالة کذب نقص عقلی پر مبنی ہے اور وہ معتزلہ مسلک ہے۔ اس قول سے محقق کمال امام ابن ہمام نے یہ استنباط کیا کہ بعض اشاعرہ کذب پر قدرت کے قائل ہیں اور ہمارے نزدیک یہ استنباط صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان بعض اشاعرہ نے استحالة کذب کی دلیل یعنی نقص عقلی کا انکار کیا اور اہل فہم پر مخفی نہیں کہ دلیل کے انکار سے مدلول انکار نہیں ہوتا۔

لہ نیکوکاروں کو عذاب دینا۔

فائدہ ۵۔ حسن عقلی اور قبح عقلی کے تین معنی ہیں (۱) حسن عقلی بمعنی صفت کمال جیسے صدق اور قبح عقلی بمعنی صفت نقصان جیسے کذب (۲) حسن عقلی بمعنی مناسب غرض فاعل اور قبح عقلی بمعنی منافق غرض فاعل حسن اور قبح کے ان دو معنوں میں ما ترید یہ اشاعرہ اور معتزلہ سب متفق ہیں کہ ان معنوں میں حسن اور قبح کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے پس ظاہر ہو گیا کہ کذب کا قبح عقلی ہونا ما ترید یہ اشاعرہ اور معتزلہ سب کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ (۳) حسن بمعنی استحقاق المذبح فی الدنیا والثواب فی الآخرة اور قبح بمعنی استحقاق الذم فی الدنیا والعقاب فی الآخرة۔ یہ تیسرا معنی مختلف فیہ ہے۔ اشاعرہ کے نزدیک اس معنی میں حسن و قبح شرعی ہے۔ یعنی عقل حسن و قبح کے اس معنی کے ادراک کرنے میں عقل نہیں ہے۔ اور ترید یہ اور معتزلہ کے نزدیک اس معنی میں بھی بعض اقوال کا حسن و قبح عقلی ہے یعنی عقل ان کے حسن و قبح کا ادراک کرنے میں مستقل ہے۔ جیسے حسن ایمان اور قبح کفر۔ دیکھئے مسائره مع مسامره ص ۱۷۱ شرح مواقف ص ۶۲۴۔ فوائذ الرحمت ص ۱۳۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان حسن و قبح کا ماہر النزاع تیسرا معنی ہے نہ کہ پہلا معنی لیکن بعض اشاعرہ نے محل نزاع سے غفلت کی بناء پر یہ سمجھا کہ قبح کا پہلا معنی قبح بمعنی صفت نقصان اس کا عقلی ہونا رائے معتزلہ پر ہے لہذا کذب کا استحالة اس پر مبنی کرنا راوی معتزلہ پر ہے لیکن یہ سمجھا کہ قبح بمعنی صفت نقصان کا عقلی ہونا مذہب اشاعرہ کے مطابق بھی ہے پس قبح عقلی کو استحالة کذب کا معنی قرار دینا ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ فائدہ الحمد۔

مبتدعین دیوبند عموماً یہ کہتے ہیں کہ کسی صفت کی نفی اس وقت کمال ہوتا ہے جب اس کا ثبوت ممکن ہو پس جھوٹ نہ بولنا اس وقت کمال ہوگا جب اس کا ثبوت ممکن ہو اور اللہ تعالیٰ تو جامع صفات کمالہ ہے پس اس کا کذب ممکن ہو گیا۔ اس کے جواب میں دلائل گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صدق ہے۔ (ومن اصدق من اللہ قبلاً) عدم کذب اس کی صفت نہیں حتیٰ کہ یہ رکبک اعتراض لازم آئے البتہ عدم کذب صدق کو لازم ہے اور اپنے قاعدہ صفت کا بیان کیا ہے۔ لازم صفت کا نہیں۔

ایک اور مخالفہ

ثانیاً اس قاعدہ کی بنا پر لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ہلاکت اور اس کا معدوم ہونا بھی ممکن اور مقدور ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو عدم ہلاکت سے موصوف بھی کیا ہے۔ کل ضییٰ ہالک الا وجہ اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ کی بنا پر عدم ہلاکت کمال تک پہنچی جب ہلاکت ممکن اور مقدور ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ہلاکت ممکن ہوئی تو اس کا عدم ممکن ہو گیا۔ اور جس کا عدم ممکن ہو وہ آپ کا خدا ہو گا۔ مسلمانوں کا نہیں ہے۔

ثالثاً کسی وصف کو باوجود مقدور ہونے کے نہ کرنا کمال اس کے لئے ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ وصف ممکن ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے چونکہ کذب ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے یہ قاعدہ جاری نہیں ہو گا۔

دیکھئے علامہ قاسم بن قطلوبغا شرح مسائره میں اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

قلنا من یجوز منہ وقوع
نکث الامور فامتناعہ مع
منہ الوقوع فلا یجوز وصفہ
بالقدرة علیہ۔

(شرح المسائره مع السامره ص ۲۱۰)

شرح مواقف کی عبارت سر فراز صاحب نے شرح مواقف (ص ۵۹) کا حوالہ تو دے دیا لیکن اس کتاب کی بھی عبارت پیش نہیں کی۔ بہر حال ہم ان کی طرف سے عبارت پیش کر کے اس کا جواب دیئے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ میر سید شریف شرح مواقف اس بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

”معتزلہ کے نزدیک گنہ گاروں کو عذاب دینا واجب ہے۔

ورنہ کذب لازم آئے گا۔“

اہل سنت نے جواباً کہا کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ عذاب کا وقوع ہو اور وقوع عذاب بلا وجوب سے کذب اور حلف لازم نہیں آتا۔ اس پر سید شریف نے اعتراض کیا کہ اگر عذاب واجب نہ ہو تو یہ بھی جائز نہ ہو گا کہ عذاب واقع نہ ہو اور عدم وقوع عذاب کا امکان حلف اور کذب کے امکان کو مستلزم ہے اور کذب اور حلف محال ہے۔ پس اس کا جواب میں سید شریف نے کہا:

استحالة منوعة كيف وهما
من الممكنات التي يشملها قدرته
تعالى۔ (شرح مواقف ص ۵۹)

الجواب :- اولاً گذارش یہ ہے کہ میر سید شریف کی یہ عبارت محل تاویل میں ہے۔ اور اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقائد جلالی میں اس کو رد کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

واغترض عليه المشرى العلامة
باننا جينين يدعوا زهما وهو
محال لان امكان المحال محال واجاب
عنه بان استحالة لهما ممنوع كيف
وهما من الممكنات التي يشملها قدرت
الله تعالى قلنا لا كذب نقص النقص
عليه محال فلا يكون من الممكنات
ولا يشملها القدرة وهذا اكسالا
يشمله القدرة سواء وجوده النقص
عليه تعالى كالجهل والعجز ونفي صفة
الكلام وغيره۔

علامہ شریف نے اعتراض کیا کہ عدم وجوب عذاب اور امکان عفو کی تقدیر پر کذب کا امکان ہے۔ لازم آئے گا اور وہ محال ہے۔ پھر خود جواب دیا کہ کذب کا استحالة ممنوع ہے کیونکہ کذب اور حلف ان ممکنات میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے میں کہتا ہوں کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے پس نہ تو یہ ممکن ہے نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل ہے جس طرح باقی وجوہ نقص کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل نہیں ہے۔ اسی طرح کذب کو

(شرح عقائد جلد ۲ ص ۶۲) بھی قدرت الہی شامل نہیں ہے۔

بہر کیف اپنے ظاہری محل کے اعتبار سے سید شریف جرجانی کی یہ عبارت مردود ہے۔ علامہ بلال الدین دوانی کے علاوہ اور علماء و شارحین نے بھی اس کو رد کیا ہے۔ طوالت کی وجہ سے ہم نے اسی عبارت پر اکتفا کیا ہے۔

ثانیاً یہی سید شریف جرجانی شرح مواقف ص ۶۸۸ پر لکھتے ہیں:

”انبیاء کرام کا صدق واجب ہے۔“

نوٹ: شریف جرجانی کی عبارت کو ہم نے قوسین میں ذکر کیا ہے باقی عبارت صاحب مواقف کی عبارت ہے۔

اجمع (اہل الملل) والشرائع (وکلہا) تمام ادیان اور شرائع کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء کی امور تبلیغیہ میں تعدد کذب سے عصمت واجب ہے۔ کیونکہ اگر امور تبلیغیہ میں ان پر اقراء اور کذب عقلاً جائز ہو تو دلالت معجزہ باطل ہو جائے گی اور یہ محال ہے۔

اذ یوجاز علیہم النقول والافتاد فی ذالک عقلاً لاوی الی البطلان المجتزئہ ومحال۔ (شرح مواقف ص ۶۸۸)

اگر میر سید شریف کی ان دونوں عبارتوں کو اپنے ظاہر پر معمول کیا جائے تو ان کا مطلب یہ ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام کا کذب متنع بالذات اور محال عقلاً ہے اور اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات اور متنع بالغیر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا صدق واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا صدق ممکن ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن اصدق من اللہ قبلاً۔

اور واضح ہے کہ کوئی ہوشمند بھی اس بات کو قبول نہیں کرے گا۔

ثالثاً سید شریف جرجانی نے اپنی اس عبارت میں تصریح کی ہے کہ امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام کا کذب متنع بالذات ہے۔ اور امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام

جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کا کلام نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔ پس امور تبلیغیہ میں کذب کا متنع بالذات ہونا بعینہ اللہ تعالیٰ کے کذب کا متنع بالذات ہوتا ہے۔ پس سید شریف جرجانی کا یہ کلام اس مفہوم میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب متنع بالذات اور محال عقلاً ہے اور ص ۶۹ پر جو سید شریف نے کہا ہے۔ اگر اس کا مفہوم ظاہری لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے تو ان کی عبارت میں صریح تضاد موجود ہے اور متضاد کلام سے استدلال کرنا باطل ہے۔

راجعاً جب یہ ثابت ہو گیا کہ سید شریف جرجانی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب متنع بالذات ہے تو پھر ان کے ص ۶۹ کی عبارت میں تو جہیہ کی بجائے گی اور وہ یہ ہے۔ کہ اس کذب اور خلف سے ظاہری اور صوری طور پر کذب اور خلف مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابراہیم کی طرف ظاہری اور صوری طور پر کذب کی نسبت کی گئی ہے۔ اور حقیقت میں وہ کذب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ گنہ گاروں کو معاف فرمائے تو یہ ظاہری اور صوری کذب ہے حقیقت میں یہ خلف اور کذب نہیں ہے۔ کیونکہ آیات وعید مشیت یا عدم عفو وغیرہ کے ساتھ مقید ہیں۔

خامساً اگر یہاں خلف اور کذب سے ظاہری اور صوری کذب مراد نہ لیا جائے بلکہ حقیقت کذب کا ارادہ کیا جائے۔ تو میر سید شریف جرجانی کے نزدیک کذب کا نقطہ امکان ہی نہیں بلکہ فعلیت اور وقوع کذب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ خلف اور کذب عفو سے لازم آ رہا ہے اور عفو یقیناً واقع ہو گا۔ پس لازم آئے گا کہ کذب بھی یقیناً واقع ہو گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔

سادساً خلف اور کذب سے مراد یہاں حکایت کا مرتبہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا محکی عنہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا گنہ گاروں کو واقع میں بخش دینا اور یہ بلاشبہ مقدور ہے بلکہ یقیناً واقع ہو گا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ کلام اور گفتگو گنہ گاروں کی مغفرت اور عدم مغفرت میں ہے اور مغفرت اور عدم مغفرت درجہ محکی عنہ میں

ہے۔ نہ کہ حکایت میں صدق اور کذب حکایت کی۔ صفت ہے نہ کہ محکی عنہ کی رہا
یہ وہم کہ گنہ گاروں کی مغفرت سے کذب لازم آئے گا۔ تو اس کا جواب نئی مرتبہ واضح
ہو چکا ہے۔ کہ چونکہ آیات وعید عدم عفو سے متقید ہیں۔ اس لئے کذب ثابت
نہیں ہوگا۔

سابقہ یہ کہ یہ کلام موعوم معتزلہ پر ہے۔ کیونکہ معتزلہ کا زعم یہ ہے کہ گنہ گاروں
کی مغفرت سے کذب لازم آتا ہے اور اہلسنت کے نزدیک یہ کذب ہے ہی
نہیں۔ کیونکہ آیات وعید عدم عفو سے متقید ہیں۔ خلاصہ یہ کہ گنہ گاروں کی مغفرت
معتزلہ کے زعم پر کذب ہے تو علامہ سید شریف کی عبارت کا حاصل یہ ہے۔
ہو معتزلہ کا مذعوم کذب ہے (یعنی گنہ گاروں کا عفو) وہ ممکن ہے نہ کہ فی نفسہ
کذب باری ممکن ہے۔ کیونکہ اسی شرح مواقف میں علامہ شریف نے متعدد مقامات
پر استحالة کذب باری تصریح کی ہے۔

ثانیاً یہ کہ شرح مواقف میں فرق منالہ کے مذہب کے بیان میں میر سید شریف
نے فرمایا (وراہب المعتزلہ) قال اللہ تعالیٰ قادر علی ان یکذب ویظلو
دولو فعل لکان الہا کاذبا ظالماً تعالیٰ عنہ علواً کبیراً (شرح مواقف ص ۴۷)
راہب معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عظم اور کذب پر قادر ہے۔ میر سید شریف ان کے
رد میں فرماتے ہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جھوٹا اور ظالم خدا ہوتا۔

شرح مواقف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے
کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے۔ پس سید شریف نے معتزلہ پر حجت قائم کرنے
کے لئے ان بعض معتزلہ کے مذہب پر کہا کہ کذب ممکن ہے یعنی اگر عفو سے
امکان کذب لازم آتا ہے تو معتزلہ کے مذہب پر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ ان
کے نزدیک کذب ممکن ہے۔ نہ یہ کہ فی نفسہ کذب باری ممکن ہے۔

تاسیاً یہ کہ مذکورہ عبارت میں میر سید شریف نے کذب پر قدرت کو رد
کیا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ میر سید شریف خود بھی کذب پر قدرت کے قائل

ہیں تو ان کا یہ رد خود اپنے اوپر وارد ہوگا۔

عاشراً یہ کہ میر سید شریف صحیح مذہب کے بیان میں فرماتے ہیں:

ولا یصح علیہ المحرکۃ ولا الانتقال
ولا الجہل ولا الکذب ولا شی من
صفات النقص خلافاً لمن جوزھا
بغلاف اس شخص کے جو انہیں اللہ تعالیٰ
پر جائز رکھتا ہے۔
علیہ کا تقدّم۔

شرح مواقف کی اس عبارت میں کذب باری کی صحت اور جواز کی صراحتاً نفی
کی ہے۔ اور اس کو فزیہ ناجیہ (صحیح مذہب) کا مسلک قرار دیا ہے اور اس کے
خلاف کو غیر ناجیہ کا مسلک عظمیٰ پایا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ میر سید شریف کے
دیکھ کذب باری کے امکان کا عقیدہ گمراہی ہے اور نجات امتناع کذب
باری کے عقیدہ میں ہے۔ فلہذا ان کی سابقہ عبارت کا محمل اس کے سوا کچھ نہیں۔
جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

حادی عشر سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۸۲ پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ شرح موا
ص ۷۹ پر تصریح موجود ہے کہ امکان کذب اہلسنت کا امتناع کذب معتزلہ کا
مسلک ہے۔ ہم نے قارئین کی عدالت میں شرح مواقف ص ۷۹ کی عبارت
پیش کر دی ہے۔ اور آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ اس عبارت میں اس تصریح
کا نام و نشان موجود نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہم نے شرح مواقف ص ۷۹
کی عبارت پیش کی ہے۔ جس میں تصریح موجود ہے کہ امکان کذب بعض معتزلہ
کا مسلک ہے اور ص ۷۹ سے عبارت پیش کی ہے۔ جس میں تصریح ہے کہ
فرقہ ناجیہ کا مسلک امتناع کذب ہے۔ واللہ الحمد علی ذلک۔

کاش مبتدعین دیوبند کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں ہوش آجائے۔ ویسے
سرفراز صاحب کی بلاغت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے کذب باری کا امکان ثابت
کرنے کے لئے کاذب حوالہ فراہم کیا۔ اور جھوٹ کو جھوٹ سے ثابت کرنے

کافن ایجاد کر دیا۔
ثانی عشر میر سید شریف نے یہاں اصول معتزلہ پر کلام کر کے انہیں جواب دیا ہے۔ جواب سے قبل معتزلہ کے مذہب کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

”کہ معتزلہ اور اہل سنت دونوں کا اس میں اتفاق ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک کلام الہی کی دو قسمیں ہیں۔ کلام نفسی۔ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اور معتزلہ کلام نفسی کے سرے سے منکر ہیں اور کلام لفظی کو اللہ تعالیٰ کی صفت کو مانے ہیں۔ لیکن اس کی ذات کے ساتھ قائم نہیں مانتے اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے متکلم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام لفظی کو مثلاً انسان کی زبان پر پیدا فرماتا ہے۔ یعنی معتزلہ کے نزدیک کلام اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقی نہیں ہے بلکہ اس کا ایجاد صفت فعلی ہے۔“

پس اب سید شریف اصول معتزلہ پر کہتے ہیں کہ تم نے گنہ گاروں کا عذاب اس لئے واجب کہا جتنا کہ عقوبت سے اسکا کذب لازم آتا ہے اور کذب محال ہے لیکن تمہارے اصول پر تو کذب محال نہیں رہتا۔ کیونکہ کلام نفسی کے تو تم کو جواب بخلف یا کذب تمہارے نزدیک فقط کلام لفظی کا کذب تمہارے اصول کے لحاظ سے محال نہیں ہے کیونکہ کلام لفظی تمہارے نزدیک صفت بائیں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مثلاً انسان میں پیدا کرتا ہے تو کلام لفظی کا ذب ہونے کا یہ معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کا ذب کو انسان کی زبان پر پیدا فرماتا ہے اور یہ پیدا کرنا محال بالذات نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ بھوٹ بولتے ہیں۔ ان کے کلام کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ اگر کلام کا ذب کا پیدا کرنا محال ہوتا تو پھر کسی آدمی سے کذب کا صدور ممکن نہ ہوتا۔

بحمد اللہ العزیز ہم نے سرفراز صاحب کے پیش کردہ مجمل حوالہ پر سیر حاصل بحث پیش کر دی ہے اور شرح موافق کی عبارت سے مکذبین جو دھوکا کھاتے ہیں۔ اس کو بارہ وجوہ سے نازل کر دیا ہے۔ اللہ عزوجل قبول فرمائے۔ اور کم کردہ راہ لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

فتوح العقائد اور مجدد الف ثانی کی عبارات | اسی بحث میں سرفراز صاحب نے فتوح العقائد اور مجدد الف ثانی کی عبارات بھی پیش کی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں اور فتوح العقائد ص ۳۱ میں ہے۔

”روا د عید کافر پس خلاف آں جائز است از جہت آنکہ خلاف محض فضل و کرم و صوفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیز برہیں اعتقاد ہستند“ (تنقید متین ص ۱۱۲)

الجواب۔ آیات و عید کفار سے قطع نظر کر کے لا بشرط شئی کے مرتبہ میں بیشک کفار کے لیے عفو جائز ہے اور اسی لحاظ سے محکم عنہ کے مرتبہ میں ان پر فضل و کرم بھی بلاشبہ جائز ہے۔ لیکن اس مرتبہ میں خلف کذب کو مستلزم نہیں ہے اور بشرط شئی کے مرتبہ میں خلف کذب کو مستلزم ہے اور اس مرتبہ میں خلف کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

مزید تفصیل ہمارے سابقہ جوابات کی روشنی میں معمولی غور کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ سرفراز صاحب پھر مجدد الف ثانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اپنے ناروقی جلال میں اگر نیک لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں،

”واگر ہمہ را بدوزخ فرستاد و عذاب ابدی فرماید جائے اعتراض نیست“ (مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول ص ۱۲۰)

الجواب۔ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا کلام (مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول ص ۱۲۰) حق ہے

لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ وہ اس عبارت سے اللہ تعالیٰ کی شان استغناء اور عظمت بیان کر رہے ہیں۔ اور آپ اسی عبارت سے اللہ تعالیٰ کے لیے کذب قبیح ثابت کر رہے ہیں۔

بہر حال نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ہمارے نزدیک اس عبارت کا وہی محل ہے جو ہم پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ

۱۔ وعدے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ مالک ہے کہ وہ اپنے ملک میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ خواہ تمام صالحین کو جہنم میں ڈال دے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ یعنی لا بشرطی کے مرتبہ میں۔ اور یہ مرتبہ کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ نے صالحین سے وعدہ ثواب نہ فرمایا ہوتا تو یہ بھی جائز تھا کہ سب کو عذاب دے دیتا۔ اور یہ مرتبہ بھی کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

۳۔ تعذیب صالحین ممکن بالذات ہے اور ممتنع بالغیر ہے۔ اور جس غیر کی وجہ سے یہ ممتنع ہے۔ وہ کذب باری ہے۔ پس کذب باری محال بالذات ہے مزید تفصیل کے لیے سابقہ جوابات کا مطالعہ فرمائیں۔

سرفراز صاحب کا گیارہواں شبہ | سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ شیخ محقق عبدالحق دہلوی اس مسئلہ پر

بحث کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

”نعم اختلاف در آن است کہ آیا جائز است عقلاً یا نہ؟ معتزلہ بر آنند کہ جائز نیست زیرا کہ آن موجب بتعید و تنفیذ است و نزد اصحاب ماکر وہ اہل سنت والجماعت اندایں ہم جائز است کہ حق تعالیٰ یکے را از چاہ ضلالت آوردہ ہدایت رساند بمرتبہ نبوت رساند و لیکن دلیل بر آنست کہ ایں جائز بوقوع نیاوردہ“ (تفہیم من ۱۸۲)

نہا معلوم اس عبارت سے امکان کذب کیسے لازم آگیا۔ اس عبارت کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو کسی کو گمراہی کے کوئی سے نکال کر مرتبہ نبوت تک پہنچا دے۔ بسر و چشم۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب کیونکر لازم آگیا۔ اور اگر فرض کیجئے قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح نہیں کرے گا تو اس کا وہی جواب ہے جو ہم بار بار چکے ہیں کہ یہ قدرت لا بشرطی کے مرتبہ میں ہے اور وہ کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

بارہواں اور تیرہواں مغالطہ | اس کے بعد بارہویں اور تیرہویں دلیل میں رشید احمد گلگوہی اور محمود حسن کے اقوال پیش کئے ہیں۔ ان اقوال کے بارے میں گذارش ہے کہ جمل مرکب کے یہ نسخے ہمارے ہاں مقبول نہیں۔ جو اپنے ایمان اور آخرت کے بدلے میں انہیں خریدنا چاہتا ہو اس پر پیش کیجئے۔

محمود حسن صاحب کے کلام پر تنقید | تاہم مولوی محمود حسن صاحب کی عبارت چونکہ سخت توہین آمیز

ہے۔ اور اس میں اللہ عزوجل کی ربوبیت پر شدید حملہ کیا گیا۔ اس لیے ہم اس پر تبصرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ملاحظہ ہو سرفراز صاحب کے شیخ الہند کا ارشاد ہے۔

”سب جانتے ہیں ذات تعالیٰ شانہ سے افعال قییمہ کے صدور کی نوعیت نہیں آسکتی لیکن افعال قییمہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ کے مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے۔ نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی خرابی نہیں آتی“

(جہد المقل جلد ۱ ص ۴۱ بحوالہ تنقید متین ص ۱۸۲)

مولوی محمود حسن نے اس شاطرانہ عبارت میں مغالطہ آفرینی کی انتہائی مذموم سعی کی ہے افعال قییمہ سے کیا مراد ہے۔ وہ افعال قییمہ جن سے اللہ تعالیٰ

متصف ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کاذب اور ظالم ہونا یا وہ افعال قبیحہ جی سے مخلوق متصف ہو۔ مثلاً مخلوق کا کاذب اور ظالم ہونا۔ دوسری صورت میں افعال قبیحہ کی نہ مقدریت میں خرابی ہے نہ ان کے صدور میں۔ بلکہ اس معنی میں افعال قبیحہ کا صدور واقع ہے۔ اور یہ ہمارے موضوع سے قطعاً خارج۔ اور پہلی صورت میں یعنی اگر افعال قبیحہ سے اللہ تعالیٰ کا متصف بالقبائح ہونا مراد ہو تو یہ قطعاً باطل اور محال صریح ہے۔ جیسا کہ سامرہ کی عبارت سے گذر چکا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیے سامرہ ص ۲۰۶)

علاوہ ازیں اگر بقول محمود حسن اقصاف بالقبائح کی نفس مقدریت سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی ہے تو غور فرمائیے خود کشی کرنا اور اپنے آپ کو ختم کر دینا یہ ایک قبیح فعل ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اپنے آپ پر عدم طاری داخل ہو تو پھر اللہ تعالیٰ جائز العدم قرار پائے گا۔ اور جو جائز العدم ہو وہ واجب الوجود نہیں ہوتا۔ دیوبند کے تمام چھوٹے بڑے مل کر بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود نہ ہونے سے بڑھ کر بھی کوئی خرابی ہے۔

اب شمشان بھومی جا کر محمود الحسن صاحب کی آتما کو آواز دیے بچنے اور ان سے پوچھئے۔ آپ، تو کہتے تھے کہ فعل قبیح کو مقدر ماننے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دینا بھی ایک فعل قبیح ہے۔ اور اس کے ماننے سے تو اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہیں رہتا۔ آسان لفظوں میں خدا خدا نہیں رہتا اور نفی الوہیت سے بڑھ کر کائنات میں کوئی خسرابی نہیں ہے۔

چلتے چلتے شیخ الہند صاحب نے اشاعرہ پر بھی ایک تہمت لگادی آخر ہند کے شیخ جو ٹھہرے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”خلاصہ یہ ہوا کہ قبائح تحت القدرہ داخل ہو کر حکمت و عدل و تقدس متبع الوقوع ہیں۔ یہ ہرگز نہیں کہ امور مذکورہ قدرت ہی سے خارج ہیں۔ ورنہ حضرات اشاعرہ خلاف عدل و حکمت کو کیوں مقدر باری فرماتے ہیں؟ (جہد المقل ص ۲۴)

ہم گزشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں کہ گنہ گار کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ اور اشاعرہ جائز رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گنہ گار کو عذاب نہ دے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ کا کمال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ مجرم کو معاف کر دینا اور اس پر سزا نہ دینا حاکم کا انتہائی کمال و احسان ہوتا ہے۔ پس غور کیجئے کہ جو چیز اشاعرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کمال و احسان ہے۔ اسی چیز کو یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ اشاعرہ کے نزدیک قبیح ہے۔ بہر حال یہ دیوبند کے اکابر کی ایمان داری راست گوئی اور توحید پرستی کی ایک جھلک ہے۔ جو ہم نے پیش کی ہے۔ ورنہ دیوبند جس مسلک سے عبارت ہے وہ سرتاپا اسی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس وقت ان کا کردار موضوع سخن نہیں ہے۔ یہ تو سرفراز صاحب نے اپنے شیخ الہند کی عبارت کو چونکہ طبع آزمائی کے لیے پیش کیا تھا۔ اس لیے ہم نے بھی کچھ داد پیش کر دی ہے۔ سرفراز صاحب کی جھوٹی میں جو کچھ تھا۔ وہ انہوں نے پیش کر دیا۔ اور اس کا ہم نے پورا پورا محاسبہ کر لیا ہے۔ اس بحث کو ختم کرنے کے بعد سرفراز صاحب نے معتزلہ کے چند گمراہ کن عقائد ذکر کئے ہیں۔ جہاں تک ان عقائد کے باطل ہونے کا تعلق ہے وہ سب کے نزدیک مسلم ہیں۔ لیکن اس جگہ سرفراز صاحب کا ان کو ذکر کرنا ان کے مجرمانہ عزائم کا غماز ہے۔ بہر حال ہم گزشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں۔ اور باحوالہ

تایم کر دیا ہے کہ اصل میں دیوبندی بدعت معتزلہ سے ماخوذ ہے۔ پس آپ جی کھول کر معتزلہ کی خرافات ذکر کیجئے۔ اس ذکر سے آپ ہی روشنی میں آتے جائیں گے۔



علم عجیب

قرآن کریم میں ہے قل لا اقول لكم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لكم انی مذكور اس کا ترجمہ المحضرت قدس سرہ نے اس طرح فرمایا ہے:

”مقام فرما دو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ عجیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔“

سرفراز صاحب گھڑوی کی اس ترجمہ پر تنقید ملاحظہ فرمائیں:

”اس میں خان صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کے اثبات کے لیے لفظ آپ ترجمہ میں بزور داخل کیا ہے۔ اعلم واحد متکلم کا صیغہ ہے اور عربی زبان میں یہ صیغہ جہاں بھی پایا جائے گا۔ مثبت میں اس کا معنی ہوگا میں جانتا ہوں یا جانوں گا اور لا اعلم کا معنی ہوگا۔ میں نہیں جانتا یا نہیں جانوں گا۔“ اس میں لفظ آپ اس کے معنی میں کسی طرح شامل نہیں ہے۔ کیونکہ خان صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ عطائی طور پر علم عجیب حاصل تھا۔ اس لئے عطائی کے لفظ میں انہوں نے قرآن کی بے شمار نصوص قطعیہ اور صحیح احادیث کے صریح مضامین سے راہ فرار اختیار کرنے کی خاطر چور و راز کھلا پھوڑا ہے اور مولانا مولوی نعیم الدین صاحب نے اس چور و راز سے یوں فائدہ اٹھایا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نہ میرا دعویٰ ذاتی عجیب دانی کا ہے۔ (تنقید متین ص ۱۹۲)

سرفراز صاحب نے اس تنقید میں ایک دعویٰ یہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب میں عطائی کی قید لگانا غلط ہے۔ اور اسی طرح علم غیب کی نفی کے موقع پر ترجمہ میں لفظ آپ اور ذاتی کا ذکر کرنا غلط ہے۔
دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عطائی غیب مان لینے سے بے شمار نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اب ہم آیات قرآنی کی روشنی میں ان دونوں دعویوں کا تجزیہ کر کے قارئین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔

علم غیب کے دلائل

قرآن کریم میں ہے:

ذالک من انباء الغیب نوحيه اليك - (آل عمران)
وما كان الله ليطالعكم على الغیب ولكن الله یجتبی من رسله من یشاء (آل عمران)
یہ غیب کی خبریں ہیں جس غیب پر ہم آپ کو بذریعہ وحی مطلع کرتے ہیں۔
اور اللہ کی شان نہیں ہے کہ وہ تم (عام) لوگوں کو غیب پر مطلع کرے لیکن وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو غیب پر مطلع کرتا ہے جو اس کے رسول ہیں۔

صاحب جمل اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

والمعنی ولكن الله یجتبی ای بیصطفی من رسله من یشاء فیطلعہ علی الغیب (تفسیر جمل)
اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں میں سے ان کو منتخب فرماتا ہے جو اس کے رسول ہیں پھر ان کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

عالم الغیب فلا یشہر علی احد الا من اتضی

من س سول - (تفسیر جمل)
جس کو اس نے پسند کر لیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حق حنفی بیان فرماتے ہیں:

قال ابن السیخ انہ تعالی لا یطلع علی الغیب الذی یختص بہ علماء الا المرتضی الذی یکون رسولاً وما لا یختص بہ یطلع غیر الرسول وما هو علی الغیب بضئین - (روح البیان)
یعنی ابن شیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور جو غیب اس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ (معنا اللہ) غیب بتلانے پر بخیر نہیں ہے۔

علامہ خازن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یشاء بل یعلمہ (تفسیر خازن)
اور امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:
واربعہا ان لا صفة یدرک ہما ما یکون فی الغیب - (احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۹۰)
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہوتا ہے پس وہ اس غیب پر بخیر نہیں ہیں بلکہ تم کو بھی اس کی تعلیم دیتے ہیں۔

قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۲ھ فرماتے ہیں:

النبوة هی الاطلاع علی الغیب (شفاج اص ۱۶۱)
نبوت کا معنی ہے غیب پر مطلع ہونا۔

اور امام راز (لا اعلم الغیب کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ولا یعلم الا ما عطاہ اللہ العلو بہ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہی امور کا علم ہے جو اللہ نے انہیں عطا کیا ہے۔

قرآن کریم کی آیات، مفسرین کرام و علماء اہل سنت کے اقوال سے ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا تھا۔ منصف، مزاج شخص کے لیے یہ کافی دلائل ہیں۔ مگر ہم مزید تحقیق کے لیے علماء دیوبند کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں تاکہ واضح ہو جائے کہ عطائی علم غیب کا انکار کر کے سرفراز صاحب بالکل بے یار و مددگار رہ گئے ہیں۔ اور احاطہ دیوبند میں بھی ان کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی۔ دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی متوفی ۱۲۶۲ھ لکھتے ہیں:

”غیب کے دو معنی ہیں حقیقی اور اضافی۔ حقیقی وہ جس کے علم کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ یہ خاص ہے حق تعالیٰ کے ساتھ اور عبد کے لیے اس کا حصول محال شرعی و عقلی ہے۔ اضافی وہ ہے جو کسی ذریعہ سے بعض کو معلوم کر دیا جائے اور بعض سے پوشیدہ رکھا جائے۔ یہ عبد کو باعلام الہی بھی حاصل ہو سکتا ہے“ (تمہ فہامی امدادیہ ج ۴ ص ۲۳۳)

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں صاف اور صریح اقرار نہیں کیا فضائل نبویہ علیہ التحیۃ کا عظیم شعار ”ہو سکتا ہے“ کا نشان کر ان کے گلے میں چبھ گیا۔ لیکن تغیر العنوان میں بالآخر مان ہی لیا جس کو ہم انشاء اللہ عنقریب نقل کریں گے۔

شیخ احمد عثمانی دیوبندی متوفی ۱۳۶۹ھ لکھتے ہیں:

”عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔ مگر جس قدر اللہ چاہے“

(تفسیر عثمانی ص ۹۵)

عثمانی صاحب کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ بلا واسطہ یقینی علم غیب عطا فرماتا ہے اور غیر انبیاء کو یا تو بلا واسطہ علم غیب عطا فرماتا ہے اور یا بلا واسطہ عطا فرماتا ہے لیکن وہ درجہ ظن میں ہوتا ہے۔

اور حامد میاں لکھتے ہیں:

بریلوی حضرات

اللہ عزوجل نے انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیب پر اطلاع دی ہے۔

بلکہ تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

”اس میں حلام ہی نہیں کہ حضور علیہ السلام کے علوم غیبیہ جزئیہ کمالات نبوت میں داخل ہیں اس کا کون انکار کر سکتا ہے“ (تغیر العنوان ص ۲۱)

یہ لکھنے اب انہوں میں ہم خود سرفراز صاحب کی اپنی عبارت سے منوالے دیتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطائی علم غیب حاصل تھا۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے لیے بعض علوم غیبیہ کا عطا ہونا مسلم حقیقت ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں“ (تنقید متین ص ۱۹۷)

پھر وہ کوئی کافر ہی ہو گا جس نے اپنی کتاب کے ص ۱۹۳ پر عطائی علم غیب کا انکار کیا۔ اور اس کو بے بنیاد عقیدہ قرار دیا ہے۔

الحمد للہ کلمہ حق سرفراز صاحب کی زبان و قلم پر غالب آیا اور اس شدت سے غالب آیا کہ نہ ماننے والے کو اسلام سے خارج کر دیا۔ اور اب سرفراز صاحب کسی طرح کفر کی زد سے نہیں بچتے۔ اگر عطائی علم غیب کے عقیدہ پر قائم رہتے

لے تنقید متین کے ص ۱۹۳ پر سرفراز صاحب نے عطائی علم غیب کا وہ اس عبارت سے کیا ہے:

”رحمان صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں بلکہ

عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا اس لیے عطائی کے لفظ میں انہوں نے ہشمارہ نمبروں

قطعہ اور صحیح احادیث کے صریح مضامین سے علاوہ فرار اختیار کرنے کی خاطر چور و راز

کھلا چھوڑا ہے“ (تنقید متین ص ۱۹۳)

دیوبندی حضرات

علماء دیوبند کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

(سلسلہ علماء دیوبند ص ۲۲)

ہیں تو اپنی تحریر کے ص ۱۹۳ سے کافر ہوتے ہیں۔ اور اگر عطائی علم غیب کا انکار کرتے ہیں تو اپنی کتاب کے ص ۱۹۷ کی تحریر سے اسلام سے خارج ہوتے ہیں جس آدمی کی زبان دو سہول پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتی ہو بسا اوقات اپنی گالیوں کا وہ خود شکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کا مصداق اتم سرفراز صاحب کی ان دو تحریروں میں موجود ہے۔ اب جب کہ قرآن کی آیات، تفاسیر، اقوال علماء دیوبند بلکہ خود سرفراز صاحب کی تحریر سے بھی ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطائی علم غیب حاصل تھا۔ اور قرآن کریم کی آیت کریمہ لا اعلم الغیب میں بھی اگر غیب کو عطائی علم غیب پر محمول کیا جائے تو معنی ہو گا کہ میں عطائی علم غیب کو نہیں جانتا۔ پس قرآن کریم کی ایسی آیت کا ان تمام آیات سے تعارض لازم آئے گا جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عطائی علم غیب ثابت کیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ اس میں تعارض نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ كَانَ مِنْ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا۔ اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں شدید تعارض ہوتا۔

نفی علم غیب کا محمل ہے آئیے اب مفسرین کی طرف رجوع کریں کہ انہوں نے لا اعلم الغیب کو نفی ذاتی پر محمول کیا ہے یا عطائی پر۔

علامہ اسماعیل حق فرماتے ہیں:

ولا اعلم الغیب الا باعلامہ۔

علامہ عیسا پوری فرماتے ہیں:

لا اعلم الغیب تکون فیہ دلالت

على ان الغیب باستقلال لا

یعلمہ الا اللہ۔

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:

(ولا اعلم الغیب) عالم بوحی الی ولم

اس آیت میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم غیب

ذاتی ہونہ اللہ کی ذات کے ساتھ خاص ہے

(تفسیر عیسا پوری)

یعنی میں بغیر دلیل اور وحی کے غیب کو نہیں

یَنْصِبُ عَلَيْهِ۔ (انوار التنزیل) جانتا۔

اما رازی متوفی ۶۰۶ ہجری فرماتے ہیں:

وقوله ولا اعلم الغیب ای ولا ادعی تعالیٰ کو نہ معلوم جہل اللہ (تفسیر کبیر) یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ موصوف ہوں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے وضاحت کے لیے ترجمہ میں جو لفظ ”آپ“ ذکر کر کے معنی کیا ہے۔ اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔ یہ معنی آیات قرآنی عقائد اہل سنت اور تمام معتبر تفاسیر کے مطابق ہے۔

علم عطائی کی نفی پر مفاسد سرفراز صاحب نے اس آیت میں عطائی غیب کی نفی مراد لی ہے اور ذاتی کی نفی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”جس ذات، اور متی کا خود اپنا وجود ہی ذاتی نہ ہو اس کے بارے

میں یہ سوال کہاں سے اور کیسے پیدا ہو گیا کہ اس کا علم یا کوئی اور

وصف ذاتی ہو سکتا ہے۔ جس کی نفی کی ضرورت پیش آئے“

(تنقید تین ص ۱۳۲ طبع دوم)

مبتدعین دیوبند عموماً اور مولوی سرفراز صاحب خصوصاً اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نفی اسی چیز جاتی ہے جو ممکن ہو اور ہو سکتی ہو اور جو چیز نہ ممکن ہو سکتی ہو۔

اس کی نفی کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذاتی علم غیب ممکن ہی نہیں تو اس کی نفی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ سرفراز صاحب کا یہ قول ان کے

خام ذہن کی پیداوار ہے۔

اولاً اس لیے کہ اہل علم اور قرآن پر بصیرت رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں

کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی زوہر اور ولد کی نفی کی ہے۔ اِنِّیْ یُکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَلَمْ

تَکُنْ لَہٗ صَاحِبَۃٌ (انعام) اسی طرح اپنے کفو اور مثل کی بھی نفی کی ہے۔ وَلَہٗ

یہ کہیں کہ کفو احد (افضل) لیس کشتہ شئی (شوری) اپنے شریک کی نفی کی ہے۔ لا شریک له (انعام) اپنی پیدائش کی بھی نفی کی ہے۔ لا یولد (اخلاص) اپنی ہلاکت کی نفی کی ہے۔

پس اب اگر سرفراز صاحب کے من گھڑت قاعدہ کو مان لیا جائے کہ قرآن کریم میں اس چیز کی نفی کی گئی ہے۔ جو ہو سکتی ہو تو العیاذ باللہ لازم آئے گا کہ اللہ کی اولاد بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی مثل بھی ممکن ہو اور اس کا کفو بھی ہو سکتا ہو اس کا شریک بھی ہو سکتا ہو۔

دیکھا آپ نے کہ سرفراز صاحب کے من گھڑت قاعدہ اور عطائی علم غیب کے انکار نے ان کو کسی خرابیوں کی طرف پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ سرفراز صاحب ان تمام خرابیوں کو من و عن مان لیں گے کہ بے شک خدا کی اولاد بھی ممکن ہے۔ اس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثل اور کفو بھی ممکن ہے۔ اس کا شریک بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کے شیخ الہند "جہد المتقل" میں لکھ چکے ہیں:

«کہ بالجمہ قباح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب

اہلسنت ہے» (جہد المتقل ج ۲ ص ۴۱)

شیک ہے آپ ان تمام امور کو خدا کے لیے ممکن مان لیجئے کیونکہ آپ کے مذہب غیر مذہب میں اللہ تعالیٰ کا ان قباحتوں سے موصوف ہونا ہی تہذیب ہے۔ مگر لم یولد سے اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو اور کل شئی ہالٹ الا دجھہ سے اللہ تعالیٰ کی ہلاکت کو بھی ممکن مانیں گے۔ اب اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کی پیدائش اور ہلاکت کو ممکن نہ مانا تو آپ کی کلی ٹوٹ گئی اور ثابت ہو گیا کہ محال پر بھی نفی آتی ہے اور جو امر نہ ہو سکتا ہو۔ اُس کی نفی بھی کی جاتی ہے۔ پس لا اعلم الغیب کی نفی پر آپ کا لغو اعتراض ساقط ہو گیا۔ اور اگر آپ اپنی کلی کو محفوظ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی پیدائش اور ہلاکت کو ممکن مان لیں۔ پھر تو اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو ممکن مانا تو اس کا وجود ممکن ہو گیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ہلاکت کو ممکن

مانا تو اس کا عدم ممکن ہو گیا۔ اور جس کا وجود بھی ممکن ہو۔ اور عدم بھی ممکن ہو اُسے دیوبند کے لوگ تو خدا مان کر پوجتے ہوں گے۔ اسلام میں جس خدا کی پرستش ہوتی ہے۔ اس کا وجود واجب لذاتہ اور عدم ممنوع لذاتہ ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ اس باطل قاعدہ کی بنا پر دیوبندیوں نے عطائی علم غیب کا انکار کیا اور اس قباحت کے ثبوت کے لیے ایسی بنیاد قائم کر دی جس سے اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا بھی انکار ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ثانیاً اس لیے کہ ہم نے لا اعلم الغیب کی تفسیر میں معتمد تفاسیر کے حوالے پیش کئے ہیں۔ جن سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ صرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ یا صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ہی اس آیت میں نفی کو ذاتی غیب پر محمول نہیں کیا۔ بلکہ باقی مفسرین نے بھی اس آیت میں نفی کو ذاتی غیب پر محمول کیا ہے۔

ثالثاً اس لیے کہ خود دیوبندیوں کے حکیم الامت کی عبارت سے بھی ثابت ہے کہ اس مقام پر ذاتی غیب کی نفی مراد ہے۔ ملا حظہ فرمائیے تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

«مطلق غیب سے مراد اطلاقات شرعیہ میں وہی غیب ہے جس

پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ اور

سبیل نہ ہو اور اسی بناء پر لا یعلم من فی السموات والارض الغیب

لا اللہ اور لا یولد کنت العلم الغیب وغیرہ فرمایا گیا

ہے» (حفظ الایمان ص ۱۲)

تھانوی صاحب کی یہ عبارت اگرچہ کلیتہً صحیح نہیں ہے اور ان کا بیان کردہ قاعدہ قرآن کریم سے مردود ہے۔ تاہم سرفراز صاحب کا ضابطہ توڑنے کے لیے اس میں کافی جان موجود ہے۔ کیونکہ تھانوی صاحب کے قانون کے مطابق جہاں بھی مطلقاً غیب کا ذکر عبارت شرعیہ میں وارد ہو گا۔ اس سے مراد وہ غیب ہو گا جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ اور اس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور اسی کو:

ذاتی غیب کہتے ہیں۔ پس لا اظم الغیب میں بھی مطلق غیب کا ذکر ہوا۔ لہذا تھانوی صاحب قانون کے موافق یہاں بھی غیب سے مراد ذاتی غیب ہی ہوگا۔ جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اب سرفراز صاحب کی مرضی ہے چاہے تو تھانوی صاحب کی دلیل کو رد کر کے اپنے حکیم الامت کی جہالت کا اقرار کریں۔ یا ان کے قانون کو تسلیم کر کے اپنی کم علمی اور کج فہمی کا اعتراف کر لیں۔

تھانوی صاحب کی جہالت باقی رہی یہ بات کہ تھانوی صاحب کا یہ قاعدہ صحیح ہے یا غلط تو جواب یہ ہے کہ تھانوی صاحب کا بنایا ہوا یہ قاعدہ عقلاً نقلاً ہر طرح باطل ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ یومنون بالغیب اور اس آیت کریمہ میں بھی مطلق غیب کا ذکر ہے اور یہاں اس غیب سے مراد ذاتی غیب نہیں ہے کیونکہ متقین اس غیب پر ایمان لائے ہیں۔ جس کا انہیں دلائل سے علم ہوا پس یہاں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر دلیل ہو۔ نہ کہ غیب ذاتی۔ نقلاً اس لیے باطل ہے کہ مفسرین نے اس آیت کریمہ کو عطائی غیب پر محمول کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے علامہ بیضاوی میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقسم نصب علیہ دلیل
کا اصابہ وصفات و
ایومر الاخر و احوالہ و ہو
المراہبہ فی ہذا الآیت۔

اب قارئین کرام پر دیو بندیوں کے حکیم الامت کا علم و فضل ظاہر ہو گیا ہوگا جنہوں نے یہ قاعدہ بنایا تھا کہ اطلاقات شرعیہ میں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ دیکھئے:

لا یعلمون فی السموات و الارض الغیب الا اللہ۔
اسماؤں اور زمینوں میں جو غیب ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اور

و لو کنت اعلیٰ الغیب۔ اگر میں غیب کو جانتا ہوتا۔
میں جو غیب مذکور ہے وہی الغیب یومنون بالغیب میں بھی ہے اور اس آیت میں غیب اسی طرح مطلقاً مذکور ہے۔ جس طرح ان دو جگہوں پر ہے اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ اس سے وہ غیب مراد ہے جس پر دلیل قائم ہو۔ کیا ایسا بے خبر اور کلام الہی سے ناواقف شخص جسے عام مروج درسی کتاب بیضاوی کا بھی علم نہ ہو۔ حکیم الامت کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور جن لوگوں کے حکیم الامت کے علم کا یہ حال ہے۔ خود ان کے اپنے علم کا کیا عالم ہوگا۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا ضابطہ تھانوی صاحب کے بیان سے ٹوٹ گیا۔ اور تھانوی صاحب کا قاعدہ خود قرآن کریم سے مجروح ہو گیا۔ اب سوال یہ ہوگا کہ پھر غیب کے ذاتی یا عطائی کی تعیین کا کیا ضابطہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غیب اپنے معنی کے اعتبار سے مشترک معنوی ہے۔ کیونکہ علامہ بیضاوی نے غیب کی یہ تعریف کی ہے:

الخفی الذی لا یدرک المحس و غیب اس پوشیدہ چیز کو کہتے ہیں جس کا علم نہ حواس خمسہ سے ہو سکے نہ غور و فکر کے۔

اور پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ یا علیہ دلیل اور لا دلیل علیہ (تفسیر بیضاوی) اور لفظ مشترک سے کسی معنی کی تعیین بغیر قرینہ کے نہیں ہوتی پس جہاں کہیں حالی یا متقانی قسرتہ

علیہ دلیل کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے رسول کے واسطے سے بتلادیا یا غور و فکر سے معلوم کیا جاسکے جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود یہ علم عطائی کہا جاتا ہے اور لا دلیل علیہ اس چیز کے علم کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہو اور نہ عقل سے مانا جاسکتا ہو یہ علم ذاتی ہے۔

غیب ذاتی ہوگا تو غیب ذاتی مراد میں گے اور جہاں قرینہ غیب عطائی کا ہوگا وہاں عطائی مراد لیا جائے گا۔ پس جن آیات میں غیب دینے کا ذکر ہے۔ تو واضح امر ہے کہ وہاں غیب عطائی ہی مراد ہے اور جہاں غیب کی نفی کا ذکر ہے تو وہاں پر غیب ذاتی ہی مراد ہوگا۔ کیونکہ دوسری آیات سے جب غیب عطائی ثابت ہو گیا اب اس کی نفی تضاد کو مستلزم ہوگی۔ پس لامحالہ اس نفی کو ذاتی پر محمول کرنا چاہئے گا۔ متناہوی صاحب کا قاعدہ توڑنے کے بعد اگر ہم ان کی اصلاح کریں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اطلاعات شرعیہ میں مطلقاً غیب کا جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص ہو یا غیر سے نفی ہو۔ اس غیب سے مراد غیب ذاتی ہے۔ جیسے:

عندہ مفاتیح الغیب اور لا اعلو الغیب ولو كنت اعلو الغیب اور لا یعلم من فی السموات والارض الغیب ۱۲۱ لہ۔ اور اس اصلاح کے بعد بھی یہ بحث سرفراز صاحب کے روایت کافی ہے اور اسی امر کی طرف ہم نے سطور بالا میں اشارہ کیا تھا۔

سرفراز صاحب کی ایک اور الجھن ہے:

”غور کیجئے کہ آپ نے یہ کیوں نہ فرمادیا۔ کہ میں ذاتی طور پر محمد اور رسول نہیں ہوں۔ بلکہ عطائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عطائی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ آنحضرت کی کیا وجہ ہے وجہ فرق بین ہو؟“

یہ مجھے ہم نے غور کر لیا اور وجہ فرق بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی سمجھ میں آجائے۔ بات یہ ہے کہ علم اور قدرت ایسی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بظاہر مشترک ہیں۔ اس وجہ سے ان میں یہ اشتباہ ہو سکتا تھا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی معاذ اللہ خدا تو نہیں ہیں۔ پس اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ میں نہ ذاتی طور پر غیب جانتا ہوں نہ ذاتی قدرت رکھتا ہوں۔ بخلاف ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور وصف

رسالت کے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مشترک نہیں۔ لہذا یہاں پر نہ کوئی اشتباہ تھا نہ اس کو زائل کرنے کے لیے ذاتی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ذاتی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفی کی ضرورت تھی۔

ثانیاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں نے علم اور قدرت کے عظیم مظاہر ہونے کی وجہ سے الہ اعتقاد کر لیا تھا نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقی صفات کی وجہ سے پس گمراہی کی اس جڑ کو کاٹنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ سے بالخصوص ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی جاتی۔ دیکھئے امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ان المراد منه ان یظهر الرسول من نفسه التواضع لله والخضوع لما لعبوديته حتى لا یعتقد فیہ مثل اعتقاد النصارى فی المسیح علیہ السلام۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع اور خضوع کو ظاہر فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعتراف کریں حتیٰ کہ آپ کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح الوہیت کا اعتقاد نہ کر لیا جائے۔

ثالثاً اس لیے کہ علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پر ہمارا الوہیت ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ علم اور قدرت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهذان الوصفان هما اللذان بهما ثبت الربوبية والالهية والجلالة والعزة۔ علم اور قدرت دو ایسی صفات ہیں جن سے ربوبیت اور الوہیت ثابت ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۱)

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ پر ہی بناء الوہیت ہے نہ کہ باقی صفات پر۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالخصوص علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ کی نفی کی وجہ اہل فہم پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ دیکھئے علامہ آلوسی حنفی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لا فائدة في الاخبار باقية لا اعلم
الغيب انما الفائدة في الاخبار
باقية لا اقول ذلك ليكون نفيا
لادعاء الامرين الذين هم امن
خواص الالهية ليكون المحقق
ان لا ادعى الالهية.

محض علم غیب کی نفی کی خبر دینے کے لیے کوئی
فائدہ نہیں۔ فائدہ تو اس بات میں ہے کہ یوں
کہا جائے کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا۔ تاکہ
اُن دونوں صفتوں کی نفی ہو جائے جو خواص
الوہیت میں سے ہیں تاکہ حاصل یہ ہو کہ میں
الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

(روح المعانی ج ۷ ص ۱۳۲)

اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان المراد من قوله لا اقول
لكم عندى خزائن الله معناه
وانى لا ادعى كوفى موصوفاً بالقدرة
الائقة بالاله تعالى وقوله ولا
اعلم الغيب اى ولا ادعى كوفى
موصوفاً بعلم الله تعالى ويجمع
هذين الكلامين حصل انما
لا يدعى الالهية.

میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے
خزانے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ
دعویٰ نہیں کرتا کہ میں ایسی قدرت کے ساتھ
متصف ہوں جو اللہ کی شان کے لائق ہو
اور میں غیب نہیں جانتا کا مطلب یہ ہے کہ
میں اللہ کے علم کے ساتھ موصوف ہونے کا
دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں آیتوں کا حاصل
یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

(تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۲۸)

رابعاً یہ کہ آپ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ذاتی علم کی نفی کیوں کہلوائی۔ اور ذاتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ذاتی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی نفی کیوں نہ کہلوائی۔ محال معترضہ کا اندازہ فکر ہے۔ کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ
کے افعال میں چون و چرا تلاش کرتے تھے اور ہر بات کی علت اور غرض و صونڈ
تھے جس کی علت سمجھ میں آئی۔ مان لیا جس کی غرض سمجھ میں نہ آئی چھوڑ دیا۔ اسی لیے
انہوں نے میزان حساب و کتاب اور پلصراط وغیرہ کا انکار کر دیا۔ ہمارے

نزدیک اللہ تعالیٰ نے جو مناسب جانا کیا اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں۔
وہ فعال مطلق ہے۔ اس کی شان یہ ہے:

لا یسئل عما یفعل
وہ کسی فعل پر جواب دہ نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قل لا اعلم الغیب کیوں فرمایا قل
لست برسول یا قل لست بمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ فرمایا۔ ایک جرأت
ہے جس کے تصور سے بھی ہمارا دل لرزتا ہے۔ لیکن سرفراز صاحب کی اس جرأت
سے قطع نظر کر کے بھی ہم نے ذاتی علم غیب اور قدرت ذاتیہ کی تخصیص کی حکمت
بیان کر دی ہے اللہ تعالیٰ انہیں سمجھنے کی توفیق دے۔

علم شعر کی تحقیق
مبتدعین دیوبند عام طور پر قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم علم کی تفسیر کیا کرتے ہیں:

وما علمت الا الشعر وما
اور ہم نے ان کو شعر کہنا سکھایا۔ اور نہ

ینبغی لہ۔
وہ ان کی شان کے لائق ہے۔

اس آیت کریمہ سے مبتدعین دیوبند ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو شعر کا علم
نہ تھا۔ ان لوگوں کے عقائد کو دیکھ کر ہم حیرت اور افسوس میں غرق ہو جاتے ہیں
کہ یہ اُمت کے ہزاروں افراد کے لیے شعر کا علم مانتے ہیں اور اگر انہیں کسی
ذات کے لیے شعر کا علم ماننے سے انکار ہے تو اس ذات کے لیے جو کائنات
کے محسن ہیں۔ جن کے دم قدم سے یہ چمن وجود کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ جن کے علم
کی عظمتوں کی قرآن نے گواہی دی۔ جن کا علمی وقار خدا کو اس قدر عزیز تھا۔ کہ کسی کو
ان کا دنیاوی استاد بنانا گوارہ نہ کیا۔ جن کے ایک خادم اور فیض یافتہ کے علم
کی عظمتوں کے آگے فرشتوں کی گردنیں جھک گئیں اور ابلیس انگشت بندھاں رہ گیا۔
آج یہ منہ پھٹے لوگ علم و عرفان کے اس عظیم آفتاب کی فیض آفرینیوں کا انکار
کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو امتی کہلاتے ہیں۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کو احساس تھا کہ اس آیت سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے

کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے گراہی کے سیلاب کو روکنے کے لیے اب سے بہت پہلے اس کے آگے بند باندھ دیا تھا۔

فرماتے ہیں:

”معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا۔“ الخ
سرفراز صاحب اس تفسیر پر تنقید کرتے ہیں:

”مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جتنا بھی لفظوں کا چکر دیا ہے۔

سب بے سود ہے۔ اولاً اس لیے کہ لغت شرع اور عرف میں جس چیز

پر بھی لفظ شعر کا طلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو۔ اس آیت سے

اس کی نفی قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس سے ملکہ کی نفی کرنا اور کلام موزوں

اور شعر صحیح و سقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی خالص تحریف ہے نفوذِ بائد“

(تنقید متین ص ۱۹۶)

شعر کے علم کی مطلقاً نفی پر نوازش کا | سرفراز صاحب کی یہ عبارت
کئی وجہ سے مردود ہے۔

اولاً اس لیے کہ سرفراز صاحب اس پر بضد ہیں کہ حضور کو شعر کا مطلقاً علم نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب آپ شعر کو مطلقاً نہیں جانتے تھے۔ تو آیت کریمہ وھا

علمناہ الشعر میں بھی تو لفظ شعر موجود ہے۔ اب بتلایئے کہ حضور کو اس شعر کا علم تھا

یا نہیں اگر تھا تو آپ کا قول باطل ہو گیا۔ اور اگر نہیں تھا تو لازم آیا کہ حضور پورے

قرآن کو نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ پورے قرآن میں شعر اور شاعر دونوں لفظ موجود ہیں

اور مکتب دیوبند کی تعلیم کے مطابق حضور کو شعر و شاعر کا علم نہیں اور قرآن کریم صرف

لفظوں کا نام نہیں ہے بلکہ:

هو اسم المنظور والمعنى جميعا لفظ اور معنی دونوں کا نام قرآن ہے۔

پس جب آپ کو شعر کا لغوی عرفی شری معنی معلوم نہیں تھا۔ تو لازم آیا کہ

آپ کو پورے قرآن اور کتاب اور کتاب اللہ کا علم نہ ہو۔ اور جب آپ کو پورے

قرآن کا علم نہیں تھا۔ تو

الرحمن علم القرآن

اللہ نے آپ کو قرآن سکھایا۔

کاذب ہو گیا۔

يعلمها الكتاب والحكمة

حضور قرآن اور سنت کی تعلیم دیتے تھے۔

یا اطل ہو گیا۔

عبدك ما لم تكن تعلم

جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ اللہ نے

آپ کو بتلادیا۔

تھوٹا ہو گیا۔ اللہ اگر خود تو شیخ القرآن کہلاتے ہیں اور نبی علیہ السلام سے علم قرآن کی نفی

کرتے ہیں۔

نیز ہم پوچھتے ہیں کہ سرفراز صاحب کو شعر کا کسی وجہ سے علم ہے یا نہیں۔

پہلی صورت میں ان کا علم حضور سے بڑھ گیا۔

اور دوسری صورت میں نفی مجہول مطلق لازم آئی۔

ثانیاً اس لیے کہ حدیث میں ہے:

عن ابی بن کعب قال قال رسول

النبی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر حکمت

والے ہوتے ہیں۔

الشعر لحکمت۔ (مشکوٰۃ ص ۴۹)

اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے:

ان من الشعر حکما۔

بعض شعر حکمت والے ہوتے ہیں۔

اب سرفراز صاحب بتلایئے کہ جب حضور جانتے ہی نہیں کہ شعر کیا چیز ہے۔

تو پھر آپ نے یہ کیسے فرمادیا کہ بعض شعر حکیمانہ ہوتے ہیں واضح امر ہے کہ جو یہ کہہ

رہا ہے کہ بعض شعر حکیمانہ ہوتے ہیں۔ وہ جانتا ہو گا کہ شعر کس چیز کا نام ہے۔ ورنہ

حضور کا یہ کلام ہی العیاذ باللہ صحیح نہ ہو گا۔ کہ جب آپ کو شعر کا علم ہی نہیں۔ تو آپ

کو اس کے حکیمانہ ہونے کا کیسے علم ہو گیا۔ نیز جب شعر آپ کے لیے مجہول مطلق

ہے تو کیا مجہول مطلق پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔

ثالثاً حدیث شریف میں ہے،

عن عائشة قالت ذکر

عند رسول الله صلى الله عليه

وسلم الشعر فقال رسول الله صلى

الله عليه وسلم هو كلام حسنة

حسن وقيحة قبيحہ (مشکوٰۃ ص ۴۱۰)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی

ہیں کہ نبی علیہ السلام کے سامنے شعر کا ذکر ہوا

تو آپ نے فرمایا کہ شعر ایک کلام ہے اگر

اس کا مضمون اچھا ہو تو شعر چھاپا ہے اور اگر

مضمون برا ہو تو شعر برا ہے۔

بحان اللہ یہ ہے علم رسالت کی عظمتوں کا جتنا جاگتا نشان معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم شعر کی اچھائی اور برائی اس کے عیوب اور خوبیوں پر مطلع تھے بلکہ آپ نے

شعر کی اچھائی اور برائی جاننے کا قیامت تک کے لیے قانون بنادیا کہ جس کا مضمون

درست ہو وہ درست ہے اور جس کا مضمون غلط ہو وہ غلط ہے۔ لیکن سرفراز

صاحب کہتے ہیں کہ آپ کے لیے شعر صحیح اور سقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی

خالص تحریف ہے؛

راجا اس لیے کہ اگر حضور شعر کی اچھائی اور برائی پر آگاہ نہ تھے اور آپ نے

ہمیں اس کے بارے میں ہدایت نہیں دی۔ تو لازم آئے گا کہ حضور کی ہدایات نامکمل

ہوں۔ اگر آپ کے سامنے برا شعر پڑھا جائے۔ تو آپ اسے روکیں گے یا نہیں۔ اگر

نہ روکیں تو یہ متعصب نبوت کے خلاف ہے۔ اور اگر روکیں تو یہ دیوبند کے مسلک

کے خلاف ہے۔ اور ثابت ہوا کہ حضور شعر کی اچھائی اور اس کی برائی پر مطلع اور

آگاہ ہیں۔

خامشاً یہ کہ حدیث میں ہے؛

انما قال يا رسول الله صلى الله عليه

وسلم ماذا ترى في الشعر فقال ان

المومن يحاهد بسيفه ولسانه

حضرت کعب بن مالک نے حضور سے عرض

کیا کہ آپ شعر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں آپ

نے فرمایا کہ مجاہد اپنی تلوار اور زبان دونوں سے

(مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۰) جہاد کرتا ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب آپ پر آیت کریمہ وعلماہ الشعر

وہا ینبغی لہ نازل ہو چکی تھی۔ اگر وعلماہ الشعر کے وہ معنی ہوتے جو سرفراز صاحب نے

سمجھے ہیں۔ تو کعب بن مالک کا حضور سے شعر کا حکم دریافت کرنا ہی لغو قرار پاتا ہے۔

کیونکہ آپ شعر کو جانتے ہی نہیں تو اس کا حکم کیسے بتلا سکتے ہیں اور اگر کعب بن مالک

نے بقول آپ کے سوال کرنے کی غلطی کر ہی لی تھی۔ تو حضور فرمادیتے کہ میں تو

شعر کا لغوی عرفی شرعی کسی قسم کا معنی جانتا نہیں۔ اس کا حکم کیسے بتلاؤں گا۔

سادساً یہ کہ علم اگر یہاں مطلق ادراک کے معنی میں لیا جائے۔ تو وہ خرابیاں

لازم آئیں گی جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہاں پر علم بمعنی ملکہ ہے بلکہ

طبیعت انسانہ کے اس وصف کو کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسے کسی کام پر مکمل

عمور ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی دشواری اور رکاوٹ کے وہ کام کر سکتا ہے۔ آسان

لفظوں میں ہم اس کو مہارت اور عادت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پس آیت کریمہ کا

معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کی علوت نہیں ڈالی یا شعر کہنے کی مہارت نہیں عطا

کی۔ اور اس آیت کریمہ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے۔ کہ آپ شعر کا معنی نہیں جانتے تھے۔

اور آپ کلام شعری اور غیر شعری میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔ دیکھئے علامہ اسماعیل

حنفی لکھتے ہیں؛

وفي التهذيب للبخاري من

اثننا قيل كان عليه السلام يحسن

الشعر ولا يقول ولا يصح ان

كان لا يحسنه ولكن كان يميز

بين جيد ودرجہ۔

ہمارے آئمہ سے ام لغوی تنزیہ میں فرماتے

ہیں۔ کہ لگایا ہے کہ نبی علیہ السلام اچھی طرح شعر کہ

سکتے تھے۔ لیکن کہتے نہ تھے صحیح بات یہ ہے

کہ آپ اچھی طرح شعر نہیں کہہ سکتے تھے لیکن

(روح البیان ج ۳ ص ۲۸۲)

کچھ سطر بعد علامہ اسماعیل حنفی فرماتے ہیں؛

والظاهر ان المراد وما
يتنبى له من حيث نبوته و
صدق لهجته ان يقول الشعر
لان المعلم من عند الله لا يقول
الاحقا وهذا الينا في كوننا في
نفسه قادر على النظم والنثر
وبدل عليه تميزة بين جيد
الشعر ودرديه اى موزونه وغير
موزونه على ما سبق ومن كان
مميزا كيف لا يكون قادرا على النظم
في الالهيات والحكم لكن القدرة
لا تستلزم الفعل في هذا
الباب صوت عن اطلاق
لفظ الشعر والشاعر
الذى يوهى التخيل
والكذب -

اور تحقیقی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے
قرآن و ما ینبئ کہ کا مطلب یہ ہے کہ منصب
نبوت کے اعتبار سے شعر کہتا آپ کے
مناسب نہیں ہے کیونکہ معلم من اللہ سوا حق
کے کچھ نہیں کہتا اور یہ نبی علیہ السلام کے
فی نفسہ شعر گوئی پر قادر ہونے کے متناقی
نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ شعر
کی اچھائی اور بُرائی کو جانتے تھے۔ اور
اس کے وزن اور قافیہ وغیرہ سے واقف
تھے اور جو نظم کرنے کو جانتا ہو وہ اس پر
تادر کیسے نہیں ہو سکتا کہ ان ہی مسائل اور احکام
کو نظم کی شکل میں بیان کرے لیکن قدرت اس
باب میں فیلیت کو مستلزم نہیں ہے تاکہ
احکام شرعیہ لفظ شعرا اور شاعری کے اطلاق
سے محفوظ رہیں کیونکہ یہ لفظ کذب اور
تخیلات کا وہم پیدا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو گیا۔ امام بغوی اور دیگر علماء اہل سنت کے
نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ آپ کو شعر کا علم و ادراک تھا۔ اور علامہ اسماعیل حقی
کے نزدیک حق یہی ہے کہ آپ کو شعر کہنے پر قدرت بھی تھی۔ البتہ شعر کہنے کی
مہارت نہ تھی۔ پس ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ حضرت صدر الافاضل
رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ اس آیت میں آپ سے ملکہ شعر کی نفی کی گئی ہے۔
وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ البتہ بغض رسالت اور جہالت کا چارے پاس کوئی علاج
نہیں ہے۔

سابعاً یہ کہ سرفراز صاحب نے ملکہ کی نفی کو تحریف پر محمول کیا۔ وہ کہتے
ہیں کہ یہاں علم کی نفی ہے۔ ملکہ کی نفی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ دیوبند کے اس
محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ملکہ اور علم میں تضاد نہیں۔ بلکہ ملکہ علم ہی کا ایک معنی ہے۔
دیہ کھٹے علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

هو علم ای ملکہ
وہ (علم) ملکہ ہی ہے۔

(مختصر معانی ص ۳۸، مطول ص ۵۶)

اب جب کہ ثابت ہو گیا کہ علم کا معنی ملکہ بھی ہے۔ پس علمنا میں علم کو ملکہ کے
معنی میں لینا تحریف نہیں بلکہ تصریحات علماء کے مطابق ہے۔
ثامناً اس لیے کہ شعر کہتے ہیں:

الکلام الذى قصد
الى و نثرنا -
یعنی وہ کلام شعر ہے۔ جس میں وزن کو مقصود
بنایا گیا ہو۔

اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے کلام موزون بیان
فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ان النبى لا كذب
ایک اور موقع پر فرمایا:

لا عيش الا عيش الاخرة
فاغفر لافئاس والمهاجرة

اور اس جگہ یہ سوال پیدا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما علمناه الشعر
پس یہ شعر آپ نے کیسے پڑھے۔ تو مفسرین کرام نے اس کا جواب دیا۔ ملاحظہ
فرمائیے۔ امام راڑی فرماتے ہیں:

ذلك ليس بشعر لعدم قصده
الى الوزن والقافية وعلى هذا
لوصد من النبى صلى الله عليه
وسلم كلام كثير موزون مقفى
یہ کلام موزون شعر نہیں ہے کیونکہ آپ نے
وزن اور قافیہ کا قصد نہیں کیا تھا۔ پس اس
بنیاد پر اگر نبی علیہ السلام سے کلام موزون کے
کثیر افراد بھی صادر ہوں تو شعر نہ ہوں گے

لا يكون شعر الحدام قصده
کیونکہ آپ تافہ اور وزن کا قصد نہیں کرتے
اللفظ - (تفسیر کبرج ص ۱۱) تھے۔

اسی طرح اور مفسرین نے بھی جواب دیئے ہیں۔ اب آپ غور فرمائیے کہ مفسرین کرام نے کلام موزوں کے ادراک کو وما علمناہ الشعر کے خلاف نہیں سمجھا بلکہ اس کے صدور کو وما علمناہ الشعر کے خلاف سمجھا ہے اور جواب کے درپے ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ تمام مفسرین کی مراد یہاں پر علم سے ملکہ ہے۔ نہ کہ مطلقاً ادراک جیسا کہ دیوبندیوں نے سمجھا ہے۔

تاسعاً یہ کہ خود علماء دیوبند نے تصریح کی ہے کہ حضور اعلم الخلق (مخلوق ہیں سب سے زیادہ جاننے والے) ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے تھانوی صاحب لکھتے ہیں: کہ بفضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیہ والعملیہ ہونے کے باب میں یہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(بسط البیان ص ۱۹)

اور مولوی علیل احمد صاحب لکھتے ہیں:

”ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد اس امر کے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا

(عقائد علماء دیوبند ص ۳۹)

ہوئے ہیں۔ اب سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر حضور کو شعر گوئی کا علم نہ ہو تو بتلائیے کہ امت کے مہن افراد کو شعر کا علم ہے ان کا علم اس شعبہ میں حضور سے زائد ہوا یا نہیں۔ پس حضور اعلم المخلوقات کیسے ہوئے۔ اب یا تو عقائد دیوبند کو باطل کیسے یا اپنی بدعتیگی سے تو یہ کیجئے۔ ممکن ہے سرفراز صاحب یہ عند پیش کریں کہ پوری چیز کا علم حضور سے نفی کرنے میں کوئی برائی نہیں۔ تو گذارش

ہے کہ مطلقاً شعر تو مذموم نہیں ہے۔ حضور نے خود فرمادیا ہے کہ: ہوا کلام رحستہ حسن جس شعر کا مضمون اچھا ہو وہ اچھا ہے اور جس کا مضمون برا ہو وہ برا ہے۔

نیز اگر شعر مطلقاً مذموم ہے تو پھر حسان بن ثابت کے اشعار پر کیا فتویٰ لگائیے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت حسان کو منبر پر بٹھا کر شعر سناتے تھے۔ اس بارے میں کیا حکم ہو گا۔ اور سب کو چھوڑیے۔ اپنے آباؤ اجداد کی شاعری کو کس کھاتہ میں رکھئیے گا۔ قصائد قاسمی اور مرثیہ گنگوہی کس مرتبہ میں شامل ہوں گے۔ پس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ مطلقاً شعر مذموم نہیں ہے۔ جس کا مضمون مذموم ہو وہ مذموم ہے اور جس کا مضمون محمود ہو۔ وہ محمود ہے۔ پس جن اچھے اشعار کا علم افراد امت کو ہے اور حضور کو نہ ہو۔ تو اس علم میں یہ افراد امت حضور سے بڑھے یا نہیں۔ پھر آپ کے اعلم الخلق ہونے کا عقیدہ کس طرح سلامت ہے گا افسوس اور صد افسوس کہ آپ اپنے اہل جبارور بہان کے لیے اشعار کا علم ثابت کرتے ہیں۔ اور حضور جو اعلم الخلق ہیں ان سے اس کے علم کی نفی کرتے ہیں۔ پس کیسے کیا آپ نے اپنے دیوتاؤں کا مرتبہ حضور سے بڑھا نہیں دیا۔ بہر حال ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ علم بمعنی ادراک آپ کے لیے ثابت ہے اور جو منفی ہے وہ علم بمعنی ملکہ ہے۔

سرفراز صاحب کے ایک اعتراض پر بحث کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس بات پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ کہ آخر ملکہ شعر کو کیوں منافی نبوت قرار دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے جو ہم ابھی روح البیان سے نقل کر چکے ہیں۔ دوسری وجہ جو امام رازی نے تفسیر کبیر میں ارقام فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نثر میں الفاظ معنی کے تابع ہوتے ہیں اور نظم میں معنی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔ پس شاعر کی بالذات نظر الفاظ کی طرف اور نبی کا مقصود الفاظ نہیں۔ معنی ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے نبی علیہ السلام کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا گیا۔

صدر الافاضل کا دوسرا جواب اور اس کی توضیح و ما علینا الشیء سے مبتدین دیوبند کے تنقیص علم پر استدلال کا دوسرا جواب صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے۔ یا یہ کہ قرآن تعلیم شعر نہیں ہے اور شعر سے کلام کا ذب مراد ہے۔ خواہ موزوں ہو یا غیر موزوں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم اولین و آخرین تعلیم فرما گئے۔ جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کے معلومات واقعی اور نفس الامری ہیں۔ کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے۔ وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامن تقدس اس سے پاک ہے۔

اب سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیے:

”وما علینا الشیء میں تو نفی ہے۔ اس سے علم اولین و آخرین کی تعلیم کے اشارے کا جوڑ خلا معلوم کیسے تھا۔ قرآن کریم کا یہ قطعی مضمون تو یہ بتلارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلقاً شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ آپ کی شان کے لائق ہے۔ لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کو اولین و آخرین کے علوم کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔ نہ معلوم یہ اشارہ کیسے ثابت ہوا۔“ (تنقید متین ص ۱۹۷)

مفسرین نے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ قرآن شعر کی طرح کلام کا ذب نہیں۔ چنانچہ شبیر احمد صاحب عثمانی اپنی تفسیر میں اسی مقام پر لکھتے ہیں: ”اس پیغمبر کو ہم نے قرآن دیا ہے۔ جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے۔ کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں دیا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کی تعلیم دی جس میں علوم و آخرین موجود ہیں نہ کہ کذب کی تعلیم دی ہے جو آپ کی شان کے لائق نہیں اور عقلمند شخص کیلئے

یہ واضح اشارہ ہے۔

صدر الافاضل کا تیسرا جواب صدر الافاضل رحمہ اللہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اس میں شعر بمعنی کلام موزوں کے جاننے اور اس کے صحیح و سقیم۔ جید و ردی کو پہچاننے کی نفی نہیں۔ بلکہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں طعن کرنے والوں کے کیلئے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کائنات عطا فرمائے۔ اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔

سرفراز صاحب کی تنقید:

”مثلاً یہ کہ کس آیت اور خبر متواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر (ایک ذرہ اور ایک فرد بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہو) علوم کائنات عطا فرمائے گئے تھے۔ تاکہ یہ آیت کہیمہ اس سے متعارض نہ ہو۔ اور اس کو اس کے مقابلہ میں سند لانا صحیح نہ ہو اور اس کو اس کے مقابلہ میں پیش کرنا محض غلط ہو۔ قرآن و حدیث میں تو کوئی ایک حوالہ بھی صریح اس پر موجود نہیں ہے۔ ہاں فی الجملہ اولین و آخرین کا آپ کو عطا ہونا صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ مگر وہ بعض ہیں کلی نہیں۔“ (تنقید متین ص ۲۳۶ طبع دوم)

علم کلی عام طور پر مبتدین دیوبند حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کلی کو اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اصل عقیدہ کو دلائل سے بیان کر دیا جائے۔ عذر فرمائیے ہر چیز قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور جس چیز کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ اس کا نبی علیہ السلام کو علم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر چیز کا نبی علیہ السلام کو علم ہے قیاس کا صغریٰ یہ ہے۔ کہ ہر شے قرآن میں مذکور ہے اور اس پر قرآن کریم کی یہ آیت دلیل ہے:

وقال الشافعي مرة بركة سلوني
عما شئتم اخبركم عنه في كتاب الله
الى ان قال وقال ابن ابى الفصل
المرسی فی تفسیرہ جمع القرآن
علوم الاولین و آخرین بحیث
لم یحیط بها علما حقیقة الا المتکلم
بھاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خلا ما استاثر به سبحانہ تعالیٰ
ثم وردت عنه معظم ذلک
سادات الصحابة و اعلامہم
مثل الخلفاء الراشدة
و ابن مسعود و ابن عباس رضی
اللہ تعالیٰ عنہم، حتی قال لوضع
عقال بغير لوجدته فی کتاب
اللہ

(آلکان ج ۲ ص ۱۲۶)

ام شافعی نے فرمایا نجد سے جو چیز پوچھو
تو میں تمہیں وہ قرآن میں دکھا دوں گا۔ اور ابن
ابی الفضل مرسی نے اس کی تفسیر میں کہا
کہ قرآن کریم تمام علوم اولین و آخرین کا
جامع ہے جن کے علم کا حقیقت میں
سوائے اللہ کے کسی نے احاطہ نہیں
کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا
ان امور کے جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں
پھر کبار صحابہ اس علم سے فرحستہ کے
وارث ہوئے۔ مثل خلفائے راشدین
کے اور حضرت ابن مسعود اور ابن عباس
کے اور ابن عباس نے تو یہاں تک فرمایا
کہ اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے
تو میں اسے بھی قرآن میں پالوں گا۔

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اور علامہ سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ کی ان عبارت
سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان اور علم موجود ہے۔
اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ بعض مفسرین نے بتایا اکل شئی کی صرف احکام
شریعیہ کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کل کا عموم قطعی
ہے۔ اور اس کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی تو بعض مفسرین
کے اقوال اس کے مخصوص کس طرح ہو سکتے ہیں۔ پس بحمد اللہ یہ بات ثابت
ہو گئی کہ قرآن کریم میں تمام چیزوں کا بیان ہے اور جامعاً ثابت ہے کہ
قرآن کریم جس چیز کا بھی بیان ہے۔ نبی علیہ السلام کو ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم حاصل ہے۔ اور اسی علم کو علم
کلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
ثانیاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت اسی شخص کو حاصل ہوگی۔ جسے مخلوق کا
علم حاصل ہو۔ دیکھئے امام رازی متوفی ۶۰۶ھ و کذا لکن ندی ابراہیم
ملکوت السموات والارض کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لیس المقصود من اراة
اللہ ابراہیم ملکوت السموات
والارض ہو مجرد ان یری ابراہیم
هذا الملكوت بل المقصود ان
یراہا فی توسل بها الی معرفتہ
جلال اللہ تعالیٰ وقد سہ و علوہ
وعظمتہ۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۲)
اور علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

وانت تعلم ان روية الربوبية
اغماهی بروية دلائلها و اشارها
(روح المعانی ج ۷ ص ۱۷۲)

پس اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ حاصل
ہے۔ تو آپ کو حضور کے لیے علم کلی بھی ماننا پڑے گا۔

ثانیاً اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات
کا علم عطا فرمایا۔ اب اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت ابراہیم سے کم
نہیں سمجھتے تو آپ کو حضور کے لیے بھی علم کلی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ امام رازی
متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ان اللہ اراہ الملكوت بالعبین
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

قالوا ان الله تعالى شق لنا السموات
حتى راى العرش والكرسى والى
حيث ينتهى فوقية العالم الجسمانى
وشق له الارض الى حيث ينتهى
الى السطح الاخر من العالم الجسمانى
وراي ما فى السموات من
العجائب والابداع وراى ما
فى باطن الارض من العجائب

والغرائب - (تفسير كبير ج ۲ ص ۷۳)

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ مخلوق کا کلی علم خالق کی کامل معرفت کا ذریعہ
ہے۔ پس جب کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس علم کلی سے بہرہ مند
فرمایا تو نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ کیونکر متصور ہے کہ انہیں یہ علم حاصل نہ
ہو۔ بلکہ نبی علیہ السلام کو یقیناً اس سے کہیں زیادہ علم حاصل تھا۔ کیونکہ جب آپ
کو خالق کی معرفت تمام انبیاء سے اتم اور اکمل درجہ میں حاصل ہے۔ تو لازماً مخلوق
کا علم بھی آپ کو سب سے زیادہ حاصل ہوگا۔

رابعاً یہ کہ امام رازی اسی مقام پر فرماتے ہیں کہ انسان پر جب تک حجابات
بشریہ چھائے رہتے ہیں۔ وہ علم و عرفان سے دور رہتا ہے۔ اور جب حجابات
بشریہ زائل ہو جاتے تو وہ نور جلال ذات کی روشنی میں تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔
چنانچہ امام نے فرمایا:

وکل ما سوى الله فهو حجاب
عن الله تعالى فلما زال ذلك
الحجاب لاجرم تجلى له ملكوت
السموات بالتمام قوساً و

كذلك نرى ابراهيم
ملكوت السموات معناه و
زوال الاشتغال لغير الله حصل
له نور تجلى جلال الله تعالى

(تفسير كبير ج ۲ ص ۷۳)

پس جو لوگ نبی علیہ السلام کے لیے علم کلی نہیں مانتے۔ کیا ان کے خیال میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر حجابات پڑے ہوئے ہیں۔ نیز جب حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے بلندی شان کا یہ مرتبہ ہے کہ نور جلال سے تمام حقائق ان پر
منکشف ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین ہیں۔ ان کے علم کی
عظمتوں کا کیا عالم ہوگا۔

خامساً ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

للغيب مبادى و لواحق
فمباديه لا يطلع عليه ملائكة قرب
ولا نبى مرسل واما اللواحق فهو
ما اظهره الله على بعض احبائه
لوحة عمله وخرج ذلك عن
الغيب المطلق وصار غيباً اضافياً
وذلك اذ انوار الروح القدسية
وازداد نوراً يتهادى و شراً قها
بالاعراض عن ظلمة عالم
الحس و تخليقة القلب عن صدد
الطبيعة و المواظبة على الحس
و العمل و فيضان الانوار الالهية

غیب کے مبادی بھی ہیں اور لواحق بھی لیکن
مبادی پر نہ کوئی ملک مقرب اطلاع پاتا
ہے اور نہ کوئی نبی مرسل باقی رہے لواحق
تو ان کو اللہ تعالیٰ اپنے بعض احباب پر
ان کے عمل کے مطابق مطلع فرماتا ہے۔
اور یہ غیب اضافی ہے۔ کیونکہ جب روح
قدسیہ منور ہو جاتی ہے۔ اور عالم محسوس
کی ظلمت سے کنارہ کش ہو کر آئینہ دل
کو طبیعت کے رنگ سے صاف کر لیتی ہے
اور علم و عمل پر دوام حاصل ہو جاتا ہے اور
فیضان انوار الہیہ کی دہر سے یہ نور اور
زیادہ قوی ہو کر فضاء قلب پر چھا جاتا

حتی یقوی التور وینبسط فی
فضاً قلبه فتعکس فیہ النقرش
الم تسمہ فی اللوح المحفوظ ویطلع
علی المعبیات ویتنصرف فی
اجسام العالم السفلی بل یتجلی
حینئذ الفیاض الاقدس بمعرفۃ
اللہ ہی الشرف العطا یا
فکیف بخیرھا۔
(مرقات ج ۱ ص ۶۲)

ہے تب اس کے دل میں لوح محفوظ کے
نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ
غیب پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس عالم
کے اجسام میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ اس
کے دل پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات وارد
ہوتی ہیں اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی
معرفت حاصل ہو جاتی ہے جو سب سے
افضل مقام ہے تو بھلا کوئی اور چیز اس سے
کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔

علامہ علی قاری کی اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ صالحین کا ملین اور عارفین باللہ
سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مخفی
نہ رہی تو کوئی اور چیز کیسے مخفی رہ سکتی ہے اور یہی علم کلی ہے۔ پس جب علم صالحین
اور کاملین کو یہ علم حاصل ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام کاملین اور عارفین
کے سر تاج ہیں انہیں یہ علم کیونکر حاصل نہ ہوگا۔

نیز حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فعلمت ما فی السموات
والارض۔ (مشکوٰۃ ص ۶۹)
پس میں نے جان لیا اس ہر چیز کو جو آسمانوں
میں اور زمین میں ہے۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے
ہیں:

ایں عبارات است از حصول
تمام علوم جزوی کلی و احاطہ اہل۔
(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۳۳)

آپ کا یہ قول اس سے عبارت ہے
کہ آپ کو تمام جزوی و کلی علوم حاصل
ہو گئے اور آپ نے ان کا احاطہ
کر لیا۔

اور علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر مکی کی عبارت
ذکر کی ہے۔

وقال ابن حجر ای جمیع
الکائنات الہی فی السموات
بل وما فرقھا کما یستفاد
من قصۃ المعراج والارض
ہی بمعنی الجنس ای و جمیع
ما فی الارضین المسبوع بل وما
تحتھا (مرقات ج ۲ ص ۲۱۰)

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے تمام
کائنات کو جان لیا جو آسمانوں میں ہے
بلکہ اس سے اوپر بھی جیسا کہ قصہ معراج سے
مستفاد ہے اور زمین کا لفظ حدیث میں جنس
کے معنی میں ہے یعنی سات زمینوں بلکہ اس
سے بھی نیچے جو حقائق تھے ان تمام کو
جان لیا۔

ایک اور روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فتجلی لی کل شی۔
(مشکوٰۃ ص ۷۲)

پس ہر چیز میرے لیے منکشف ہو گئی۔

اس حدیث میں بھی کل کا مضاف الیہ نکرہ ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کو تمام چیزوں
کا علم حاصل ہے۔

اور اس کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا:
پس مجھ پر تمام علوم ظاہر ہو گئے اور
چیز از علوم و شتا ختم ہمدرا۔
(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۳۳)

بھلا اللہ ہم نے قرآن کریم احادیث اور اقوال محققین علماء کی روشنی میں نبی
علیہ السلام کے علم کلی کو واضح تر بیان کر دیا ہے۔ البتہ منکرین اور متعصبین کی ضد
ہٹ دھرمی اور عناد رسول کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

علم الہی اور علم رسول میں فرق
یہ کہا کرتے ہیں کہ جب کل اشیاء کا

علم حضور کے لیے مان لیا۔ تو پھر آپ کا علم اللہ کے علم کے مساوی ہو گیا۔ اس لیے اس مقام پر علم کلی کی وضاحت نہایت ضروری ہے (پس جاننا چاہیے کہ علم کلی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو خدا کا علم ہے۔ وہ حضور کو سب حاصل ہے۔ بلکہ مخلوقات اور لوح محفوظ کے کل علوم حضور کو حاصل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم لوح محفوظ میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ کروڑوں الواح بھی اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضور کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی مثل ہے نہ بعض کی بلکہ ایک ذرہ کے علم میں بھی حضور اور خدا کے علم میں بھی کوئی مماثلت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور ان غیر متناہی وجہ میں سے ہر وجہ کا پھر غیر متناہی وجہ سے علم ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غیر متناہی علوم کے تسلسل ہیں۔ اور اس کے علم کی وسعت کسی انسانی دماغ میں آہی نہیں سکتی) دیکھئے امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

معلومات اللہ تعالیٰ غیر	اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی
متناہیۃ ومعلوماتہ فی کل	ہیں اور ان معلومات غیر متناہیہ میں سے
واحد من تلک المعلومات ایضا	ہر معلوم پھر غیر متناہی وجہ سے معلوم
غیر متناہیۃ۔	ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۳)

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق تمام مخلوقات کے علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ نسبت ہے جو قطرے کو سمندر سے ہے۔ یعنی تمام مخلوقات کا علم بمنزلہ قطرہ ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں حضور کا علم بمنزلہ سمندر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ایسی بھی نہیں۔ جیسے قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔ یعنی اگر

اللہ تعالیٰ کے علم کو سمندر قرار دیا جائے اور حضور کے علم کو اس کے مقابلہ میں قطرہ قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ قطرہ بھی متناہی ہے اور سمندر بھی اور یہ متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے۔ اور حضور کے علم اور اللہ تعالیٰ کی نسبت متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور کے علم میں جس طرح مقدار میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اسی طرح کیفیت اور صفت کے لحاظ سے بھی کسی مماثلت کا تصور نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حادث اور جائز الزوال ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور ممتنع الزوال ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ حضور کے علم کلی کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ نہ مقدار کے اعتبار سے مماثلت ہے نہ کیفیت کے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور کے لیے علم کلی ماننے سے آپ کے علم کلی کی خدا کے علم سے مساوات لازم آجاتی ہے۔ ان کے جواب میں ہم اس کے سواء اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

ما قدر واللہ حق
ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی
قد ساء - جیسی کفی چاہیے تھی۔

حاصل بحث یہ ہے کہ حضور کے علم کلی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کا کل علم آپ کو حاصل ہے۔ بلکہ مخلوق کا کل علم آپ کو عطا کیا گیا اور اس کی تکمیل نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً ہوئی۔ اور جن احادیث کا یہ مفاد ہے کہ تمام حقائق آپ پر دفعۃً منکشف ہو گئے تھے۔ وہ تدریج کے منافی نہیں ہے کیونکہ عالم کے احوال اور صفات یونانیوں نابدلہ رہتے ہیں۔ پس آسمان و زمین کے تمام حقائق آپ پر پیش کیے گئے اور آپ نے انہیں جان لیا اور ان کی تفصیلات پر آپ کو تدریجاً اطلاع ہوئی۔

سرفراز صاحب کے شبہات | سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

درابنایا ملکہ اور کلام کاذب غیر نفس الامری میں باتیں ہیں۔ اس جہاں میں نہیں ہوتیں۔ اور آخر ان کی نفی بھی تو عیب کے منافی ہے۔ پھر عیب کلی کا دعویٰ کیونکر صحیح ہوا؟ (تنقید متین ص ۱۹۷)

صدر الافاضل رحمہ اللہ نے شعر کے ملکہ کی نفی کی ہے یعنی آپ کو شعر کہنے کی مہارت نہیں ہے۔ اس سے علم کلی کی نفی کس طرح لازم آگئی یہ تو ایسا ہی ہے کہ مثلاً کوئی کہے۔ چونکہ حضور کو آسمان و زمین بنانے کی مہارت نہیں ہے۔ اس لیے آپ کو علم کلی نہیں۔

ثانیاً یہ کہ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ملکہ (مہارت) کی نفی کی ہے۔ ملکہ کے علم کی نفی تو نہیں کی ہے۔ حتیٰ کہ آپ اس کی نفی سے علم کلی کی نفی کریں۔ اسی طرح کلام کاذب کی نفی سے علم کلی کی نفی کرنا بھی سراسر حماقت ہے یہ بات اس وقت تو کہی جاسکتی تھی جب صدر الافاضل رحمہ اللہ نے یوں فرمایا ہوتا کہ:

”آپ کو اللہ تعالیٰ نے کلام کاذب کا علم اور ادراک نہیں عطا کیا“

حالانکہ صدر الافاضل تو فرما رہے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ نے آپ کو کذب کی تعلیم نہیں دی۔ یعنی جھوٹ بولنا نہیں سکھایا“

اس سے علم کلی تو کجا۔ علم جزوی کی بھی نفی نہیں ہوتی۔ اور اگر آپ کے ہاں تعلیم کذب کی نفی سے علم کی نفی ہوتی ہے۔ تو ہمیں بھی کہتے دیجئے کہ آپ کو ماں باپ اور اساتذہ نے جھوٹ بولنا نہیں سکھایا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ آپ بے علم اور جاہل ہیں۔

انبیاء و سابقین کے متعلق حضور کا علم | سرفراز صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے علمی

ثابت کرنے کے لیے دوسری دلیل اس طرح قائم کی ہے:

ورسلاً قد قصصنا علیک
من قبل ورسلاً لم نقصصہم
علیک۔
اور کتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں جن میں بعض کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا دیئے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے حالات نہیں بتائے۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض انبیاء کرام علیہ السلام کے حالات کا علم عطا نہیں کیا۔ (تنقید متین ص ۱۹۸)

اس آیت کریمہ میں زمانہ ماضی میں نبی علیہ السلام کے علم کی نفی ہے۔ اور زمانہ ماضی میں کسی بات کی نفی سے زمانہ مستقبل میں اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ اور اگر دیوبندیوں کو اسی پر اصرار ہے کہ ماضی میں نفی سے مستقبل میں نفی لازم آجاتی ہے۔ تو پھر ہمیں بھی یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ اشرف علی صاحب حقانوی چونکہ بچپن میں جاہل تھے۔ لہذا آج بھی جاہل ہیں اور ہمیشہ جاہل رہیں گے۔ اسی طرح قاسم نانوتوی اور آپ کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی چونکہ بچپن میں جاہل اور بے علم تھے۔ اس لیے مرتبہ وقت تک جاہل اور بے علم رہے۔

✱ ہمارا دعویٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً وصال تک مکمل ہوا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی لاعلمی ثابت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ فلاں چیز کا علم آپ کو وصال تک نہیں ہوا۔ مبتدعین کی پوری جماعت کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ اس طور پر آپ کی بے علمی ثابت کرے۔

زمانہ ماضی میں کسی چیز کی نفی سے یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کو اس کا علم اخیر وقت تک نہیں ہوا۔ جہالت کی بدترین مثال ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

نفی قصہ ہم من قبل لا یتلزم
نفی قصہ ہم مطلقاً فان نفی الخاص
لا یتلزم نفی العام فی ممکن ان
یکون قصہ ہم علیہ صلی اللہ علیہ
وسلم بعد فعلہم (روح المعانی ج ۶ ص ۱۶)

تواضع کی تحقیق | صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ نے
لا اقول لکم عندی خزائن اللہ کی تفسیر میں فرمایا:

”مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ حضور کا لا اقول لکم الآیۃ فرمانا بطریق
تواضع کے ہے۔ (خازن - مدارک وجہ وغیرہ)“

اس تفسیر پر سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیے:

”رہا تواضع کا مسئلہ تو بے شک بعض مفسرین کرام نے لا اعلم
الغیب کو تواضع پر حمل کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ
آلوسی حنفی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع اور اظہار
عبودیت پر حمل کیا ہے تو درست نہیں ہے۔ بل ہولیس بشی
کما لا یخفی (روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۷) بلکہ یہ تو بالکل بیچ ہے۔ اور
بالعیا یہ کے درجہ میں ہے۔ اور صاحب مواقف (ص ۷۱) میں لکھتے
ہیں کہ لا اسلم انت فی معرض التواضع ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ تواضع
پر محمول ہے“ (تنقید تین ص ۲۰۰)

سرفراز صاحب آپ اپنے حلقہ میں اہل علم سمجھے جاتے ہیں اور بد قسمتی سے لوگ
آپ کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں۔ پھر کچھ تو خدا خوفی اور آخرت کا خیال
کیا ہوتا۔ اس قسم کی شرمناک غیانت اور بددیانتی سے آپ کب تک مبتدعین
دیوبند کا بھرم قائم رکھیں گے۔
علامہ آلوسی صاحب روح المعانی اور صاحب مواقف کی طرف آپ نے

خلاف واقع یہ نسبت کی ہے۔ کہ انہوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے
کو غلط قرار دیا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہی تھا تو آپ نے روح المعانی اور مواقف کے
محمل حوالے کیوں دیئے۔ اور ان کی مکمل عبارات کیوں پیش نہیں کیں۔ کیا اس
لیے کہ اگر وہ عبارات سامنے آجاتیں تو آپ کے بھوٹ کا راز فاش
ہو جاتا۔

قارئین کرام! حقیقت یہ ہے کہ شرح مواقف ص ۱۰۷ پر جس کا سرفراز صاحب
نے حوالہ دیا ہے۔ ایسی کوئی عبارت نہیں جس میں لا اعلم الغیب (میں غیب نہیں جانتا)
کو تواضع پر محمول کرنے کو بیچ یا لایعیا بہ کہا ہو بلکہ انہوں نے لا اقول لکم انی ملک
(میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) کے بارے میں کہا ہے کہ یہ تواضع پر
محمول نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ملائکہ انبیاء
عظیم السلام سے افضل ہوتے ہیں۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور نے تواضعاً
فرمایا ہے کہ لا اقول لکم انی ملک کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ پس معلوم
ہوا کہ فرشتہ کا مقام نبی سے اونچا ہوتا ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سے
فرشتہ ہونے کی نفی کر کے تواضع نہ فرماتے۔ چنانچہ صاحب مواقف اور صاحب
روح المعانی دونوں نے اس دلیل کا رد کیا۔ اور فرمایا لا اقول لکم انی ملک کو تواضع پر
محمول کرنا ہم تسلیم نہیں کرتے تاکہ ملائکہ کی انبیاء پر فضیلت ثابت ہو۔ اب ہم آپ
کے سامنے مواقف اور روح المعانی کی عبارات پیش کرتے ہیں:

اجتہد الخصام علی تفصیل الملائکۃ
بوجہ عقلیہ ونقلیۃ الی ان
قال انما الوجہ الثقلیۃ فسبحۃ
الاول ولا اقول لکم انی ملک
فی معرض التواضع والجواب لانہ
انہ فی معرض التواضع (شرح مواقف ص ۱۰۷)

مخالف نے فرشتوں کی فضیلت پر عقلی اور
نقلی دلائل سے استدلال کیا۔ بہر حال
وجہ ثقلیہ سات ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ حضور
نے بطور تواضع فرمایا کہ میں فرشتہ نہیں
ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں
مانتے کہ یہ کلام تواضعاً فرمایا تھا۔

موافق کے بعد اب صاحب روح المعانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے :

وخص ابن عباس رضی اللہ عنہما
الغیب بعاقبة ما یصیرون الیه
ای لا ادعی ذالک ولا ادعی ایضا
المکیة حتی تکلفوا فی من الافاعیل
المخارقة للعادات ما لا یطیفه
البشر من الرقی فی السماء ونحوه
وتعد واعدت التصانیف بصفاتها
قادحاً فی امری کما ینبئ عنه قولهم
ما لہذا الرسول یا کل الطعام
ومیشی فی الاسواق ولیس فی
الایة علی ہذا دلیل علی تفصیل
الملائكة علی الانبیاء فلیہم الصلوة
والسلام فیما ہو محل النزاع
کما زعم الجبائی لانھا انما وردت
رد اعلی الکفار فی قولہم ما لہذا
الرسول الی ان قال و ہذا
الجواب ظہر مما نقل عن القاضی
ذکر یا من ان ہذا القول منہ
صلی اللہ علیہ وسلم من باب التواضع و اظہار
العبودية تطہیر قولہ علیہ الصلوۃ والسلام
لا تفضلونی علی ابن ماری بل ہو لیس

لبثی کما لا یخفی - (روح المعانی ج ۷ ص ۱۳۵)

صاحب روح المعانی کی اس عبارت سے بالکل واضح ہو گیا کہ علامہ آلوسی
معتزلہ کے استدلال کو رد کر رہے ہیں کہ لا اقول لکم انی ملک سے فضیلت ملائکہ
پر استدلال کرنا غلط ہے اور قاضی ذکر یا نے جو تواضع کا یہ جواب دیا کہ اس قول
کی تواضع ایسی ہے - جیسے لا تفضلونی علی ابن ماری میں تواضع ہے کہ اس قول سے یہ
لازم نہیں آتا کہ حضور حضرت یونس سے افضل نہ ہوں پس ایسے ہی لا اقول لکم
میں تواضع سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ملائکہ سے افضل نہ ہوں - اب دیکھئے کہ
اس پوری عبارت میں کہیں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے - جس میں لا اعلم الغیب کو
تواضع پر محمول کرنے کا رد کیا گیا ہو - پس سرفراز صاحب کے اس تھوڑے پر ہم
سوائے لعنة اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں -

آئیے ہم اب آپ کے سامنے خود روح المعانی سے اس امر کی شہادت
پیش کرتے ہیں کہ نفی غیب کو تواضع پر محمول کرنا صحیح اور درست ہے - روح المعانی
میں علامہ آلوسی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے باوجود کثیر غیب جاننے کے اپنی ذات سے علم غیب کی نفی کیوں کی - چنانچہ
کہتے ہیں :

وفي لباب التاویل للمخازن فی
الجواب عن ذالک انه یحتمل
ان یکون هذا القول منہ علیہ
الصلوة والسلام علی سبیل
التواضع والادب والمحی لا اعلو
الغیب الا ان یطلعنی اللہ تعالی علیہ
ویقدرد لی ویحتمل ان یکون قال ذالک
قبل ان یطعه اللہ تعالی علی الغیب
فما اطلعه اخبر به او یکون خیر هذا

علامہ مخازن نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ
نبی علیہ السلام نے علم غیب کی نفی تواضع کا
ہو (اور تواضع سے کذب لازم نہیں آتا)
کیونکہ تواضع کا معنی یہ ہے کہ میں خدا کے
بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا اور یہ
بھی ممکن ہے کہ اپنے غیب پر مطلع
ہونے سے پہلے نفی کی ہو - اور اطلاع
پاکر غیب کی خبر دی ہو یا نبی علیہ السلام کا
یہ کلام گفتار کے سوال کے جواب

الکلام مخرج الجواب
عن سوالهم ثم بعد
ذالك اظهره الله تعالى على اشياء
من المغيبات ليكون ذالك
معجزة له ودلالة على صحة
نبوته صلى الله عليه وسلم
انتهى - وفيه تامل وكلام بعض
المحققين يشير الى ترجيح الاول -
(روح المعاني ج ۹ ص ۱۲۱)

علامہ خازن کے جس جواب کا صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے وہ
جواب اور اس پر علامہ آلوسی کا تبصرہ ہم نے ہدیہ قارئین کر دیا ہے۔ تاکہ دیکھنے
والے دیکھ لیں کہ علامہ آلوسی تواضع والے جواب کو رد کر رہے ہیں۔ یا اس کو
ترجیح دے رہے ہیں۔

صدر الافاضل نے خازن رملک اور جن کے حوالہ سے جوابات بیان کی تھی وہ
بات خرفا حرقا ثابت ہے۔ اور جن تفسیروں کے حوالے صدر الافاضل رحمہ اللہ نے
دیئے ہیں ان کے علاوہ دوسرے مفسرین نے بھی تواضع کا قول کیا ہے جن میں سے
ایک امام فخر الدین رازی بھی ہیں۔ تواضع کے قول کو سرفراز صاحب رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
”علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تو حاصل تھا لیکن

آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا کہ لا اعلم الغیب میں غیب نہیں جانتا تو کیا
دیدہ دانستہ خلاف واقع بات کہتا جھوٹ ہے (معاذ اللہ تواضع)

(تمقید متین ص ۲۰۰)

افسوس ہے کہ ڈاڑھی سفید ہو چکی۔ لیکن آپ کو ابھی تک تواضع کے معنی کا
بھی پتہ نہیں چلا۔ کاش آپ بریلی کے کسی ادنیٰ طالب علم کی ہی شاگردی کر لیتے۔ تو
آپ کو تواضع کا معنی سمجھ میں آجاتا۔ اور بڑھاپے میں یہ ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔

سینے جناب من تواضع کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا کے علم کی عظمت
کے مقابلہ میں اپنے علم کی نفی فرما رہے ہیں۔ کہ اے بار اللہ تیرے علم کی وسعتوں کے
مقابلہ میں میرا علم کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ یہ کہ فی نفسہ میرا علم کچھ بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ
کو اسے جھوٹ کہنے کی جرأت ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آپ..... تو کسی معیب کو بھی نہیں جانتا الایہ
کہ اللہ تعالیٰ میری رہنمائی فرمائے۔ اور یہی معنی علامہ خازن نے بیان کیا ہے کیئے!
اب سمجھ میں آیا آپ کو! تواضع کس کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ اور ہدایت
عطا فرمائے۔ ہم تو ہر حال میں آپ کے دعا گو ہیں۔



منافقین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

قرآن کریم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن اهل المدينة مردوا

على النفاق لا تعلمهم نحن

نعلمهم۔ الآینہ

(اعلمحضرت اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں) اور
کچھ مدینہ والے ان کو خو ہو گئی ہے نفاق کی تم انہیں
نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔

چونکہ مبتدعین دیوبند اس آیت سے بھی سادہ لوح لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے ہیں
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم نہ تھا۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ان کے
شبہات کو زایل کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ایسا جاننا جس کا
اثر انہیں معلوم ہو۔ وہ ہمارا جاننا ہے کہ ہم انہیں عذاب کریں گے۔ یا حضور
سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق کے ہے اور اس کا علم بعد
کو عطا ہوا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ولتعرفہم فی لحن القول (جہاں)
کبھی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزِ جمعہ خطبہ کے لئے
قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ مکمل اے فلاں تو منافق ہے مکمل اے فلاں
تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔ اس سے بھی معلوم
ہوتا ہے کہ حضور کو اس کے بعد منافقین کے حال کا علم عطا فرمایا گیا۔

اس تفسیر پر سرفراز لکھتے ہیں۔

نہ معلوم ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہوا۔ یہ کس لفظ کا معنی اور
تفسیر ہے۔ اور انہیں معلوم ہوئے سے کون مراد ہے۔ الفاظ تو
بالکل واضح ہیں کہ مدینہ کے کچھ لوگ نفاق کے ایسے خوگر ہیں
جن کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں۔ ہم ہی جانتے ہیں

جو اپنے مفہوم میں قطعی الدلالتہ ہے۔ اس میں کوئی احتمال پیدا نہیں ہوتا۔
البتہ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

(تفہیم ص ۲۰۲)

صدر الافاضل کے جواب کی توضیح

صدر الافاضل کی اس تفسیر کا مطلب
حقیقت پسندوں پر تو بالکل واضح

ہے۔ عرف میں مجرموں اور بدکاروں کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہم تمہیں جانتے
ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمہیں تمہاری بدکاریوں پر سزا دیں گے۔ پس منافقوں کا
علم اللہ تعالیٰ کے رسول کو بھی حاصل تھا لیکن اس علم میں وہ شمرہ ان پر مرتب نہیں
ہوا۔ جس سے ان کو دوسرا عذاب دیا گیا ہو چنانچہ اس آیت کا معنی ہے۔ ان
منافقین کو آپ نہیں جانتے۔ انہیں ہم جانتے ہیں۔ ہم غنقریب انکو دوسرا عذاب
دیں گے اور نحن نعلمہم کے بعد سنو جو ہم موتین کا ذکر اس پر قرینہ ہے
کہ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جس کا اثر ان منافقین پر دوسرے عذاب کی
صورت میں نازل ہو۔ پس جس علم کی نفی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی
گئی ہے۔ وہ اس خاص قسم کا علم ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
مطلقاً منافقین کے علم کی نفی مراد ہے۔ حتیٰ کہ عظمت رسالت کے منکرین اس
آیت کو تنقیص نبوی کا نشان بنا لیں اہل فہم کے لئے ان چند سطروں میں ایضاح
حق کے لئے وافر روشنی موجود ہے۔ اور مبتدعین دیوبند بھی اگر آنکھیں بالکل ہی بند
نہ کریں۔ تو ان سطور سے انہیں بھی کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کی تردید وضاحت
کے لئے ملاحظہ فرمائیں علامہ آلوسی نے وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا
لنعلن من يتبع الرسول (ہم نے قبلہ کو نہیں بدلا مگر اس لئے تاکہ اپنے اس علم
کو ظاہر کریں کہ کوئی شخص رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون نہیں) کی تفسیر میں تحریر
فرمایا ہے۔ ان المراد به الجزار ای النجاری الطالع والعاصی وکثیرا ما یفتح المتدین فی
القرآن بالعلم (روح المعانی ج ۲ ص ۶) علم سے یہاں مراد یہ ہے اور

قرآن کریم میں بکثرت علم کو ڈرانے نے اور سزا دینے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔
 ارباب بدعت کو اس آیت سے تنقیص علم نبوی کا جو شبہ لاحق ہوتا ہے۔
 اس کا دوسرا جواب صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے۔ یا حضور سے
 منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا
 جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ ولتقر فہو فی لحن القول (جمل)

صدر الافاضل کے دوسرے جواب کی توضیح | جمل کے حوالہ سے
 صدر الافاضل رحمہ اللہ

نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں اگرچہ حضور سے
 منافقین کے علم کی نفی کی گئی ہے لیکن دوسری آیت ولتقر فہو فی لحن
 القول میں منافقین کے علم کو ثابت کیا گیا ہے پس منکرین عظمت رسول اور جو بیان
 نقص کو اس آیت سے اپنے فاسد عقیدہ پر کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ کیونکہ نبی علیہ السلام
 کا علم تدریجاً ہے اور اگر منافقین کا علم پہلے حاصل نہ تھا۔ تو کوئی ضرر نہیں جب کہ
 بعد میں اس علم کا حصول دلیل سے ثابت ہو گیا۔

سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کے دوسرے جواب پر اس طرح تنقید کی
 ہے۔

مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ کھنا کہ۔ یا حضور کے منافقین کے حال
 جاننے کی نفی باعتبار ماسبق ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ تو یہ
 محض نص قطعی کے رد کرنے کا ایک بے سود اور مردود بہانہ ہے
 کیونکہ ولتقر فہو فی لحن القول سورہ محمد کی ایک آیت کا
 حصہ ہے۔ اور یہ سورت پہلے نازل ہوئی ہے ومن اهل المدينۃ
 الايتا۔ سورہ توبہ کی ایک آیت کا حصہ ہے جو قرآن کریم کی سب
 سے آخری سورت ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین
 صاحب کے علم و دیانت پر انتہائی حیرت ہوئی ہے کہ وہ بعد

میں نازل ہونے والی سورت کے ایک حصہ کو پہلے نازل ہونے والی
 سورت کے ایک فرمان سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس عبارت
 پر آخری تبرا ملاحظہ فرمائیں۔ مستزاد برال یہ یاد رہے کہ لاعلم خبر ہے
 اور نسخ کا وقوع اخبار میں ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر اس کے نسخ کا کیا مطلب
 (تنقید ثنیں ص ۲۰۶)

سرفراز صاحب کے اس عبارت میں کئی وجوہ سے کلام ہے
 اولاً اس لئے کہ صدر الافاضل نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ تفسیر جمل کے حوالہ سے
 کہا ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی ان کا اپنا نہیں ہے اور یہ تمام تبراً حقیقت میں
 تفسیر جمل کی طرف راجع ہوتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ فن مناظرہ کا قانون ہے کہ ناقل سے نصیح نقل کا مطالبہ ہوتا ہے
 اور نقل پر ہرج کا ذمہ دار ناقل نہیں ہوتا۔

سرفراز صاحب کو چاہئے تھا کہ یا تو صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب
 مراد آبادی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ حوالہ کو تسلیم کرنے یا بصورت دیگر اس کا صحیح محل
 بیان کرتے۔ دیکھئے سرفراز صاحب مصنف راہ جنت سے اس طرح شکاوت
 کرتے ہیں۔

”مفتی صاحب آپ نے انتہائی شرمناک خیانت سے کام لیا ہے آپ کا
 فرض تھا کہ راہ جنت میں میرے درج کردہ حوالے ذکر کرتے یا بصورت
 دیگر ان عبارت کا صحیح محل بیان کرتے کہ ان کا مطلب تو یہ ہے مگر
 سرفراز نے یوں سمجھا ہے۔ مگر آپ کی بلا سے۔ آپ نے ان تمام حوالوں
 کو گیارہویں کا حلوہ سمجھ کر مضامین کر لیا ہے۔ (باب جنت ص ۳۱)

اب بتلایئے سرفراز صاحب آپ نے صدر الافاضل کے ذکر کردہ حوالے
 کو کوسے کا قوسہ سمجھ کر کیوں مضامین کر لیا۔ اور اس کی کوئی توجیہ کیوں نہ کی۔
 اب ہم قارئین کے سامنے جمل کی اصل عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ یہ سبوت

پوری روشنی میں آسکے ملاحظہ فرمائیے۔ جمل ج ۲ ص ۳۱۳ پر ہے۔

فان قلت کیف نفی عنه
علمہ بحال المنافقین ہھنا و
واثبت فی قولہ ولتعر فہم فی
لحن القول فالجواب انہ ایئت
النفی نزلت قبل ایتہ الاثبات
فلا تنافی اہ کرخی۔

لحن القول نازل ہوئی جس سے انکے علم (تفصیلی)
کا اثبات کیا گیا ہے۔ (کرخی)

(جمل ج ۲ ص ۳۱۳)

نسخ کا افتراء اور اس کا جواب
حوالہ جمل کے سامنے آجانے سے
معلوم ہوا کہ اس تفسیر میں صاحب

جمل تنہا نہیں کرخی بھی ان کے ساتھ ہیں۔
ثالثاً یہ کہ جمل کے قول کی حکایت کرتے ہوئے صدر الافاضل صاحب نے کہیں
بھی یہ نہیں فرمایا کہ لا تعلمہم کے حکم کو یا اس آیت کو لتعر فہم نے منسوخ کر دیا۔ سرفراز
صاحب نے اپنی تحریف و تبلیغ کا بدترین مظاہرہ کر کے خود ہی صدر الافاضل پر نسخ
کا افتراء باندھا اور پھر اس پر یہ کہہ کر تبرک کیا کہ نسخ اخبار میں نہیں۔ انشاء میں ہوتا ہے
رابعاً یہ قاعدہ ہے کہ جب دو کلام باہم متعارض ہوں۔ مثلاً ایک میں علم کا اثبات
اور دوسرے میں نفی ہو۔ تو اب ان میں معلوم کریں گے کہ مؤخر کون ہے اور مقدم کون
اور جب کسی ایک کا مؤخر ہونا ثابت ہو جائے تو اب اگر وہ کلام انشاء ہے۔ تو مؤخر
مقدم کے لئے نسخ ہو جائے گا۔ اور اگر خبر ہو تو ان دو متعارض خبروں کے درمیان
تطبیق کی جاتی ہے اور تطبیق کو نسخ نہیں کہا جاتا لیکن علم کے یہ جھوٹے مدعی آیات
کے نسخ اور تطبیق کے فرق سے بھی بے خبر ہیں۔ اور صدر الافاضل نے آیات میں
جو تطبیق بیان کی ہے۔ اسے نسخ کا معنی پنا کر اس طرح بے نگاہ ہو رہے ہیں

کہ بد زبان بھی ان کا منہ تک رہی ہے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بحوالہ جمل بیان کر
دیا ہے کہ لا تعلمہم میں نفی علم کی خبر ہے اور یہ مقدم ہے۔ اور لتعر فہم میں
اثبات علم کی خبر ہے اور یہ مؤخر ہے۔ پس نفی اور اثبات کے محل علیحدہ علیحدہ ہو
گئے اور کوئی تعارض اور تناقص نہ رہا۔

خامساً یہ کہ سرفراز صاحب نے بغیر کسی دلیل کے یہ فرض کر لیا کہ لتعر فہم لا
تعلمہم پر مقدم ہے اور ایک فاسد بناء قائم کر کے اس پر فاسد عمارت کی تعمیر کر دی
لتعر فہم سوساۃ محمد کی ایک آیت ہے۔ اور اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے
میں اختلاف ہے۔ بہر حال محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ مدنی ہے۔ جلالین میں ہے
سورہ القتال مدنیۃ اور سرفراز کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبند اپنی تفسیر کے
ص ۶۷۳ پر لکھتے ہیں کہ سورہ محمد مدنی ہے بعض تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی
آیات حجتہ الوداع سے واپسی کے بعد تک نازل ہوتی رہی ہیں۔ بہر حال جب
ثابت ہو گیا کہ سورہ محمد اور سورہ توبہ دونوں مدنی ہیں۔ تو اب اس میں کوئی استبعاد
نہ رہا کہ سورہ محمد کی ایک آیت سورہ توبہ کی ایک آیت کے بعد نازل ہوئی ہو۔
جبکہ اس امر پر جمل اور کرخی کی شہادت بھی موجود ہے۔

سادساً یہ کہ سرفراز صاحب کہتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے
والی سورت توبہ ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۲)

بجائے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ باقی تمام سورتوں کا نزول سورہ توبہ
سے پہلے مکمل ہو چکا تھا۔ گھڑ کے محقق کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک وقت میں کئی
کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں۔ دلائل سے ثابت ہے کہ سورہ توبہ
سے پہلے جن سورتوں کا نزول شروع ہو چکا تھا۔ ان کی آیات سورہ توبہ کے
شروع ہونے کے بعد بھی نازل ہوتی رہیں بلکہ قرآن کریم کی جو آخری آیت نازل
ہوئی۔ وہ سورہ توبہ کی نہیں بلکہ سورہ بقرہ کی آیت ہے (تفسیر جمل ص ۲۲۹ ج ۱) ہیں
پر سورہ بقرہ کی آیت واتقوا یوماً ترجعون کی تفسیر میں علامہ بیضاوی فرماتے۔

قال ابن عباس وهذه آية نزل بها جبرائيل وقال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ فی سراسر الماتین والتمانیین من سورة البقره وعاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدها احدًا وعشرين یوما وقیل احدًا وثمانین وقیل سبعة ايام وقیل ثلاث ساعات (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ وہ آخری آیت ہے جس کو جبرائیل لے کر نازل ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کو سورہ بقرہ کے دوسواستویں نمبر کی آیت پر رکھ دیجئے اور اس آیت کے نزول کے الیس دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ اور بعض روایات میں کیا سی دن بعد اور بعض میں ہے سات دن بعد اور بعض میں تین گھنٹے بعد۔

(انوار التنزیل)

اور سورہ مائدہ کی آیت الیوم اکملت لکم الخ کے بارے میں علامہ سیوطی نے جلالین میں فرمایا کہ یہ حلال و حرام کے بارے میں آخری آیت ہے۔ اس کی شرح صاحب جمل فرماتے ہیں۔

ای آیت حلال و حرام و هذا لا ینافی انما نزل بعدها آیت موعظۃ وهو قولہ تعالیٰ واتقوا یوما ترجعون فیہا الی اللہ۔ (تفسیر جمل ج ۲ ص ۴۶۲)

یعنی حلال و حرام کے آیتوں کے بارے میں آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے اور یہ اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد نصیحت کے طور پر واتقوا یوما ترجعون فیہ نازل ہوئی ہے۔

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ سورہ توبہ کا بحیثیت مجموعی آخری ہونا اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد پہلے سے شروع کردہ سورتوں کی آیتیں نازل ہوتی رہی ہوں۔ ہم نے با دلائل ثابت کر دیا ہے کہ بقرہ اور مائدہ کی آیتیں بہر حال سورہ توبہ کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ انہیں قرآن کی آخری آیتوں میں سے شامل کیا گیا ہے۔ جس اسی طرح سورہ محمد کی آیت و لتعز فہو فی لحن القول

کا سورہ توبہ کی ایک آیت لا تعلمہو کے بعد نازل ہونا قطعاً بعید نہیں ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں حق و صواب ہے جیسا کہ جمل اور کرنی کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہے اور سرفراز صاحب نے جو بلا دلیل یہ کہا ہے کہ لتعز فہو مقدم ہے۔ اور لا تعلمہو مؤخر ہے۔ یہ حقائق کی روشنی میں باطل و مردود ہے سابعاً یہ کہ دیوبندیوں کے شیخ الاسلام نے و لتعز فہو فی لحن القول کی تفسیر میں اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کی تفصیل و تبیین سے مطلع کر دیا تھا۔ اور لا تعلمہو میں اس علم کی نفی کی گئی ہے (حوالہ آگے آرہا ہے) اب اگر لا تعلمہو کو مؤخر کیا جائے تو قرآن کی دو آیتوں میں تضاد لازم آئے گا کہ علم کو ثابت بھی کیا اور اس کی نفی بھی کی پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ لا تعلمہو پہلے واقعہ کی خبر ہے جب منافقین کا علم نہیں عطا کیا اور لتعز فہم بعد کی خبر ہے جب یہ علم عطا فرما دیا فلنہ الحمد علی ذالک۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

ولتتعز فہو فی لحن القول۔ سے علم کا اثبات مراد نہیں۔ بلکہ محض علامت اور نشانی کے طور پر تجربہ کی بنا پر پھرے بشرے سے اندازہ لگانا ہے۔ (تتقید متین ص ۲۰۳)

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے اس آیت کو و لتعز فہو فی لحن القول لکھا ہے، حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں اصل میں و لتعز فہو فی لحن القول ہے۔ انہوں نے عمدایاً سہواً حضرت صدر الافاضل صاحبؒ کی جو تفسیر نقل کی ہے۔ اس میں بھی و لتعز فہو فی لحن القول لکھا ہے۔ (حالانکہ ان کی تفسیر میں صحیح آیت و لتعز فہو فی لحن القول لکھی ہوئی ہے۔ ملو آباد کے قدیم مطبوعہ، نسخہ تاج کمپنی کے بڑے سائز کے نسخہ اور جمالی شریف کے تمام نسخوں میں یہ آیت اسی طرح لکھی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں کہ گھڑے کے محرف کس وجہ کے پیش نظر تحریف خالص کا یہ کارنامہ انجام دیا ہے) دیوبند کے شیخ الاسلام

شیر احمد صاحب عثمانی پہلے تو دیوبندی فطرت سے مجبور ہو کر ولتھا فہم
فی لحن القول کو اندازہ اور قیافہ پر محمول کرتے رہے۔ لیکن بالآخر حق ان کی
زبان پر غالب آ گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ بعض احادیث سے
ثابت ہے کہ حضور نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے
اٹھا دیا اور ممکن ہے وہ شناخت ”لحن القول“ اور ”سیما“ وغیرہ سے حاصل ہوئی
ہو یا آیت ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و
تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔ واللہ اعلم (ص ۶۷)

مرتے مرتے بھی عثمانی صاحب کی زبان پر کلمہ حق یقین کے ساتھ جاری نہ
ہوا۔ اور اپنے قول میں احتمال اور امکان کا رنگ پیدا کر کے حق نفاق ادا کر ہی
دیا۔ عثمانی صاحب کو اس بات میں تردد ہے کہ حضور کو منافقین کا علم تھا یا
نہیں اور ان کے معنوی فرزند سرفراز صاحب نے صاف اور صریح الفاظ
کے ساتھ حضور کے علم منافقین کا انکار کر دیا حالانکہ حضور کے علم کا مرتبہ تو عقل
و ادراک سے باہر ہے۔ آپ کے غلاموں کو بھی منافقین کا علم تھا۔ دیکھئے
حضرت حذیفہ بن یمان کی سوانح شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

حذیفہ بن الیمان صحابی	حذیفہ بن یمان عظیم الشان
کبیر عظیم الشان است۔ صاحب	صحابی تھے۔ ان کے پاس منافقین
سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزد	کا علم تھا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اوبو علم منافقین رضی اللہ عنہ	وسلم کے صاحب راز تھے۔

(اشعہ للمعات ج ۱ ص ۷۶)

اس عبارت سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ بن یمان کو منافقین
کا علم تھا یہ بھی پتہ چلا کہ علم منافقین از قبیل راز ہے اور راز کی باتیں ہر ایک
پر منکشف نہیں کی جاتیں اور نہ اسے برسر عام آشکارا کیا جاتا ہے پس بتدین
دیوبند کا یہ کہنا کہ اگر حضور منافقین کو جانتے تھے تو انہیں ظاہر کیوں نہ کیا محض

حماقت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ نبی علیہ السلام کا راز تھا۔ جب آپ نے مناسب
سمجھا تو منافقین کے نفاق کو ظاہر کر دیا اور انہیں نام بنام پکار کر مسجد سے
نکال دیا۔ جس طرح صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے
چنانچہ فرماتے ہیں۔ کبھی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ
خطبہ کے لئے قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ نکل لے فلاں۔ تو منافق ہے۔ نکل لے
فلاں تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔

اخراج منافقین کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب | سرفراز صاحب
اس حدیث کے
رواۃ پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”یہ وہ شیر ہیں جن کی روایات سے (جب کے سند کی اوپر کی کڑیوں
کا ذکر تک نہیں کیا) مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے لائق استاذ
اور پوری جماعت قرآن کریم کی قطعی الدلالت اور قطعی الثبوت آیت کو
منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ معاذ اللہ۔ علمی دنیا میں اس سے بدترین
جہالت یا خیانت اور کیا ہو سکتی؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ کچھ سطر بعد
لکھتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی نص قطعی کے مقابلہ میں اگر حدیث صحیح بھی ہو
مگر خبر واحد تو اس کا پیش کرنا بھی محض ہرزہ بافی ہے تو بے سرو پا
اور جعلی روایتوں کو کون مانتا ہے؟“ (تفہیم ص ۲۰۶)

بدترین جاہل اور غائن تو وہ شخص ہے۔ جسے تطبیق میں الاخبار اور نسخ میں
بھی تمیز نہیں۔ جو تطبیق کو نسخ سمجھتا ہے۔ باقی سند کے مجروح ہونے سے کسی
حدیث کو غیر معتبر قرار دے دینا سرفراز صاحب کی جہالت پر واضح دلیل ہے
ارباب فہم سے مخفی نہیں کہ جس حدیث پر اہل علم حضرات نے اعتماد کیا ہو وہ
حدیث معتبر تسلیم کی جاتی ہے۔ اگرچہ سند کے لحاظ سے بالکل مجروح کیوں
نہ ہو۔ دیکھئے مسیح رکتہ والی حدیث کا ضعیف مشہور ہے۔ لیکن چونکہ اہل علم

نے اس پر اعتماد کیا۔ اس لئے اس کو آج تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ اہلسنت خفیفہ کا مسلک ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

ويجوز الصلوة خلف كل بدوفاجر لقوله عليه الصلوة والسلام صلوا خلف كل بدوفاجر (شرح عقائد)
اور اس حدیث کی سند پر ناقدین حدیث نے شدید جرح کی ہے۔ علامہ پرہاروی فرماتے ہیں۔

وذكر السخاوی طرق هذا الحديث واهية كلها كما صرح به غير واحد من العلماء۔ (نبراس ص ۴۲۵)

امام سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث جتنے طریقوں سے مروی ہے وہ کل کے کل واهیات ہیں۔ حاشیہ نبراس میں ہے کہ اس حدیث کی ایک سند میں عثمان بن عبد الرحمن ہے۔ اس کو یحییٰ بن معین نے کاذب قرار دیا ہے۔ دوسری سند میں خالد بن اسمیل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ ایک اور سند میں ابو الولید مخزومی ہے۔ اور وہ مجہول الحال ہے اور بعض لوگوں نے اس کو کذاب قرار دیا۔ ایک اور سند میں محمد بن فضل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ اسی طرح امام ابن حجر عسقلانی نے داریم فی تخریج احادیث الہدایہ میں بھی اسکی اسناد پر دل کھول کر جرح کی ہے۔ اسی طرح اہلسنت خفیفہ کا مسلک ہے کہ مہر میں کم از کم دس درہم کی مقدار معتبر ہے۔

۲ قلہ عشرة دراهم هذا عندنا (شرح وقایہ ص ۴۲)

اور جن تمام احادیث سے مہر کی اقل مقدار دس درہم ثابت ہے۔ ان پر جرح کرتے ہوئے مولوی عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔

ان هذا الاحادیث كلها ان تمام احادیث کی اسناد مجروح ہیں

اسانید ہا محرم حد غیر قابلہ لان یختص بہا واجاب عند العینی فی البناية انه اذاروی الحدیث من طرق مفراد تھا ضعیفہ تصیر حسنا و یختص بہ اقول لا یخفی ما فیہ فان بکثرة الطرق انما یصیر الحدیث حسنا اذا کان الضعف فیہا یسیرا فینجبہ بالعدد لا اذا كانت شديدة الضعف بان لا یخلوا واحد منها عن کذاب او متهم و الامر فیہا نحن فیہا کذا اللک۔ (عمدة الرایہ علی شرح وقایہ ص ۴۲)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اگر سرفراز صاحب کے قاعدہ کو مان لیا جائے کہ مجروح السند حدیث کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا تو کسی مذہب کا کوئی ضابطہ باقی نہیں رہے گا۔ حقیقت میں جس خطرناک راستہ کی سرفراز صاحب نشاندہی کر رہے ہیں۔ وہ غیر مقلدوں کے اس اندھے کنوئیں کی طرف لے جاتا ہے۔ جس میں گرنے کے بعد انسان ہوائے نفسانی کا تابع ہو جاتا ہے اور ہر قسم کے ضابطوں اور قیود سے آزاد ہو کر شر بے مہار ہو جاتا ہے آپ کو ائمہ اربعہ کے مذاہب میں بے شمار ایسے مسالک مل جائیں گے جو ان احادیث پر مبنی ہیں جو سند کے لحاظ سے مجروح ہیں۔ بلکہ خود غیر مقلدوں کے ان گنت مسالک ایسی احادیث پر مبنی ہیں جو سند کے لحاظ سے شدید ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اس لئے ائمہ حدیث نے حجیت حدیث کے ضوابط میں سے ایک یہ ضابطہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس حدیث پر اہل علم اعتماد

کریں اسے تسلیم کیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے۔
امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

اشار بذالك الى ان الحديث اعتضد بقول اهل العلم وقد
صرح غير واحد بان من دليل صحة الحديث قول اهل العلم و
ان لم يكن له اسناد يعتمد على مثله (التعقيبات على الموضوعات)

یعنی امام ترمذی نے اس سے اشارہ فرمایا کہ اس حدیث کو قول علماء سے قوت
مل گئی اور بے شک متعدد آئمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت بھی صحت
حدیث کی دلیل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔ اس مختصر
سی تہید کے بعد جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ اہل علم کی موافقت بھی حدیث کے صحیح ہونے

کی دلیل ہوتی ہے۔ اب ہم آپ کی خدمت میں ان اہل علم کے اسماء اور ان
کی کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں۔ جن میں انہوں نے اس حدیث کی موافقت
کی ہے۔ امام فخر الدین لازمی اسی آیت کریمہ میں سنعد بھم مرتین کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

روی السدي عن انس بن

مالك ان النبي صلى الله عليه وسلم

قام خطيبا يوم الجمعة فقال اخرج

يا فلان انك منافق الحديث

ابو سعود نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

عن ابن عباس رضي الله عنهما

ان النبي صلى الله عليه وسلم

خطيبا يوم الجمعة فقال اخرج

فلان فانك منافق الحديث

اسی طرح درمنثور میں علامہ سیوطی نے اس آیت کے تحت حضرت ابن عباس

کی اس روایت کو ذکر کیا۔ سراج المنیر۔ معالم التنزیل۔ خازن۔ ابن جریر۔ جمل اور

صاوی ان سب تفسیروں میں اسی آیت کے تحت سدی کی یہ روایت ذکر کی گئی
ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی جلیل القدر علماء فن نے بھی اس حدیث کو ذکر
کیا ہے اور سب کو چھوڑیے دیوبند کے مستند اور سرفراز صاحب کے مسلم
شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو دو جگہ ذکر کیا ہے ایک
ص ۶۷ پر و لخص فہو فی لحن القول کی تفسیر میں جس کو ہم پہلے نقل کر چکے
ہیں۔ اور دوسری جگہ سنعد بھم مرتین کی تفسیر میں لکھتے ہیں مثلاً ابن عباس
کی ایک روایت کے موافق حضور نے جمعہ کے روز ممبر پر کھڑے ہو کر تقریباً
چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ اخرج فانك منافق یعنی تو منافق ہے
مسجد سے نکل جا۔ (ص ۶۶)

ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے یہ وہی سرفراز صاحب کی اقرار کردہ جعلی اور بے
سر و پار روایت ہے۔ جس کو باقی مفسرین نے تو اپنی کتابوں میں ایک جگہ ذکر کیا
ہے۔ اور عثمانی صاحب نے اپنی تفسیر میں اس کو دو جگہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اگر
آپ میں واقعی دیانت اور انصاف ہے۔ تو اب اپنے شیخ الاسلام پر دو مرتبہ
وہی تبرادہرائیں جو آپ نے صدر الافاضل رحمہ اللہ پر اپنی رسول دشمنی کی وجہ سے
تنقید متین میں محض اس حدیث سے استدلال کی بنا پر کیا۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کو وصال پائے ہوئے برسوں گزر چکے ہیں لیکن وہ عظمت
رسالت کے ایسے عظیم نشان ظاہر کر گئے ہیں جن کی تبت تاب آج تک اہل تنقیص

کی سکاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں اور یہ نشان ان کی جان پر ایسا عذاب بن گئے ہیں

کہ وہ اس سے کسی طرح چھٹکارا نہیں پاسکتے جب کچھ بس نہیں چلتا تو صدر الافاضل

کی شان میں نازیبا کلمات کہتے ہیں اور انہیں سب و شتم کر کے اپنے نفس کو تسکین

دے لیتے ہیں۔ تنقید متین کے تقریباً ہر صفحہ کو سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل

پر تبراکر کے سیاہ کیا ہے مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً علحضرت

لے اصل تفسیر میں یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے اور صحیح منبر ہے۔

قدس سرہ اور صدر الافاضل کو اپنی تضحیک کا نشانہ بناتا ہے۔ آخر ان لوگوں کا جرم کیا ہے کیا یہی کہ انہوں نے اُس شخص کو مسلمان ماننے سے انکار کر دیا جس نے علم رسول کو جانوروں سے تشبیہ دی۔ کیا ان کا قصور یہی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اس شخص کو رسول کا انتی تسلیم نہیں کر سکتے جو آپ کے علم کو ابلیس کے علم سے کم سمجھتا ہو۔ بلا ریب یہ حضرات اس دین سے باغی تھے جس میں کمالات رسالت کے انکار کو توحید اور عظمت نبوت میں تنقیص کو عبادت سمجھا جاتا تھا۔ جس دین نے ایسی بدعات پیدا کیں جن کی وجہ سے اللہ کا نہ وجود واجب رہا نہ عدم ممکن رہا۔ جنہوں نے خدا کے لئے جھوٹ جہالت اور تمام امور قبیحہ کو جائز قرار دے دیا۔ وہی دین آج اپنے آپ کو سنت کا علمبردار کہلاتا ہے۔ ہم نے اس کتاب میں واشکاف الفاظ سے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ بدعت کس کا دین ہے اور سنت کس کا مذہب ہے اور اب کھوج لگانے والی نگاہوں کے لئے یہ امر مخفی نہیں رہے گا کہ اس دنیا میں اگر کوئی بدترین بدعت ہو سکتی ہے تو وہ دیوبند کا اختراع کردہ مذہب ہے۔



اباحتِ اصلیہ

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ وقد فضل لکھو ما حرم علیہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ حرام چیزوں کا مفصل ذکر ہوتا ہے اور ثبوت حرمت کے لئے حکم حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو و مباح ہے۔ اور ص ۲۲۳ و ص ۴۴ میں فرمایا ہے کہ (آیتہ) قل من حرم زينة التي اخرج لعباده والطيبات من الدرق (الایۃ) میں دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کی تمام چیزیں حلال ہیں۔ سوائے ان کے جن پر شریعت میں دلیل حرمت قائم ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے مگر جس پر شارح نے ممانعت فرمائی ہو۔ اور اس کی حرمت دلیل متقل سے ثابت ہو۔

نیز لکھا ہے کہ کھانے پینے کی لذیذ چیزیں مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے۔ ہر کھانے کی چیز اس میں داخل ہے جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہو۔ (خازن) توجہ لوگ توجہ کیا رہیں میلاد شریف۔ بزرگوں کی فاتحہ عرس مجالس شہادت وغیرہ کی شربنی سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں۔ وہ اس آیت کا خلاف کر کے گنہگار ہوئے ہیں۔ اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعتِ ضلالت ہے۔ (ص ۲۶)

صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اپنی اس تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ حلال اشیاء کو حرام کہنے کی بدعت دیوبند نے اختراع کی ہے اور مبتدعین دیوبند اباحت کے معنی ہیں کسی کام کا جائز ہونا۔

کے فریب کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بدعتوں کو سنت کا نام دے دیا اور اس طرح بزعم خویش محاسبہ سے بری ہو گئے۔ اور اپنی بدعات کی پردہ پوشی کے لئے اہل سنت کو بدعتی کہنا شروع کر دیا۔ اس قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ سرفراز نے کیا ہے۔ سمجھتے ہیں۔

اہل بدعت اپنے حلوے، مانڈے کے لئے آئے دن جو نئی نئی بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل تو موجود نہیں بلکہ دلائل شرعیہ۔ ان تمام اختراعات کا قلع قمع کرنے کیلئے کافی اور وافی ہیں۔ جب اہل بدعت ان اختراعات پر برابر سے قاصر رہے۔ تو انہوں نے پہلوانوں کی طرح پینترا بدل کر اس مسلک کی تائید و اشاعت شروع کر دی کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اصل تو ہے ہی اباحت۔ لہذا گیارہویں ہویا توشہ، شربت کی سبیل ہو یا مجالس شہادت وغیرہ کے لذیذ کھانے یہ سب حلال ہیں اور عوام کو یہ باور کرنے کے لئے اس تحریر سے بھی کوئی گریز نہ کیا کہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔ اور اس لئے ہم بھی ذرا وضاحت سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے یہ تمام دعوے بے حقیقت اور صرف نمائشی ہیں (تنقیدیں ص ۲۰۸)

اباحت اصلیہ اور مفسرین | حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ سب حق و صواب ہے۔ تفاسیر معتبرہ کے مطابق ہے۔ اور جن آیتوں سے حضرات نے اباحت اصلیہ کا استنباط کیا ہے۔ ان سے باقی مفسرین بھی اباحت کا استنباط کرتے ہیں۔ پھر سرفراز صاحب نے اگر اس پر تبرا کرنا تھا۔ تو تمام اکابر مفسرین پر کرتے۔ حضرت صدر الافاضل کو سب و شتم کے ساتھ کیوں خاص کیا ہے۔ ہمیں اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں آتی کہ چونکہ صدر الافاضل نے دیوبندی بدعات اور توہین رسول پر مشتمل عبارتوں کا محاسبہ کیا ہے۔ اس لئے ان کا قلم رگ و بابیت میں نشتر کی طرح چھتا ہے۔ ورنہ یہ سب کچھ تو دوسرے مفسرین نے بھی بیان فرمایا ہے۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں۔

واعلم ان قولہ کلوا و شربوا مطلق جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا قول کلوا و شربوا۔
یتناول الاوقات والاحوال و دکھاؤ پیو، مطلق ہے۔ جو تمام اوقات
یتناول جمیع المطعمات والمشروبات اور احوال کو شامل ہے اور اسی طرح
فوجب ان یکون الاصل فیہا هو تمام کھانے پینے کی چیزوں کو محیط ہے
الحل فی کل الاوقات و فی کل پس چاہئے کہ تمام چیزوں کو ہر وقت
المطعمات والمشروبات الا اور ہر حال میں کھانا جائز ہو۔ مگر جس
ما خصہ الدلیل المنفصل و کو کسی دلیل شرعی نے حرام کر دیا ہو
العقل ایضا مرید لان الاصل اور عقل بھی اس کی مؤید ہے کیونکہ اصل تمام
فی المنافع الحل والاباحت۔ منافع میں حلت اور اباحت ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۰۱)

غور فرمائیے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ کو سرفراز صاحب اس لئے کوس رہے تھے کہ انہوں نے اباحت اصلیہ سے گیارہویں وغیرہ کی اباحت پر استدلال کیا تھا۔ لیکن اب امام رازی کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا۔ جنہوں نے اس اباحت اصلیہ کے قانون سے کھانے پینے کی ہر چیز کو جائز قرار دیا ہے اور یہ صرف امام رازی کی انفرادیت نہیں بلکہ تمام ائمہ اور مفسرین کا یہی حال ہے کیا آپ کے خیال میں یہ تمام کے تمام پیٹو اور کھانے پینے کے رسیا ہیں کاش آپ نے اپنے گریبان میں بھی جھانکا ہوتا۔ آپ کے پیٹ میں تو دنیا کی ہر حرام چیز پہنچ چکی ہے۔ خواہ دیوالی کی پوریاں ہوں یا زراغ معروف ہیرت ہے کہ جو لوگ کوڑوں تک کو نہیں چھوڑتے۔ ہندو جن کے برتنوں کو کتے چاٹتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا بھی معاف نہیں کرتے وہ دوسروں کو کھانے پینے کا طعنہ دیتے ہیں۔ باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ گیارہویں وغیرہ پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ تو کاش اصول لاشی اور نور الانوار ہی آپ نے پڑھا ہوتا تو آپ کو پتہ چلتا کہ اباحت اصلیہ خود

دلیل شرعی ہے۔ اس کے علاوہ بھی علماء اہلسنت نے اس مسئلہ پر اپنی تصنیفات میں وافر دلائل پیش کئے ہیں اور ہم نے بھی اس کتاب کے تیسرے باب میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔

علامہ بیضاوی قل من حرم زينة الله التي الايها في تفسيره فرماتے ہیں۔

وفيه دليل على ان الاصل في المطاعم والملابس وانواع التجملات الاباحية۔ اور اس آیت میں اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے کی اچھی چیزوں میں اباحت اصل ہے۔

اب آپ کس کس کو کوسے گا؟ یاد رکھئے کہ میدان استدلال میں صرف دلائل کام آتے ہیں۔ عورتوں کی طرح کوسنے سے کام نہیں چلتا۔

سرفراز صاحب نے تفسیر احمدی اور درمختار اور تفسیر احمدی کے حوالے | درمختار کے حوالے سے کہ بزم غم خویش یہ ثابت کیا ہے کہ اباحت اشیاء ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اور جمہور فقہاء اصل میں اشیاء کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور معتزلہ اباحت کے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ الغرض یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں اور اباحت معتزلہ کا قول ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۰)

اور اس عبارت سے سرفراز صاحب عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اباحت صرف معتزلہ کا قول ہے اور اہل سنت خصوصاً احناف کا یہ مسلک نہیں ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

”اور کوئیوں کا جن میں حضرت امام ابو حنیفہ بھی ہیں یہ مسلک ہے کہ

اصل اشیاء میں حرمت ہے۔ (تنقید متین ص ۲۰۹)

سرفراز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ محض جھوٹ اور افتراء ہے چونکہ دیوبندی مذہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے۔ اس لئے وہ بغیر خوف آخرت کے جھوٹ

بولتے ہیں اور بے تحاشا بولتے ہیں۔ ان کے اس کلام میں جھوٹ کے علاوہ خیانت کا بھی بڑا حصہ موجود ہے۔ دیکھئے تفسیر احمدی کے جس حوالہ سے انہوں نے اباحت کو ایک فرقہ کا مسلک ظاہر کیا ہے۔ اسی صفحہ پر اسی عبارت سے متصل یہ عبارت ہے۔ جو ان کی خائن نگاہ نظر نہ آئی۔ ملا جیون فرماتے ہیں۔

ولا يظهرون حرمته الا في قولهم عليه السلام لا تتبعوا الطعام الاسواء لبوا فان عندنا الاصل هو اباحة الربوا حتى يعفوا عنه عدم القدس والجنس و انما ثبت الحرمة اذا وجل جميع الشرائط وعند الشافعي الاصل هو الحرمة في كل حال في باب الربوا۔ اور اصل میں اباحت یا حرمت کا ثمرہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ طعام کو نہ بیجو۔ مگر برابر برابر پس ہم دانتا اہلسنت) کے نزدیک سود میں اصل اباحت ہے حتی کہ حب قدر اور جنس نہ ہوں تو زیادتی جائز ہوگی اور حرمت تب ثابت ہوگی جب تمام شرائط پائی جائیں اور امام شافعی کے نزدیک ہر حال میں اصل حرمت ہے۔ (تفسیر احمدی ص ۱۳)

اس حوالہ کے سامنے آجانے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ احناف اہلسنت کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے اور ساتھ ہی سرفراز صاحب کی خیانت کا راز بھی فاش ہو گیا۔

اس کے بعد ہم سرفراز صاحب کے تحریر کردہ حوالہ درمختار کو بھی قارئین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔

الصحيح من مذهب اهل السنة ان الاصل في الاشياء التوقف والاباحة راى المعتزلة۔ اہل سنت والجماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور اباحت معتزلہ کا قول اور رائی ہے۔

دورِ محنت ارکی یہ عبارت قطعاً باطل اور مردود ہے۔ علامہ شامی نے رد المحتار میں اس کو چار وجوہ سے رد کر دیا ہے۔ اور پٹے ہوئے مہروں کو میدان استدلال میں پیش کرنا گکھڑ کے غازیوں سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔ ہم ذیل میں اس عبارت کے بطلان کی چوتھی وجہ پیش کر رہے ہیں۔

الرابع ان نسبة الاباحۃ
الی المعتزلة يخالف لما فی
کتاب الاصول فی تحریر ابن
المہام المختار الاباحۃ
عند جمہور الحنفیہ و
الشافعیۃ اذ فی شرح اصول
البرزوی للعلامة الاكمل اکثر
اصحابنا و اکثر اصحاب الشافعی
ان الاشیاء التي يجوز ان یراد
الشرع باباحتها و حرمتها قبل
وردہ علی الاباحۃ
وہی الاصل فیہا حتی ابیح
لمن لو یبلغہ الشرع ان
یاکل ما شاء والیہ اشار
محمد فی الاکداه حیث
قال اکل المیت و شرب
الخمر لو یجرما الا بالنہی

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اباحت کی
نسبت معتزلہ کی طرف کرنا کتب
اصول کے مخالف ہے۔ کیونکہ امام
ابن ہمام تحریر میں فرماتے ہیں۔
جمہور حنفیہ اور شافعیہ کا
مسک اباحت ہے اور علامہ
اکمل نے اصول برزوی کی شرح
میں فرمایا۔ ہمارے اکثر
اصحاب (احناف) اور اکثر اصحاب
شافعی کا مذہب ہے کہ اشیا میں
ورد شرع سے پہلے اباحت
تھی اور یہی ان میں اصل ہے۔
یہاں تک کہ جس شخص تک شریعت
نہیں پہنچتی تو اس کے لئے جو
وہ چاہے کھانا مباح ہے اور اسی
بات کی طرف امام محمد نے
اکراہ میں اشارہ جہاں وہ

فجعل الاباحۃ اصلاً و
المحرمة بعرض النہی و هو قول
الجبائی و ابی ہاشم و اصحاب
الظاهر و قال بعض اصحابنا
و بعض اصحاب الشافعی و
معتزلتہ بخلافہا علی
الحظ و قال الاشعریۃ
و عامة اهل الحدیث
انھا علی الوقف۔

فرماتے ہیں مردار اور شراب کو نہی نے
حرام کر دیا۔ پس انہوں نے اباحت کو
اصل قرار دیا۔ اور حرمت کو نہی سے خارج
ٹھہرایا۔ اور جبائی۔ ابو ہاشم اور غیر
مقلدین کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ بعض
حنفیہ، بعض شوافع اور معتزلہ بغداد کا
مسک یہ ہے کہ اصل اشیا میں حرمت
ہے۔ اور اشعریہ اور عام محدثین کا مسک
توقف ہے۔

دیوبندی مسک کا فریب اب کسی شخص سے بھی مخفی نہیں رہا۔
مردود اور باطل قول پر اپنے مسک کی عبارت قائم کر کے سرفراز صاحب
نے ارباب فہم کے لئے یہ روشنائی بہم پہنچائی ہے۔ کہ ان کا مذہب
بھی ایسا ہی باطل ہے جس طرح وہ قول مردود ہے۔ جس کی بنیاد پر
انہوں نے جھوٹ کا یہ مینار کھڑا کیا ہے۔

بہر نوع علامہ شامی کی اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اکثر اہل
سنت اور اکثر شافعیہ کے نزدیک اصل اشیا میں اباحت ہے۔ البتہ
بعض حنفیہ اور بعض شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ اصل حرمت ہے اور
سرفراز صاحب نے ان بعض کے قول کو جمہور اہل سنت احناف کے
سرمند نے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ ان شاء اللہ وانا الیہ
سراجعون۔

علامہ محب الشہبازی فرماتے ہیں۔

ان اصل الافعال
الاباحۃ کما ہو مختار اکثر

اصل افعال میں اباحت ہے
جس طرح اکثر احناف اور

الحنفية والشافعية شوافع کا مسلک ہے یا حرمت
او الحظر كما ذهب جو بعض دوسرے لوگوں کا
اليہ غیر ہر۔ مذہب ہے۔

(مسلم الثبوت ص ۲۱)

لیجئے اب ہم خود سرفراز صاحب کے کلام سے منوائے دیتے ہیں
کہ اکثر احناف و شوافع کا مسلک اباحت اعلیٰ ہے۔
دیکھئے وہ لکھتے ہیں۔

”اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ اباحت کا قول صرف اکثر احناف
و شوافع کا قول ہی نہیں بلکہ بصرہ کے معتزلہ کا قول بھی ہے اور
حرمت کا مذہب بعض احناف اور شوافع اور بغداد کے معتزلہ
کا قول ہے۔“ (باب جنت ص ۹۰)

شکر ہے کہ آپ نے قبول تو کیا کہ اباحت اعلیٰ اکثر احناف و شوافع
کا مذہب ہے ورنہ اب تک تو آپ تنقید متین میں یہی ڈھلی بجا رہے
تھے کہ جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں۔ اور اباحت صرف معتزلہ
کا قول ہے۔

رہا یہ امر کہ بعض معتزلہ نے بھی اباحت کا قول کیا ہے! تو کیا کہیں
اب کیا ہم خدا کو ایک ماننا اس لئے چھوڑ دیں کہ معتزلہ بھی خدا کو وحدہ
لا شریک مانتے ہیں؟

ورود شرع سے قبل کی تحقیق سرفراز صاحب کی دوسری تحریف
ملاحظہ فرمائیے۔

لکھتے ہیں۔

”و ثانیاً اشیاء کی اباحت و حرمت وغیرہ کا یہ اختلاف ورود شرع
کے بعد سے متعلق نہیں بلکہ قبل سے ہے۔ یعنی زمانہ فترت اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب کہ اصل شریعت
حکم مٹ چکی تھی اور صحیح دلائل لوگوں کے پیش نظر نہ تھے۔ تو اس
دور کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت
تھی یا حرمت یا توقف الی ان قال لهذا آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی بعثت کے بعد اباحت وغیرہ کے اس مختلف فیہا قاعدہ
سے استدلال کرنا خالص جہالت اور نری خیانت ہے۔

(تنقید متین ص ۲۱۰)

راہ سنت میں سرفراز صاحب نے فواح الرجوت کی جو عبارت اس
موضوع پر نقل کی ہے۔ اسے بھی ہم پیش کئے دیتے ہیں۔

وانما هذا ای القول اور یہ بات یعنی اباحت اعلیٰ کا قول
بالاباحة الاصلية علی زمان ہمارے شریعت سے قبل زمانہ فترت
الفترة قبل شریعتہا یعنی اذلا پر محمول ہے۔ اور اباحت بھی بایں معنی
اباحة حقيقة بل بمعنی نفی کہ حرج کوئی نہ ہوگا۔ اور شاید کہ مراد
الحرج ولعل المراد من الافعال افعال سے کفر وغیرہ کے علاوہ ہے کیونکہ
ماعدا الکفر ونحوہ کفر وغیرہ کی حرمت ہر ایک شریعت
فان حرمتها فی کل شرع بین میں واضح اور غیر مبہم طور پر بیان
ظہور اتاما۔ کی گئی ہے۔

(راہ سنت ص ۱۰۶)

نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت میں اشیاء کے بارے
میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے کہ وہ اشیاء اصل میں مباح تھیں یا ممنوع
ان میں اصل توقف ہے اور اس کی توضیح علامہ عبدالحی کے کلام سے ہو گئی
ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود علماء اہل سنت نے زمانہ فترت میں ورود
شرع سے قبل کسی قسم کے حکم کو نہیں مانا۔ پس علماء اہل سنت کا اس میں اختلاف

ہے کہ اشیاء اصل میں مباح تھیں یا ممنوع۔ لیکن وہ اس زمانہ کے لوگوں کو اباحت یا حرمت کے حکم سے مکلف نہیں کرتے بخلاف معتزلہ کے کیونکہ وہ زمانہ فترت میں بھی اباحت وغیرہ کا حکم مانتے ہیں اور اس دور کے لوگوں کو اس حکم کا مکلف سمجھتے ہیں۔ سرفراز صاحب نے اپنی کم فہمی یا کج فہمی سے جو کچھ سمجھا ہے وہ خالص معتزلہ کا مذہب ہے۔ علماء اہل سنت میں سے اکثر احناف اور شوافع کا مسلک یہ ہے کہ ورود شرع سے قبل اشیاء میں اصل اباحت تھی۔ لیکن اباحت کا حکم ورود شرع کے بعد ہوگا۔ یعنی ورود شرع کے بعد جب کسی شئی پر وجوب یا حرمت کی دلیل نہ پائی جائے۔ تو اس کا نہ پایا جانا ہی اس شئی کے مباح ہونے کی شرعی دلیل قرار پائے گا۔ اور اب شرعاً اباحت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ فواتح الرحموت کا جو حوالہ پیش کر کے سرفراز صاحب نے اپنی فطری کم فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا تھا کہ اباحت اصلیت کا حکم ورود شرع سے پہلے ثابت ہوتا ہے۔ اسی فواتح الرحموت میں اس امر کی تصریح ہے کہ اباحت اصلیت کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا ہے ورود شرع سے قبل اباحت کا حکم ثابت کرنا معتزلہ کا مذہب ہے۔

دیکھئے مولانا عبدالعلی بجز العلوم فرماتے ہیں۔

(الاباحت احکم شرعی لانہ
خطاب الشرع تخییراً) والمخاطب
هو احکم الشرعی (والاباحت
الاصلیة نوع منه) ای من
الخطاب بالتخییر ولانہ
کل ما عدم فیہ المدرك
الشرعی للحدیج فی فعلہ

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ وہ
شرع کا ایسا خطاب ہے جس میں
کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور
اباحت اصلیت اسی خطاب اختیاری
کی ایک قسم ہے کیونکہ وہ ہر شے
جس میں فعل یا ترک پر ضرر کی کوئی
شرعی دلیل نہ پائی تو نہ لایا جاتا ہی

وترکہ فذالک) ای عدم المدرك
الشرعی (مدرك شرعی بحکم الشرع
بالتخییر) والاباحت الاصلیة
لا یکون الا فی موضع عدم المدرك
الشرعی للحدیج فی الفعل والترك
بل لحکم بخصوصہ اصلاً فہناک
مدرك شرعی للحکم بالتخییر
خالا باحتہ الاصلیة فیہا حکم
بالتخییر دفی لا تكون الا بعد
الشرع خلا للعتزلہ) فانہ
یقولون بالاباحتہ وغیرہا من
الاحکام قبل الشرع۔

اس بات کی شرعی دلیل ہے
کہ شارع نے یہاں اختیار کا حکم
دیا ہے اور اباحت اصلیت کا حکم اسی
جگہ ہوگا جہاں فعل یا ترک پر ضرر کی
کوئی خصوصی دلیل نہ پائی جائے۔ پس
یہ عدم وجدان اس اباحت کے حکم
پر شرعی دلیل قرار پائے گا۔ اور اس
اباحت اصلیت کا حکم ورود شریعت
کے بعد ثابت ہوگا۔ بخلاف معتزلہ
کے کیونکہ وہ اباحت دوسرے
احکام کو ورود شرع سے قبل
مانتے ہیں۔

(فواتح الرحموت ص ۵۶)

مسلم الثبوت اور اس کے شارح بجز العلوم کے کلام سے یہ
حقیقت روشن ہو گئی۔ کہ اباحت اصلیت کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا
ہے۔ اور سرفراز صاحب جس مذہب کو پیش کر رہے ہیں۔ کہ یہ حکم ورود
شرع سے پہلے ثابت تھا۔ یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہم شروع کتاب
سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ دیوبندی مذہب معتزلہ سے ماخوذ ہے۔
اور سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے اس حقیقت پر ایک اور
تائید پیش کر دی ہے۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”حافظ عبدالرحمن بن رجب الحنبلی (المتوفی ۹۵۵ھ) وغیرہ نے
اس کی تصریح کی ہے کہ ورود شرع سے پہلے اشیاء کی اباحت

و حرمت وغیرہ کا اختلاف اور ہے اور بعد کا اختلاف جدا ہے
اور دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے۔ (جامع العلوم و
الحکم ص ۲۴۹) (باب جنت ص ۹۳)

اور یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ورود شرع سے پہلے کا اختلاف
اور چیز ہے اور اس میں نہ ہماری گفتگو ہے اور نہ ہماری بحث۔ ہماری
گفتگو تو ورود شرع کے بعد ہے کہ جب بالخصوص کسی چیز پر حلت و حرمت
کی دلیل نہ پائی جائے تو اس کا نہ پایا جانا ہی اس کے مباح ہونے کی دلیل
شرعی ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی مسلم الثبوت اور فوائد الرجوح کی عبارات اس
کے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں اور یہی صدر الافاضل رحمہ اللہ کا بھی مطلب ہے
جسے آپ نے اپنی خواہش نفسانی کی بھینٹ چڑھانے کی ناکام کوشش کی
ہے۔ اس سے پہلے ہم نے جن مفسرین کے حوالے پیش کئے تھے ان کا
بھی مطلب یہی ہے۔ لیکن اس کو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے اور
افسوس ہے کہ یہی چیز آپ کے پاس نہیں ہے۔

ورود شرع کے بعد اباحت پر دلائل | اب ہم اس حقیقت
ثابت کرتے ہیں کہ جس چیز کی حرمت وغیرہ پر حکم نہ لگایا ہو اس میں اصل
اباحت ہے۔ اور دلیل کا نہ پایا جانا ہی حکم اباحت کی دلیل شرعی ہے۔
ملاحظہ فرمائیے حدیث شریف میں ہے۔

عن ابی ثعلبۃ الخشنی قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ان اللہ فرض فرائض
فلا تضیعوها و حرمت حرمت
فلا تنتھکوها
ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ اللہ نے چند چیزوں
کو فرض کیا۔ پس ان فرائض کو
مت منائع کرو۔ اور کچھ چیزیں حرام کر

وحد حد و دھا قلا
تعتد وھا و سکت
عن اشیاء مت
غیر نسیان فلا تبحتوا
عنھا۔
(مشکوٰۃ ص ۳۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

۱ لا تفتشوا عن تلك الاشياء
دل علی ان الاصل فی الاشياء
الاباحۃ کقولہ تعالیٰ هو
الذی خلق لکم ما فی الارض
جمیعاً۔
(مرقاۃ ج ۱ ص ۲۶۳)

نیز فرماتے ہیں۔

عن ابن عباس قال کان
اہل الجاہلیۃ یا کلون اشیاء
ویترکون اشیاء تقذرا فبعث
اللہ نبیہ و انزل کتابہ
واحل حلالہ و حرم
حرامہ فما حل
فہو حلال و ما حرم
فہو حرام و ما سکت عنہ فہو عفو
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان
فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ
کچھ چیزیں کھاتے اور کچھ کراہت سے
چھوڑ دیتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی
کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل
فرمائی جس نے حلال کو حلال کر دیا اور
حرام کو حرام۔ پس جسے اللہ نے حلال کیا
وہ حلال ہے۔ جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور
جس سے اللہ نے سکوت فرمایا وہ معاف ہے
(مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲)

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

از اینجا معلوم ہے شوکہ اصل وراثیہ
اباحت است۔ اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل
اشیاء میں اباحت ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۲۴۹)

ایک اور حدیث اس طرح ہے:

عن سلمان قال سئل رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عن السمن والجبن والفرو
فقال الحلال ما احل
اللہ فی کتابہ والحرام ما حرم
اللہ فی کتابہ وما سکت
عنه فهو مما عفا عنه
(رواہ ابن ماجہ و الترمذی)
(مشکوٰۃ ص ۳۶۷)

اس کی شرح میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
وایں دلیل است بر آنکہ اصل وراثیہ
اباحت است۔ یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اشیاء
میں اصل اباحت ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۰۶)

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اباحت کا حکم بعثت
کے بعد ہوگا اور حرمت وغیرہ کی دلیل کا نہ ہونا ہی اباحت کی شرعی دلیل
ہے۔ اور اسی اباحت شرعیہ سے اصولیین اور فقہاء نے استدلال کیا
ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے علماء اصولیین کے سربراہ امام فخر الاسلام
کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ جسے ملا جیون رحمہ اللہ نے تفسیرات احمدیہ
میں نقل کیا ہے۔

وانما جعلنا المبیح اصلا
والمحرم مناسخا بناء على
زمان الفترة بين عيسى
ومحمد عليه السلام
قبل شريعتنا فانما كان الاباحة
اصلا حينئذ ثم بعثت نبينا عليه
السلام يبين الاشياء المحرمة و
بقي ما سواها حلالا مباحا۔

(تفسیر احمدی ص ۱۲)

نبی علیہ السلام کی بعثت کے بعد اباحت اصلیت سے استدلال کرنے
کو سرفراز صاحب نے نری خیانت اور خالص جہالت قرار دیا ہے۔
آئیے اب ہم آپ کے سامنے ان حضرات کی عبارات پیش کریں جنہوں
نے بعثت کے بعد اباحت اصلیت سے استدلال کیا ہے اور یہ وہ ستون ہیں
جن کے کدھوں پر خفی عمارت قائم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سرفراز صاحب
انہیں نرا خائن اور خالص جاہل سمجھتے ہوں۔ امام فخر الاسلام کی عبارت ہم پہلے
پیش کر چکے ہیں۔ اب خود ملا جیون کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

ولا يظهر ثمرته الا في
قولنا عليه السلام لا تبیعوا
الطعام الا سواء بسواء فان
عندنا الاصل هو اباحة الربوا
حتى يعفو عنه عدم القداس و
الجنس وانما ثبت المحرمه اذا
وجد جميع الشرائط۔
اور اصل میں اباحت یا حرمت کے اختلافات
کا ثمرہ نبی علیہ السلام کے اس ارشاد
پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ فرمایا
کہ طعام کو نہ بیچو مگر برابر برابر پس
ہمارے نزدیک اصل میں نہ زیادتی مباح ہے
نہ تنگ کہ قدر اور جنس متحد نہ ہونے پر زیادتی
معا ہوگی اور حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب

(تفسیر احمدی ص ۱۳) اس کی جیج شرائط پائی جائیں۔

اس استدلال کی وضاحت یہ ہے کہ سود میں حرمت کا سبب احناف کے نزدیک اتحاد قدر اور جنس ہے۔ مثلاً ایک صاع چاول کی بیج ایک صاع چاول کے بدلے میں جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص صاع سے قدر زائد لے گا۔ تو یہ سود ہوگا۔ لیکن اگر ایک صاع چاول کے بدلے میں وہ گندم بیچتا ہے تو اب گندم صاع سے زیادہ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

پس فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ اصل میں بیع کے اندر زیادتی جائز تھی۔ شارع نے صرف اتحاد جنس کی صورت میں زیادتی حرام کی ہے۔ پس جنس نہ ہونے کی صورت میں زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اسی طرح اتحاد قدر بھی حرمت میں شرط ہے اور قدر سے مراد معروف اور مقرر قدر ہے۔ لہذا صاع کے بدلے صاع میں تو زیادتی حرام ہے لیکن اگر قدر معروف نہ ہو۔ اور ایک مٹھی کے بدلے دو مٹھیاں لی جائیں۔ تو یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ زیادتی اصل میں مباح تھی شارع علیہ السلام نے قدر مخصوص میں زیادتی حرام کی۔ پس یہ زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اب آپ غور فرمائیے کہ اباحت اصلہ سے یہ استدلال بچت سے قبل ہے یا بعد۔

ملا جیون رحمہ اللہ اس حدیث کے بیان میں فرماتے ہیں۔

ونقد رھکنذا التبیعو
الطعام بالطعام فی حال من
الاحوال الا فی حال المساواة
والاحوال ثلثہ وہی
المساواة والمفاضلة
والمجازفة وکلھا احوال
اور ہم احناف اہل سنت اس حدیث
کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ طعام
کی طعام کے ساتھ کسی حال میں بیج
نہ کرو مگر حال مساواة میں اور کل
تین مال ہیں۔ ایک بغیر پیمائش
کے اندازے سے بیچنا دوسرا

الکثیر فتحل منه المساواة
وتحرر المفاضلة والمجازفة
والقلیل غیر متعرض بہ اصلاً
لا فی المستثنی ولا فی المستثنی
منہ فبقی علی الاصل الذی ہو
الاباحتہ فیجوز بیع الحفنة
وکذا اباحتہ الحفنتین۔

(نور الانوار ص ۲۳۲)

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

اذ اجم بین خصال الکفارة
فان الاتیان بالماوریب انما
یکون فی واحدہ منہما و
جواز غیرہا انما ہو بحکم الاباحتہ
الاصيلة حتی لو لم یکن لم یجند

(تلویح ص ۳۰۲)

اس استدلال کی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کے کفارہ میں فرمایا کہ دس مساکین کو کھانا کھلایا جائے یا انیس کپڑے پہنائے جائیں یا غلام آزاد کیا جائے اب ان تین میں سے کسی ایک پر عمل کر لیا جائے تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی باقی دو پر بھی عمل کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

چونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ اس لئے باقی پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔ اور اگر اباحتہ اصلہ نہ ہوتی تو جائز نہ ہوتا۔

دیوبندی شہادت | اور سب کو چھوڑیے۔ سرفراز صاحب کے حکیم

الامت صاحب لکھتے ہیں۔

”اصول شرعیہ میں سے اور تیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلم ہے کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ یعنی نصوص شرعیہ میں نہ ان کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ہو ایسا امر

مباح ہوتا ہے۔“ (بحوالہ باب جنت ص ۱۲۴) (طریقہ مولود ص ۱۲)

اب بتلایئے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اہلیہ ورود شرع سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔ ورود شرع کے بعد جن مخصوص اشیاء کا نہ امر کیا گیا ہو نہ ان سے روکا گیا ہو۔ ان میں اصل اباحت اور محتانوی صاحب کے نزدیک یہ اباحت مسلم ہے اور عقلی و نقلی دلیل سے ثابت ہے اب یا تو محتانوی صاحب کو جاہل بنائیے۔ اور اس امر مسلم کا انکار کیجئے یا اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حق کی طرف رجوع کیجئے اور سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ اہل سنت کے معمولات کی نصوص شرعیہ سے ممانعت ثابت ہے۔ تو گذارش ہے کہ گیارہویں کے ایصال ثواب۔ سوئم۔ اور عرس اور میلاد وغیرہ کسی ایک کی ممانعت پر ہی آپ نصوص شرعیہ تو الگ ہے۔ ایک ہی نص شرعی پیش کر دیجئے۔ چشم مارو شن دل مابشاد۔ اس کے برخلاف ہم ان میں سے ہر ایک کے نفس نبوت پر نصوص شرعیہ پیش کر چکے اور شرعی کلیہ کے افراد کو بدعات میں داخل کرنا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے۔

مختانوی صاحب لکھتے ہیں۔

”عمل مولود شریف بہ ہیئت و قیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے

ممنوع توفی حد ذاتہ مباح ٹھہرا۔ (طریقہ مولود ص ۱۳) اس پر سرفراز صاحب کہتے ہیں۔

حضرت محتانوی نے کیا صرف عمل مولود شریف کو بقیود مخصوصہ مباح کہا ہے یا سب چیزوں کو مفتی صاحب ایک آدھ چیز کے مباح ہونے سے اشیاء کی اباحت ہو۔ آپ کا مدعی ہے کیسے ثابت ہوا۔ (باب جنت ص ۲۵)

شکر ہے سرفراز صاحب۔

کہ آپ نے ورود شرع کے بعد ایک آدھ چیز میں تو اباحت مان لی۔ ورنہ پہلے تو آپ مطلقاً انکار کئے جا رہے تھے۔ اگرچہ آپ کو محتانوی صاحب کی عبارت میں اباحت اہلیہ کا کلیہ سمجھ میں نہیں آیا بہر حال ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ ورود شرع کے بعد جن اشیاء مخصوصہ کا حکم ہو نہ ان سے ممانعت ہو نہ ان میں اصل اباحت ہے اور اسی کلیہ کو محتانوی صاحب نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ ہو نصوص شرعیہ میں نہ اس کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت

ایسا امر مباح ہوتا ہے۔ (طریقہ مولود ص ۱۴)

بتلایئے سرفراز صاحب۔ یہ ایک آدھ امر کی اباحت ہے یا اباحت کا قاعدہ کلیہ ہے۔ اور اسی کلیہ سے محتانوی صاحب نے عمل مولود کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ کیئے سرفراز صاحب اب بھی آپ کی سمجھ میں اباحت اہلیہ آئی یا کیا کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔ اور یہ ہیں سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی۔ یا اہل الذین امنوا لا تسلو عن اشیاء کی تفسیر میں لکھتے ہیں!

جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں۔ ان کے متعلق فضول

اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال و حرام کر دیا۔ وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا۔ عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

چنانچہ اسی سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (حاشیہ قرآن ص ۱۶۱)

بتلائے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اصلیت و ورود شرع سے پہلے ہے یا بعد؟ آنکھیں کھول کر غور و فکر سے اس عبارت کو پڑھیں۔ رکشا ثانی صاحب اس چیز کو اباحت اصلیت میں شامل کر رہے ہیں۔ جس کا شارع نے خصوصاً بیان نہیں کیا اور اس میں عمل کرنے والوں کو فعل و ترک میں آزاد قرار دے رہے ہیں۔

اب آپ کی مرضی ہے کہ خود جاہل نہیں یا اپنے اکابر کو جاہل بنائیں ہم نے ہر حال مسئلہ کی تمام پہلوؤں سے تحقیق کر کے اسے واضح کر دیا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (امین)

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

«ثالثاً مولوی نسیم الدین صاحب کا یہ کہنا کہ وہی چیزیں حرام ہیں جن پر دلیل حرمت قائم ہو۔ بجا ہے۔ مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن امور کی اباحت کا دعویٰ کیا جائے گا۔ ان کی اباحت پر بھی دلیل شرعی درکار ہے۔ ندرے لفظوں کی متعجبہ بازی سے اباحت بھی ہرگز ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے ورود شرع کے بعد مباح کے بارے میں یہ نظریہ اور خیال رکھنا

کہ وہ بلا کسی شرعی دلیل کے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اباحت اصلیت کے لئے سہارا اور ٹکیہ ہے۔ نری خام خیالی اور شیخ چلی کا پلاؤ ہے علماء اسلام نے اس کی تصریح کی ہے کہ مباح کے اثبات کے لئے بھی دلیل شرعی درکار ہے۔

چنانچہ مشہور اصولی ملا محب اللہ بہاری الحنفی لکھتے ہیں۔

الاباحت حکم شرعی لایستہ
خطاب ۲ للشرع تخییراً
اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ اباحت شرع کا خطاب ہے جس کے کرنے نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ (مسلم الثبوت ص ۲۵) (تنقید متین ص ۲۱۱)

مسلم الثبوت ص ۲۵ کی جو عبارت سرفراز صاحب نے پیش کی ہے۔

سرفراز صاحب کی خیانت

اس کے بعد متصلاً جو عبارت تھی۔ اس کو سرفراز صاحب صاف ہضم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو پیش کر دیتے تو ساری دیوبندیت پیوند زمین ہو جاتی اور اہل سنت کو سب و شتم کرنے کا کوئی جواز باقی نہ رہتا اب ہم مسلم الثبوت کی پوری عبارت کو قارئین کی عدالت میں پیش کئے دیتے ہیں۔

الاباحت حکم شرعی لایستہ خطاب للشرع
تخییراً و الاباحت الاصلیۃ نوع
منہ لان کل ما عدم رقیہ
المدرد للشرعی للحدرج فی
فعلہ و ترکہ فذلک مدرد
شرعی لحکم الشارع بالتخییر
فی لا تکون الاباحت للشرع
خلافاً لبعض المعتزلات۔
اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ یہ شرع کا تخییری خطاب ہے اور اباحت اصلیت اس خطاب کی ایک قسم ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز میں فعل یا ترک پر ضرر کی دلیل شرعی نہ پائی جائے پس اس کا نہ پایا جانا ہی شارع کے حکم اباحت پر دلیل شرعی ہے پس اباحت اصلیت کا یہ حکم ثابت نہیں ہوگا مگر ورود شرع کے بعد بخلاف بعض معتزلہ کے۔

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ محب اللہ بہاری کی عبارت میں خیانت کر کے

سرفراز صاحب نے اپنی جان پر کس قدر ظلم کیا ہے۔ محب اللہ بہاری کی عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مباح کے لئے علیحدہ دلیل کی ضرورت نہیں۔ محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس اباحت کی دلیل شرعی ہے۔ اور سرفراز صاحب اس عبارت میں نیابت کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ مباح کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اسے بنیاد قرار دے کر اہل حق پر سب و شتم کرتے ہیں۔

بہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اس کے بعد سرفراز صاحبت لکھتے ہیں۔

رابعاً گیارہویں میلاد۔ تیجہ اور ساتواں کے بارے میں باحوالہ بحث

پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ (تفتیش ص ۲۱۳)

الجواب۔ آپ کی عرض پر ہمارا قلم بہت کچھ کر چکا ہے۔ اب یہ مند

جانے بھی دیجئے۔ پھر لکھتے ہیں۔

اگر خیر القرون میں یہ امور ہوئے ہیں تو صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے

چشم ماروش دل مانند۔

صحیح اور صریح حوالے کے بارے میں ہم اس کتاب میں دھار ذقنہم

ینفقون کے تحت کافی گفتگو کر چکے ہیں۔ اب آپ نہیں مانتے تو مزید

سنئے کہ ہم ان امور کو مباح قرار دیتے ہیں۔ اور گذشتہ سطور میں ثابت کر چکے

ہیں کہ مباح کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس

کی اباحت کی شرعی دلیل ہے۔ اور آپ جو ان امور کو حرام کہتے ہیں تو حرمت

تو بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوتی۔ صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے

کہ خیر القرون میں ان امور کو حرام قرار دیا گیا ہو اور آپ کی تو خیر

جثیت ہی کیا ہے۔ آپ کے جفا داری قسم کے اجبار بھی ان امور مخصوصہ

کی حرمت پر دلیل شرعی نہ لاسکے اور نہ انشاء اللہ تا قیامت

لا سکیں گے۔ تو پھر یہ فرمائیے کہ آپ نے ان امور کو بغیر دلیل شرعی کے حرام کر کے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پر کیسے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال کردہ کو حرام قرار دے کر گویا خدا اور رسول سے بھی بڑھ گئے۔

پھر لکھتے ہیں۔ ان بدعات کو مباح قرار دینا اور قرآن کریم کی آیات سے ان کو کشید کرنا نہ صرف یہ کہ گمراہی اور گناہ ہے۔ بلکہ تحریف ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

بیشک اللہ تعالیٰ جھوٹوں سے بچائے۔ تحریف کون کرتا ہے۔

یہ بات ان گنت مرتبہ قارئین پر واضح ہو چکی ہے۔ غیر مقلد دینی لحاظ

سے آپ کے چچا ہوتے ہیں اور انہوں نے بھی آپ کو رئیس المحرفین کا

لقب دیا ہے۔ اب جب کہ آپ کا کنبہ ہی آپ کو محرف کے بجائے

رئیس المحرفین کا لقب دے چکا ہے۔ تو آپ اپنی اس جائداد کو اس

طرح بے قدری سے نہ لٹائیں۔ بزرگوں کے عطیات کی قدر کیا کرتے

ہیں۔ انہیں اس طرح پامال نہیں کرتے۔ بھلا ہم تحریف کیا کریں گے۔ ہم تو

آئمہ اور سلف کے تابع اور مقلد ہیں۔ ہم نے تو اپنے آپ کو شریعت کے

ایک ایک لفظ کا پابند بنالیا ہے۔ یہ تو آپ کا اور آپ کے آباء کا حق

ہے۔ مطمئن رہیں۔ ہماری طرف سے آپ کی حق تلفی کبھی نہیں ہوگی

انشاء اللہ!

اباحت اصلیبہ کی تردید پر عقلی دھکوسلے اور ان کے جوابات

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”فرض کیجئے کہ کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ ایک

چھٹی نماز ایجاد کرے اور اس کی ہر رکعت میں دو دور کو ع اور

چار چار سجدے ایجاد کر لے۔ تو کیا اس اباحت اصلیہ کے قانون سے اس نو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟

(راہ سنت ص ۱۰۴)

سرفراز صاحب کی جہالت اور بے خبری حیرت انگیز ہے۔ کئی بار بیان کر دیا گیا۔ کہ اباحت اصلیہ سے اس چیز کی اباحت پر استدلال ہوگا جس کی حلت یا حرمت دوسرے دلائل سے ثابت نہ ہو۔ چھٹی نماز کو اباحت اصلیہ کی مد میں لانا ناری شعبہ بازی اور مخالطہ آفرینی ہے۔ اولاً اس لئے کہ اسم عدد لفظ خاص ہے۔ اور لفظ خاص اپنے مفہوم میں قطعی ہوتا ہے۔ نہ اس سے کم جائز نہ زیادہ۔ لہذا جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں۔ تو صرف چار نمازوں کو فرض سمجھنا جس طرح باطل ہے۔ اسی طرح چھٹی نماز کو فرض سمجھنا بھی باطل ہوگا۔ ورنہ عدد خاص کی خصوصیت باطل ہو جائے گی۔

ثانیاً اباحت اصلیہ سے اگر کچھ ثابت ہوگا تو مباح ثابت ہوگا فرض کیسے ثابت ہو جائے گا۔ کیا یہ حماقت خیزی کی انتہا نہیں ہے کہ اپنا اباحت اصلیہ سے چھٹی نماز کی فرضیت ثابت کر کے محارضہ کر رہے ہیں۔

ثالثاً اگر چھٹی نماز سے مراد مباح ہے۔ یعنی کوئی اباحت کے درجہ میں چھٹی نماز پڑھے تو گزارش ہے کہ چھٹی تو اپنی جگہ پر ہے۔ کوئی نفلی طور پر چھ سو نمازیں بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقی اپنے نمازیں دو دو رکوع اور چار چار سجدہ کو جو اباحت کی مد میں شامل کیا ہے تو یہ بھی محض جہالت ہے۔ سرفراز صاحب اباحت اصلیہ سے استدلال اس چیز پر کیا جائے گا جہاں شارع کا کوئی مخصوص حکم نہ ہو نماز کی مخصوص ہیئت پر تو شارح کے منصوص احکام موجود ہیں۔ جن میں کسی ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ نماز خواہ نفلی ہو یا واجب اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت کو شارع نے معین فرما دیا ہے

لہذا جو نماز بھی ہوگی وہ اپنے طریقہ پر ہوگی۔ آپ آخر اس قدر بوکھلا کیوں گئے ہیں۔

سرفراز صاحب کو یہ بھی شکوہ ہے کہ اباحت اصلیہ جب مدرک شرعی نہ ہونے سے ثابت ہوتی ہے تو اباحت اصلیہ پر آیات و احادیث سے استدلال کیوں کیا جاتا ہے کیا یہ آیات و احادیث مدرک شرعی نہیں ہیں؟ یہاں پر بھی اپنے حسب دلت جھک رہی ہے۔ سرفراز صاحب اباحت اصلیہ کے قاعدہ کلیہ کا حجت ہونا ایک اور چیز ہے اور اس اباحت سے کسی مخصوص چیز پر استدلال کرنا اور باتے، آیات و احادیث سے اباحت اصلیہ کے قاعدہ کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور اس قاعدہ سے اباحت وہیں ثابت ہوگی۔ جہاں مدرک شرعی نہ ہو۔

مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب | سرفراز صاحب اباحت اصلیہ پر ایک اعتراض

کرتے ہوئے کھتے ہیں۔ یہی ارشاد فرمائیے کہ حضرت امام ابو حنیفہ دیریا کے کس جانور کو حلال اور کس جانور کو حرام فرماتے ہیں؟ مفتی صاحب احناف تو خیر احناف ہیں دیگر مسالک کے علماء کو بھی ایمر مسلم ہے چنانچہ حضرت امام نووی ابو ذریا بھی بن شرف الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

وقال ابو حنیفۃ لا یحل غیر السمک (نودی ج ۲ ص ۱۲۸ شرح مسلم) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے بغیر کوئی دریائی جانور حلال نہیں ہے۔

مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا دریائی جانور تمام اشیاء اور چیزوں کی فہرست میں داخل نہیں ہیں؟ یا یہ قاعدہ ہی امام موصوف کو معلوم نہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت (باجتہاد) سرفراز صاحب کا یہ لغو اعتراض کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ امام موصوف

نے ان دریائی جانوروں کو کس دلیل سے حرام کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان اشیاء کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی ہے یا نہیں۔ اگر ان کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے تو ان کا اباحت اصلیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ کیونکہ جن چیزوں پر حلت یا حرمت وغیرہ کا شرعی حکم نہ ہو وہ اباحت اصلیہ کے تحت آتی ہیں۔ نہ کہ وہ جن کی حرمت پر دلیل شرعی موجود ہو اور اگر ان کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ تو امام موصوف نے بغیر کسی دلیل شرعی کے ان دریائی جانوروں کو کیسے حرام کر دیا؟ کیا حرمت اصلیہ سے؟؛ لیکن وہ تو آپ کے نزدیک ورود

شرع سے پہلے ہے۔ ثانیاً دریائی جانوروں میں امام صاحب کا مذہب معلوم کرنے کے لئے آپ کو کوئی حنفی کتاب نہیں ملی تھی جو آپ کے اس مسئلہ کو کتب شافعیہ میں دیکھا ہے۔ ثالثاً ایسے اب ہم آپ کو احناف کی کتب سے اس مسئلہ پر مطلع کرتے ہیں۔
علامہ برہان الدین فرغانی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں۔

ولنا قولنا تعالیٰ و یحرم علیہ
المجاثث وما سوا السمک
نجیث وھی رسول اللہ علیہ
السلام عن دوا یتخذ فیہ
الضفدع۔

مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر
احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے نبی علیہ السلام اشیاء نجیثہ کو حرام
کرتے ہیں اور مچھلی کے سوا باقی جانور نجیث
ہیں پس وہ بھی حرام قرار پائے اور اس کی تائید اس سے
بھی ہوتی ہے کہ حضور نے اس کو کھانے سے منع
فرمایا جو مینڈک سے بنائی جاتی ہے۔

ہدایہ ج ۲ ص ۲۴۰
کاش سرفراز صاحب آپ مکتبہ فکر بریلی کے کسی طالب سے ہی ہدایہ پڑھ
لیتے۔ تو یہ رسوائی آپ کا مقدر نہ بنتی۔ مذکورہ عبارت سے واضح ہو گیا کہ مچھلی
کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر دلیل شرعی موجود اور جس کی حرمت پر
دلیل شرعی موجود ہو۔ اس کو اباحت اصلیبہ کا فرد بنا کر اس کی حرمت کی اباحت
پر اعتراض کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔

بجملہ اللہ تعالیٰ ہم نے اباحت اصلیبہ کے مسئلہ پر تنقید متین۔ راہ سنت
اور باب حجت سے چن چن کر سرفراز صاحب کے شبہات کا ازالہ کر دیا
ہے۔ کاش انہیں بھی ہدایت نصیب ہو!



کائنات میں تصرف

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ قل لا املک لنفسی نقعا
ولا منرا الا ما شاء اللہ۔ اس آیت کے ترجمہ میں علامہ حضرت قدس سرہ فرماتے
ہیں۔ تم فرمائیں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں۔ مگر جو اللہ چاہے۔ اور اس
تفسیر میں حضرت صدر الافاضل سید مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا۔ حضرت
مترجم قدس سرہ العزیز نے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار
میں ہو۔ جو ذاتی قدرت رکھے۔ اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا۔ جس کا علم بھی ذاتی
ہو۔ کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے۔ اس کے تمام صفات ذاتی تو معنی یہ ہوئے
کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہو تو قدرت بھی ذاتی ہوتی۔ اور میں بھلائی جمع کر لیتا
اور برائی نہ پہنچنے دیتا۔ بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ
ہے۔ اور برائیوں سے تنگی تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے
کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن
کر لینا ہو۔ اور برائی سے بد بخت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا تو حاصل
کلام یہ ہو گا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا۔ تو اے منافقین و کافریں
نہیں سب کو مومن کر ڈالتا۔ اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی۔

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ کی اس تفسیر میں منصف مزاج حضرات کی
ہدایت کا وافر سامان موجود ہے۔ اور انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ
تمام معتبر تفاسیر کے مطابق ہے لاعلم الغیب کے تحت ہم اس کی تائید میں
مفسرین کی شہادت پیش کر چکے ہیں۔ البتہ مبتدعین دیوبند جن کے مذہب کی بنیاد
ہی عداوت پر ہے۔ انہیں یہ تفسیر وارا نہیں کھاتی۔ صدر الافاضل نے یہاں

قدرت ذاتیہ کی نفی کی ہے۔ اس پر سرفراز صاحب کو اعتراض ہے کہ ذاتی قدرت تو ویسے بھی منتفی ہے۔ پس اس آیت میں عطائی قدرت کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی سرفراز صاحب کے نزدیک رسول ایسا بے بس اور مجبور ہے۔ جو کسی امر پر نہ ذاتی قدرت رکھتا ہے نہ عطائی۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ کی بے بسی ثابت کرنے کے لئے اپنی پوری قدرت صرف کی ہے۔ اور اللہ کے نبی کے اختیار کو رد کرنے کے لئے تمام زور قلم خرچ کر دیا ہے۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دوسروں کے بارے میں نفع و ضرر کا اختیار ملتا تھا اور نہ خود اپنی ذات بابرکات کیلئے جن میں ایک دلیل قل لا املک لنفسی الا یہ ہے۔ تو اس سے گلو خلاصی کے لئے خان صاحب بریلوی اور ان کے شاگرد رشید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ طریقہ اختراع اور اختیار کیا ہے کہ آیت کا معنی یوں کر ڈالے کہ میں از خود اختیار نہیں رکھتا اور میں ذاتی قدرت نہیں رکھتا۔ لہذا لفظ از خود اور ذاتی کی قید اپنی طرف سے لگا کر آیت کے قطعی معنی کے جواب سے عمدہ برا ہونا چاہتے ہیں۔“ (تنقید متین ص ۲۱۵)

سرفراز صاحب نے قرآن کریم کے معنی متعین کرنے کا ایک مضابطہ بیان کیا ہے۔ دیکھتے ہیں۔

”اگر انصاف خدا خونی اور دیانت کے ساتھ اس بات پر غور کر لیا جائے کہ آخر یہی قرآن و حدیث حضرات صحابہ کرام۔ تابعین عظام اور ائمہ دین و بزرگان صالحین کے سامنے بھی تھے۔ ان کا جو مطلب و معنی اور جو تفسیر و مراد انہوں نے سمجھی وہی حق اور صواب ہے۔ باقی سب غلط و باطل ہے پس عوام کا یہ کام ہے کہ ہر باطل پرست اور خواہش زدہ سے سوال کریں کہ فلاں آیت اور فلاں حدیث کی جو مراد تم بیان کر رہے ہو۔ آیا یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔ اگر ہے

تو صحیح اور صریح حوالہ بناؤ۔ چشم ماروش دل ماشاد۔ ورنہ یہ مراد جو تم بیان کر رہے ہو۔ اس قابل ہے کہ اسے تم اٹھا کر پھینک دو باہرنگلی میں۔“ (تنقید متین ص ۲۲۲)

تنقید متین کے صفحات میں جو سرفراز صاحب نے قرآن کریم کی من مافی تفسیر کی ہے۔ اور جس طرح انہوں نے آیات کو اپنی خواہش نفسانی کا تابع بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ وہ ہم قارئین پر واضح کر چکے ہیں مثلاً سرفراز صاحب نے اس کتاب میں ایسا کئی مستحجن کی تفسیر میں یہ سمجھانا چاہا ہے۔ کہ ذاتی اور عطائی ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے غیر المغضوب کے تحت لکھا ہے کہ حق کو ظلم کے مخرج سے پرھنا اہل حق کا طریقہ ہے و صما ز دقتا ہم ینفقون کے تحت لکھا ہے کہ گیارہویں وغیرہ کرنا جائز نہیں۔ ولئن شئنا لنذہبن بالذی اوجینا الیک کی امکان کذب کے ساتھ تفسیر کی ہے لا اعلو الغیب کو غیب عطائی کی نفی پر محمول کیا ہے اور قل لا املک لنفسی نفعا کی تفسیر عطائی قدرت کی نفی کے ساتھ کی ہے۔ کیا ان تمام تفسیروں میں سلف نے آپ کا ساتھ دیا ہے۔ پس اب ہم سرفراز صاحب کے بیان کردہ قاعدہ اور ان کی اجازت سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آیات قرآنیہ کی جو تفسیر اور مراد آپ نے تنقید متین میں بیان کی ہے۔ اور اس پر آپ سلف صالحین کی تفسیر سے کوئی ایک شہادت بھی نہیں پیش کر سکے۔ تو پھر کیا آپ کی یہ تفسیر بلکہ پوری کتاب اس قابل نہیں ہے کہ اٹھا کر پھینک دو باہرنگلی میں۔

بتحلاف آپ کے ہم نے اپنی کتاب میں آیات قرآنیہ کے تحت جو کچھ بیان کیا۔ اسے احادیث، اقوال سلف اور تفاسیر سے مزین کر دیا ہے بلکہ دیوبند کے اکابر علماء کے اقوال پیش کر کے اس کی مزید تائید کر دی ہے اور اب مثلاً شیان حق کے لئے یہ امر کوئی مشکل نہیں رہا کہ حق کس

جماعت کے ساتھ ہے۔

قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلائل | بہر حال سرفراز صاحب قد
لا املک لنفسی نفعا کی تفسیر

میں لکھتے ہیں کہ یہاں قدرت ذاتیہ کی نفی نہیں ہے۔ اور یہ ان کا خود ساتھ
اور مذموم دعویٰ ہے جس پر وہ کسی تفسیر کو پیش نہیں کر سکتے۔ اور بھلا اللہ ہم
اس بات پر مفسرین کی شہادت پیش کریں گے کہ اس آیت میں ذاتی اور مستقل
قدرت ہی کی نفی مراد ہے۔

پس اولاً ملاحظہ فرمائیے، امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔
والقدرة الكاملة والعلم المحيط قدرت کاملہ اور علم محیط نہیں ہے مگر
لیس إلا للہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۳۱)

اور اہل فہم پر روشن ہے کہ قدرت کاملہ وہی ہے جس میں کسی وجہ
سے کمی نہ آ سکے۔ یعنی جو قدرت قدیم ہو۔ ممتنع الزوال ہو۔ مستقل ہو۔ اور
اسی کو قدرت ذاتیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور علم محیط وہ علم ہے جو معلوما
غیر متناہیہ کو شامل ہو۔ قدیم ہو۔ مستقل ہو۔ اور اس کو علم ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں۔
پس ظاہر ہو گیا جس طرح صدر الافاضل نے اس آیت کو علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ
کی نفی پر محمول کیا ہے۔ امام رازی کی بھی یہی تحقیق ہے اور اس کی مزید وضاحت
انہوں نے لا اعلو الغیب کے تحت کی ہے جس کو ہم اس بحث میں پیش کر چکے ہیں
ثانیاً یہ کہ احادیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نفع کی نسبت
کرنا ثابت ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں ہے۔

عن العباس بن عبد المطلب
انما قال یا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم هل نفعت
عباس بن عبد المطلب سے مروی ہے کہ
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض
کیا یا رسول کیا آپ نے ابو طالب کو

ابا طالب بشی فانتہ کان
یحوطک ویغضب لک قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نعم هو فی ضحضاح من نار و
لولا اننا لکان فی الدارک
الاسفل من الناس۔
کچھ نفع پہنچا یا۔ وہ آپ کی رعایت کرتے
تھے آپ کیلئے غضبناک محنت تھے پس رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں میں
نے اسے نفع پہنچا یا ہے (اب اس کی صرف ٹیڑھا
اگ میں ہیں وراگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے
سب سے آخری طبقہ میں ہوتا۔)

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ حضور نے ابو طالب کو
جو نفع پہنچا یا۔ یہ ذاتی ہے یا عطائی پہلی صورت خود شرک ہے۔ اور
دوسری صورت میں آپ کا قاعدہ صحیح نہ رہا۔
ثالثاً یہ کہ حدیث شریف میں ہے۔

عن عابس بن ربيعة
قال سالت عمر یقین
الحجر ویقول انی لا علم
انک حجر ما تنفع ولا
تضر الحدیث۔
عابس بن ربیعہ سے مروی ہے کہ
انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ حجر اسود
کو بوسہ دے رہے تھے اور فرما رہے تھے
کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور نہ نفع
دیتا ہے اور نہ نقصان۔ یعنی وہ پتھر کسی کو
ذاتی طور پر نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
(مشکوٰۃ ص ۲۲۸)

ملا علی قاری لا تضر کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ای فی الذات (مرقاۃ ج ۵
ص ۳۲۵) علحضرت یا صدر الافاضل اگر حضور کے نفع و ضرر کے حکم پر
ذاتی کی نفی کر کے اس کے لئے عطائی نفع ثابت کریں تو آپ بگڑ جاتے ہیں اور ملا علی قاری
اس عبارت میں پتھر کے لئے عطائی نفع ثابت کر رہے ہیں اور اس پر آپ نے کوئی اعتراض نہیں کیا
افسوس آپ بے جان پتھر کے لئے نفع مان سکتے ہیں وراکائنات کے محسن اعظم کے لئے یہ فضیلت
بھی آپ کی نگاہوں میں کھٹکتی ہے۔

رابعاً۔ سرفراز صاحب کے شبیر احمد عثمانی اور دیوبند کے شیخ الاسلام اس آیت

کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں ہو نہ اپنے اندر

اختیار مستقل رکھتا ہے۔ نہ علم محیط۔ (حاشیہ عثمانی برقرآن ص ۲۳۱)

لیجئے۔ اب تو دیوبند کی شہادت سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہاں اختیار مستقل یعنی قدرت ذاتیہ اور علم ذاتی کی نفی ہے۔ صدر الافاضل اگر قدرت ذاتیہ کی نفی کریں۔ تو آپ اسے اختراع، تحریف، چور و روازہ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اب اپنے عثمانی صاحب پر کیا فتویٰ لگا بیٹھے گا۔ مدینہ کے یہودیوں کی طرح کہ جو بات ان کے اخبار و رہبان کہتے وہ سب حق و صواب ہوتی۔ اور اگر وہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تو سر دھڑکی بازی لگا کر اس کی تکذیب کرتے۔ آپ نے بھی یہی شعار بنا رکھا ہے۔ کہ جو بات آپ کے اخبار و رہبان کہیں وہ سب دین و ایمان اور جب وہی بات علماء اہل سنت کہیں۔ تو آپ کو اس میں شرک و بدعت کا چور و روازہ نظر آ جاتا ہے۔ آپ ہی سوچیں کہ آپ کی اس روش سے لوگوں پر کیا اثر پڑے گا۔

خامسا۔ لیجئے۔ اب ہم خود سرفراز صاحب کی عبارت سے منوائے دیتے ہیں کہ حضور کو عطائی قدرت و اختیار حاصل تھا۔ لکھتے ہیں۔

”الغرض جو افعال بندے کے اختیار اور کسب سے تعلق رکھتے ہیں ان میں اس

کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہو۔ وہی بس ہوتی ہے (تنقیدین ص ۲۱۷)

اب یہ تو بہر حال آپ نے مان لیا کہ نبی کو قدرت اور اختیار حاصل ہے اور اس قدرت کا ذاتی ہونا تو بدایت باطل ہے۔ پس متعین ہو گیا کہ یہ قدرت عطائی ہے۔ اور جب حضور کے لئے قدرت عطائی ثابت ہو گئی۔ تو اس آیت میں جس قدرت کی نفی کی گئی ہے۔ اس کو لامحالہ ذاتی پر محمول کرنا پڑے گا۔

سرفراز صاحب کے شبہات اور ان کے جوابات | سرفراز لکھتے ہیں کیا حضرات صحابہ کرام

اور سلف صالحین کی قدرت ذاتی تھی یا عطائی۔ اگر ذاتی تھی تو کس

دلیل سے اور اگر عطائی تھی تو انہوں نے بھلائی کیسے جمع کر لی اور برائی

سے کیوں کر بچ گئے۔ (تنقیدین ص ۲۱۶)

الجواب۔ صحابہ کرام کی قدرت عطا کردہ تھی اور انہوں نے جو کچھ نفع حاصل کیا۔ ضرر سے بچے وہ سب اسی عطائی قدرت کا ثمرہ تھا۔ یہ کس نے کہا ہے کہ عطائی قدرت سے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں عطائی قدرت سے ذاتی طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے اور یہی صدر الافاضل رحمہ اللہ کا مطلب ہے۔ اسی طرح لکھتے ہیں۔

آپ نے متعدد ازواج مطہرات سے اور خصوصاً حضرت عائشہ سے

ہونکاح کیا ہے۔ اس میں بھی آپ کے لئے کوئی راحت تھی یا نہیں۔ اگر

راحت تھی تو جب آپ کو قدرت ذاتی نہ تھی یہ راحت کہاں سے آگئی۔

(تنقیدین ص ۲۱۷)

اس کا جواب بھی پہلے کی طرح واضح ہے کہ چونکہ قدرت ذاتی نہ تھی اس لئے اس راحت کا حصول بھی بیدار نہ تھا۔ قدرت عطائی تھی اس لئے اس پر یہ ثمرات بھی عطائی طور پر مرتب ہوئے۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”اہل بدعت حضرات کا یہ فاسد خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوینی

اور تشریعی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کر دیئے گئے ہیں اس لئے آپ تمام

جہان میں تصرف کرتے ہیں رزق تقسیم کرتے ہیں اور نفع و ضرر دینے کے مجاز

ہیں، معاذ اللہ اور یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف و رعیت

کی ہو یہ نقل و تقلید ہے اور توحید پر کاری ضرب ہے (تنقیدین ص ۲۱۵)

اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔

”عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف

سے اختیارات مرحمت ہوئے ہیں کیا بریلوی حضرات کے نزدیک

یہ نظریہ ٹھیک ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۸)

الجواب۔ سرفراز صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ خلاف واقع کہا ہے اہلسنت علماء بریلی کا یہ ہرگز عقیدہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام اختیارات حضور کو دے کر معاذ اللہ معطل ہو بیٹھا ہے۔ ہمارا ایمان ہے۔ اس عالم آب و گل میں کوئی ذرہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ وہ فعال مطلق ہے اور اس پر کسی کا اجارہ نہیں اور نہ وہ کسی کی بات ماننے پر مجبور ہے البتہ اس نے اپنے کمال فضل سے اپنے مقررین کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اگر وہ اس سے دعا مانگیں تو وہ بے پناہ عنایت سے اس کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

وَلَنْ سَلِّحَ لِعَاطِيَتِهِ
(مشکوٰۃ ص ۱۹۷)
اگر میرا مقرب بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور بضرور عطا کروں گا۔

بیز حدیث شریف میں ہے۔

لَوْ اَقْسَمَ عَلٰی اللّٰهِ لَا يَدْعُو
(مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۶)
اگر بندہ مقرب کسی کام کو کرنے کے لئے اللہ کی قسم اٹھائے تو اللہ تعالیٰ قسم کو ضرور سچا کرے گا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

معناه لو سال الله شيئا
واقسم عليه ان يفعله لفعله
ولو يخيّب (لمعات)
کہ اگر وہ اللہ سے سوال کرے اور قسم کھائے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کرے گا تو البتہ اللہ تعالیٰ ویسا ہی کرے گا اور اپنے بندے کو ایسا ہی نہیں کرے گا۔

بیز حدیث شریف میں ہے۔

كل نبی يجاب مشکوٰۃ
اور جب عام اولیاء و انبیاء کا خدا کی بارگاہ میں یہ مقام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو پیدا الانبیاء والمرسلین ہیں۔ ان کے مرتبہ کا کیا عالم ہوگا اور آپ

جس کے حق میں دعاء فرمادیں وہ کیوں مقبول نہ ہوگی۔ پس اگر رزق یا اولاد کے حصول کے لئے نبی علیہ السلام سے عرض کی جائے کہ حضور آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رزق یا اولاد عطا فرمائے۔ تو یہ قطعاً جائز اور دلائل صحیحہ سے ثابت ہے۔

دیکھئے حدیث شریف میں ہے۔

عن ام سلمہ انھا قالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس خادمك ادع الله لما قال اللهم اكثر مالہ وولده وبارك له فيما اعطيتہ قال انس فوالله ان مالی لكثير وان ولدی وولہ وولدی يتعادون علی نحو المائة۔ اليوم متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۵۷۵)
ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس آپ کا خادم ہے آپ اللہ سے اس کے لئے دعاء فرمائیے پس آپ نے دعاء فرمائی کہ اللہ انس کے مال اور اولاد میں برکت اور کثرت عطا فرمائے حضرت انس کہتے ہیں خدا کی قسم آج میرا مال بہت کثیر ہے اور میری اولاد کا عدد سنو ہو چکا ہے۔

اس کے تحت ملا علی قاری رحمہ اللہ ابن حجر کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔

روی انه قال رزقت من صلبی سوی ولدی مائة وخمسة وعشرين ذکوی الابناتین علی ما قبل وان ارضی یشمر فی السنة مرتین۔
روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ میری صلبی اولاد سے ایک سو بیس بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں اور میری زمین سال میں دو بار پھل لاتی ہے۔

مبتدعین دیوبند کو اس مقام پر یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ اسناد مجازی

سبب دینا حقیقت میں اللہ ہی ہے اور انبیاء و اولیاء کا کام دعا کرنا ہے اور وہ محض واسطہ ہوتے ہیں۔ تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ غوث پاک نے بیٹا دیا۔ اور حضرت علی مشکک کشاکیسے ہو گئے اور پھر حضور کو حاجت روا یا مددگار کیوں کہا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا جواب انہیں

بارہا دیا جا چکا ہے کہ یہ سب اسناد مجازی کے قبیل سے ہیں کاش انہوں نے تلخیص المفتاح پڑھ لی ہوتی۔ تو ان کی سمجھ میں آ جاتا کہ اسناد الی السبب اسناد مجازی کی ایک قسم ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں !

وہابی الامیر مدینۃ فی السبب (مختصر معانی ص ۸۹) یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ امیر نے بنایا حالانکہ یہ کام تو امیر کے ملازم کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے چونکہ امیر کے حکم سے شہر بنایا گیا۔ پس وہ شہر بنانے کا سبب ہے اور اس کی طرف اسناد کر کے مجازاً (نبی الامیر المدینۃ) امیر نے شہر بنایا۔ اسی طرح سے چونکہ انبیاء اولیاء کی دعاء سے اللہ تعالیٰ رزق یا اولاد عطا فرماتا ہے۔ اور وہ اس عطایں سبب قرار پاتے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انبیاء یا اولیاء نے رزق یا اولاد دی۔ اور اسناد مجازی خود قرآن کریم سے ثابت ہے سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما نقبوا الا ان اغناهم الله ورسوله من فضله اور ان منافقین کو نہ برا لگا مگر یہ کہ مومنین کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اس آیت کریمہ میں غنی کرنے کا اسناد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا گیا ہے حالانکہ اغناء اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پس ثابت ہوا کہ یہ اسناد مجازی ہے۔
حدیث شریف میں ہے۔

ما ینقم ابن جمیل الا انما کان
فقیرا فاغناه اللہ تعالیٰ ورسولہ
مشکوٰۃ ص

ابن جمیل کو برا نہ لگا مگر یہ کہ وہ فقیر تھا
پس اللہ اور اس کے رسول نے اسے
غنی کر دیا۔

اس کی شرح میں شیخ محقق فرماتے ہیں ۔

و غنا بحقیقت از خدا است و
ذکر رسول بجمت آنست کہ وے

غنا، حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی
صفت ہے۔ اور رسول اللہ صلی

صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ است در
افاقیت خیرات و وصول نعمات
از جناب حق۔ (اشعۃ المعارج ج ۲ ص ۸)

اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس جہ سے ہے
آپ اللہ کی طرف سے تمام نعمتوں
اور خیرات کے پہنچنے میں واسطہ ہیں۔

اسی طرح سورہ مریم میں ہے ۔ لاهب لك غلاما زكيا ۔ فرشتہ نے حضرت مریم سے کہا ۔ تا کہ میں تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں ۔ اور لڑکا دینا اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا خاصہ ہے ۔ مگر اس آیت کریمہ میں اس کا اسناد فرشتہ کی طرف کیا گیا ہے ۔ پس اسناد مجازی پر یہ قرآن کریم کی دوسری شہادت ہے ۔ مزید تفصیل اور توضیح کے لئے مختصر معانی مطول اور دیگر کتب بلاغت کی طرف رجوع فرمائیں ۔

(مبتدعین دیوبند کا ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ اسناد مجازی ایک علمی اصطلاح ہے۔ عوام اس پر مطلع نہیں ہیں۔ اس لئے عوام کا یہ کہنا کہ غوث پاک نے بیٹا دیا، بہر صورت شرک ہے یہ ایک پرفریب مغالطہ ہے۔ عوام اسناد مجازی کے مفہوم سے واقف ہیں۔ اگرچہ اس کی تعبیر اور اصطلاح پر مطلع نہیں ہیں۔ مثلاً سب جانتے ہیں کہ عوام اپنے عرف میں کہتے ہیں کہ تاج محل شاہجہاں نے بنایا ہے حالانکہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاہجہان تو اس کے بنانے کا سبب تھا حقیقت میں تاج محل مزدوروں نے بنایا تھا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ حضرت غوث پاک نے بیٹا دیا حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اولاد غوث پاک کی دعاء سے یا ان کے توسل سے ملی اور دینے والا حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پس اس مفہوم کو وہ اسناد مجازی کی اصطلاح سے تعبیر کرنے پر اگرچہ قادر نہیں ہیں مگر اس کی حقیقت سے وہ واقف ہیں۔)

بحمد اللہ ہم نے قرآن و حدیث، شہادت سلف اور عوام کے عرف سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے سب کچھ مل سکتا ہے۔ اور محاذِ ازیہ کننا صحیح ہے۔ کہ حضور نواز تے ہیں۔ عطاء فرماتے ہیں۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض نہ ہونے کی بحوالہ بحث ہم نے پہلے عرض کر دی ہے پس احکام جن کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے آپ کو مفوض نہیں تو نفع اور ضرر اور امور تکوینی کی تفویض اور عطاء کمال سے (متقیدین ص ۲۱۹)

احکام کی تفویض کا کیا مطلب ہے۔ اس کو ہم سابقہ اوراق میں مدلل بیان کر چکے ہیں اور رہا امور تکوینیہ میں تصرف تو وہ اللہ کی عطاء سے آپ کی امت کے اولیاء کو بھی حاصل ہے۔ آپ کا مقام تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے چنانچہ ابن عابدین شامی پرمسیدی محمد شاذلی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

ومنهم من ختم دائرة المولايت قطب الوجود سيدى محمد الشاذلى البكرى الشهير بالحنفى الفقهاء الواعظاء احد من صرفه الله تعالى في الكون وممكنه من الاحوال ونطق بالمخبيات وخرق لها العوائد وقلب لها الاعيان - (رد المحتار ج ۱ ص ۲۲)

اور اولیاء حنفیہ میں سے دائرہ ولایت کے خاتم سیدی محمد شاذلی بکری حنفی ہیں۔ اور یہ ان اولیاء میں سے ایک ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف عطا کیا تھا۔ اور انہیں حالات پر قابو دے دیا تھا انہوں نے غیب کی خبریں دیں۔ اور بے شمار امور خارقہ للعادات ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔

اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

”واولیاء را کرامات و تصرف ورا کو ان حاصل است اشہ اللہ العالیٰ“

اولیاء اللہ کو کرامات اور کائنات میں تصرف حاصل ہوتا ہے۔

اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ بعض امور میں انبیاء اولیاء عطاء ویزوی سے خود تصرف کرتے ہیں۔ جیسا کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جن میں سے بعض کو ہم نے آیات نستعین کی بحث میں ذکر کیا ہے اور بعض امور

میں فقط اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ ہر حال ہر دو باتوں کو ہم دلائل سے بیان کر چکے ہیں۔

سرفراز صاحب نے مزید لکھا ہے کہ۔

”اگر بھلائی سے بقول مولوی نعیم الدین صاحب سرکشوں کا مطیع اور اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کرنا مراد ہو تو اس میں بھی ذاتی کی قید بالکل سینہ زوری ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عطائی نبوت اور عطائی رسالت کی بدولت بھی باذن اللہ تعالیٰ بہت سے نافرمانوں کو فرمانبردار اور کافروں کو مومن اور سرکشوں کو مطیع بنایا اگر مولوی نعیم الدین صاحب کی خانہ ساز منطق کا خیال ملحوظ رکھا جائے تو کسی کافر و مشرک کو کبھی ہدایت نہیں ہوتی۔ (متقیدین ص ۲۱۹)

الجواب۔ ذاتی کی قید بالکل بجا اور بر محل ہے۔ البتہ سرفراز صاحب کی کم فہمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ غور فرمائیے کہ اگر عطائی قدرت کافروں کو مومن بنانے میں کافی ہوتی تو کیا وجہ تھی کہ آپ کی بسیار کوشش کے باوجود ابولہب اور ابو جہل نے اسلام قبول نہیں کیا اور بے شمار کفار زمانہ نبوت میں آپ کی سعی بسیار کے باوجود کفر کی حالت پر پرمگئے۔ پس اگر بقول سرفراز صاحب عطائی قدرت کافی تھی تو آخر یہ لوگ کیوں نہ ایمان لائے۔ پس اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں جس طرح حضرت صدر الافاضل نے فرمایا ہے، کہ جس کو چاہیں مسلمان بنادیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ذاتیہ سے ہی ممکن ہے۔ جس کی قدرت اور اختیار ذاتی ہو وہ جسے چاہے مشرف یہ اسلام کر سکتا ہے اور چونکہ یہ قدرت ذاتیہ اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اس لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ وہ اسلام لے آئے اور جن کا اسلام اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہ تھا۔ وہ کفر پر پرمگئے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطائی قدرت و اختیار کے مالک تھے۔ پس آپ کی تبلیغ کی وجہ سے جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت پیدا کی

وہ مسلمان ہو گئے۔ اور جن کے دلوں میں اللہ نے یہ وصف پیدا نہ کیا وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اگر اللہ کی طرح حضور بھی (معاذ اللہ) ذاتی قدرت کے مالک ہوتے۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مسلمان بنا دیتا ہے اسی طرح حضور کو بھی یہ وصف حاصل ہوتا۔ اور پھر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مکہ کا کوئی شخص اسلام لائے بغیر مرجاتا۔ کیونکہ آپ ان سب کے اسلام پر حریص تھے۔ اور ان سب کا اسلام لانا چاہتے تھے۔ جس پر آپ کی شب و روز کی تبلیغ شاہد ہے۔ چنانچہ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا۔ تو اے منافقین و کافرین تم سب کو مومن کر ڈالتا۔

پس ثابت ہوا کہ چونکہ آپ کی قدرت ذاتی نہ تھی۔ اس وجہ سے سب لوگ اسلام نہ لاسکے۔ جن کا اسلام اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ کی عطائی قدرت سے مسلمان ہو گئے۔ اور یہی بات صدر الافاضل نے بھی تحریر فرمائی ہے جسے سمجھنے کے لئے سرفراز صاحب نے اس قدر ہنگامہ آرائی کی تھی اور اب ہر حال ہم نے انہیں سمجھا دیا۔ اللہ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ اور اسے ابتداء بدعت کی ہدایت کا سبب بنا دے (آمین)

حرف آخر | سرفراز صاحب نے کتاب کے آخر میں ص ۲۲۲ پر حقیقت کا یہ معیار مقرر کیا ہے۔ کہ قرآن و حدیث کا جو معنی اسلف کی تفسیر کے مطابق ہو وہ مقبول ہے۔ ورنہ مردود ہے۔ ہمیں سرفراز صاحب کا معیار بسر و چشم منظور ہے۔ اور آپ نے ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں شروع سے آخر تک اس معیار کو برقرار رکھا ہے۔ قرآن کریم کی جس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اسے مفسرین کی عبارات سے مزین کیا ہے۔ بلکہ فریق مخالف کے مسلم اکابر کے اقوال سے اتمام حجت بھی کی ہے۔ اس کے برخلاف

آپ تنقید متین کو دیکھیں جس میں سرفراز صاحب نے آیات النہیہ کو باز یچہ اطفال بنایا ہے۔ اور اکثر مقامات پر من مانی تفسیر کی ہے۔ اور خانہ ساز تاویلوں سے قرآن کی اصل روح کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اب جو بیان حق کے لئے مشکل نہیں رہا کہ وہ سرفراز صاحب کے بیان کردہ معیار پر ان کی کتاب اور اس پر ہمارے اس تبصرہ کو ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کر لیں۔ کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ اور باطل کی پرستش کون کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے اور اس کے رسول کریم کی بے پناہ عنایت ہے جس کی وجہ سے ہمیں یہ توفیق حاصل ہوئی۔ کہ ہم نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر یہ سب کچھ لکھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا ترجمہ اور صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر وہ بحر زخار ہے۔ جس کی عظمتوں کا اندازہ کرنے کے لئے بھی ایک عظیم علم کی ضرورت ہے۔ ورنہ جہالت کی عینک سے دیکھنے والوں کا وہی حشر ہوتا ہے۔ جو تنقید متین میں سرفراز صاحب کا ہوا ہے۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں سرفراز کا کوئی شبہ اور کوئی وسوسہ نہیں چھوڑا۔ مگر اس کا ازالہ کر دیا۔ اور ان کی من گھڑت بدعات اور خانہ ساز قواعد پر ایسے اعتراضات قائم کئے ہیں۔ جو جان و ہایت پر قیامت تک کے لئے پہاڑ بن گئے ہیں۔ جن کے بوجھ سے وہ انشاء اللہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ بمطابق ملا آں باشت کہ چپ نہ شود۔ اس کے بعد بھی سرفراز صاحب سلسلہ خرافات شروع کر دیں۔ لیکن جہاں تک اصولی مباحث کا تعلق ہے۔ ہم نے دیوبندی بدعت کا کلیتہً خاتمہ کر دیا ہے۔ اور صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے جہالت عداوت کی بنیاد پر جو کچھ اچھالی تھی۔ اسے ہم نے ان کے چہرے کی طرف واپس لوٹا دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ ترجمہ

و تفسیر اہل سنت کے عقائد کا صحیح اور مدلل ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ
ہمیں اس کے فیض سے بہرہ مند فرمائے۔ اپنے حبیب اکرم کے صدقے
سے اس سعی قلیل کو قبول فرما کر مقبول عام بنائے۔ ہمیں اسلام پر زندہ
رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ آمین رب العالمین۔

واخذ دعوانا ان الحمد لله رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ
على حبیبہ محمد وعلى الہ واصحابہ اجمعین۔



طالب الدعاء غلام رسول سعید ری غفرلہ۔

کتاب مستطاب دلائل و براہین سے مرصع اور تہایت ہی عرق ریزی سے لکھی
گئی ہے۔

اہل محبت کے لئے نعمت عظمیٰ اور شاتمان رسول انام کے لئے ایٹیم بم۔
دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ حضرت مصنف مدظلہ کو دارین کی نعمتوں
سے سرفراز فرمائے اور ہر منصف مزاج کے لئے مشعل راہ بنائے۔

(تالش قصوری مصحح کتاب ہذا)